مفتی بہ مسائل کا مدلل مجموعہ

خزینۃ الفقہ

فی

مسائل الوقف

جلد سوم

تالیف

مولانا مفتی محمد کوثر علی صاحب سبحانی مظاہری
اُستاذِ حدیث جامعہ مظاہر علوم قدیم سہارنپور

زیر اہتمام

جامعۃ الفلاح دار العلوم الاسلامیۃ

نزد ریفرل ہسپتال ایس۔ڈی۔او کورٹ روڈ، فاربس گنج، ارریا (بہار) الہند

ناشر

مکتبۂ شیخ یونس

مفتیٰ بہ مسائل کا مدلل مجموعہ

خزینۃ الفقہ

فی

مسائل الوقف

جلد سوم

تالیف

مفتی محمد کوثر علی سبحانی مظاہری

استاذ حدیث جامعہ مظاہر علوم قدیم سہارنپور

زیر اہتمام

جامعۃ الفلاح دار العلوم الاسلامیہ

نزد ریفرل ہسپتال ایس۔ڈی۔او کورٹ روڈ، فاربس گنج، ارریا (بہار) الہند

ناشر

مکتبہ شیخ یونس

نزد مظاہر علوم دارِ قدیم چلکانہ روڈ، سہارنپور، یوپی انڈیا

نام کتاب : خزینۃ الفقہ فی مسائل الوقف

جلد : سوم

مصنف : مفتی محمد کوثر علی سبحانی مظاہری

کمپیوٹر کتابت : محفوظ الرحمٰن قاسمی 09871369681

سن طباعت : ۲۰۱۳ء بمطابق ۱۴۳۴ھ

صفحات : ۳۵۰

قیمت : دوسو روپے (۲۰۰)

ناشر : مکتبہ شیخ یونس مظاہر علوم قدیم سہارنپور
پن نمبر 247001 یوپی، انڈیا

طباعت : جید پریس، بلیماران، دھلی

ملنے کے پتے

مفتی محمد کوثر علی سبحانی حجرہ نزد دار الحدیث دار الطلبہ قدیم

مظاہر علوم چلکانا روڈ سہارنپور (یوپی) انڈیا

Mob:+91- 8859040180

جامعة الفلاح دار العلوم الاسلاميه

نزد ریفرل ہسپتال ایس ڈی او کورٹ روڈ فاربسگنج ضلع ارریہ بہار۔ پن نمبر:-854318

فہرست مضامین

تقریظ

باسمہٖ سبحانہٗ تعالیٰ

صالح امت جناب حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ
مہتمم دارالعلوم دیوبند

جواں سال عالم جناب مفتی کوثر علی سبحانی مظاہری کی تازہ تالیف ''خزینۃ الفقہ فی مسائل الوقف'' جلد سوم کا مسودہ میرے پیش نظر ہے، جس میں اوقاف سے متعلق مسائل واحکام اور جزئیات کوفقہ وفتاویٰ کی کتابوں سے منتخب کر کے مرتب فرمایا ہے۔اس سے پہلے مفتی صاحب کے قلم سے خزینۃ الفقہ کی دوجلدیں مرتب ہوکر شائع ہوچکی ہیں۔ جو بالترتیب نکاح اور طلاق کے مسائل پر مشتمل ہیں،خزینۃ الفقہ پر نظر ڈالنے سے محسوس ہوتا ہے کہ مرتب کتاب نے نکاح وطلاق اوراوقاف کے سلسلہ میں پیش آنے والی ہر امکانی صورت حال کا حکم دریافت کرنے کی کوشش کی ہے۔اور ہر مسئلہ کومراجع اور مصادر کے حوالہ سے مزین کیاہے۔اندازتحریر سہل اوراستفادہ آ ان ہے۔

امید ہے کہ آئندہ بھی ان کا تصنیفی سفر جاری رہے گا،اوران کی علمی کاوشوں سے ملت کیلئے بیش بہا نگارشات وجود میں آئینگی۔

مراجع ومصادر کی طویل فہرست سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسائل وجزئیات کے انتخاب اور ترتیب میں مفتی صاحب موصوف نے بہت عرق ریزی کی ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کی محنت قبول فرمائے۔اور دین وعلمِ دین کی مزید خدمت کی توفیق بخشے۔

ابوالقاسم نعمانی غفرلہٗ
دارالعلوم دیوبند
۲۷ ؍صفر المظفر ۱۴۳۴ھ

تقریظ

باسمہٖ تعالیٰ

جانشین فقیہ الاسلامؒ الحاج حضرت مولانا محمد سعیدی صاحب مدظلہ العالی
ناظم مدرسہ مظاہر علوم (وقف) سہارنپور، یوپی

احمدہٗ واصلی علیٰ رسولہ الکریم اما بعد

اسلام ایک مکمل دین مستقل تہذیب ہے، قرآن وحدیث اس کا دستور حیات ہے فقہ اس دستور حیات کا آئین ہے اور فقہ حنفی اس آئین کا زبدہ ہے، مختلف مسائل ومعاملات کو مرتب اور سہل انداز میں پیش کرنے کی کوششیں ہر زمانے میں کی جاتی رہی ہیں۔

چنانچہ عربی، اردو، فارسی، اور دیگر زبانوں میں مختلف فقہی کتابیں مرتب شکل میں ہمارے درمیان موجود ہیں جن سے باذوق حضرات استفادہ کرتے ہیں۔ ان ہی ضخیم کتابوں میں سے کسی ایک موضوع پر منتشر مضامین اور مسائل کو یکجا کرنے کی روایت بھی بری قدیم ہے۔

پیش نگاہ کتاب ''خزینۃ الفقہ'' بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جس کے مرتب جناب مولانا مفتی محمد کوثر علی سبحانی صاحب استاذ حدیث مظاہر علوم (وقف) سہارنپور ہیں۔

مولانا نے محنت شاقہ کے بعد نکاح کے موضوع پر قابل قدر علمی ذخیرہ یکجا کر کے سب سے پہلی جلد شائع کی تھی پھر کتاب الطلاق پر مشتمل دوسری جلد منظر عام پر آئی اور اب کتاب الوقف پر مشتمل تیسری جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے اس کتاب میں وقف کے موضوع پر قابل قدر ذخیرہ جمع کر دیا گیا ہے۔

میں نے جستہ جستہ کتابت شدہ مضامین کو دیکھا ہے امید ہے کہ حضرات اہل علم کے درمیان یہ جلد بھی جلد قبولیت حاصل کرے گی۔ اللہ تعالیٰ کتاب کو شرف قبول سے نوازے، مسلمانوں کی ہدایت اور فلاح کا ذریعہ بنائے اور مولانا موصوف کے علم وعمر میں برکت عطا فرمائے۔

مولانا سعیدی
ناظم: مظاہر علوم

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ النبی الامین وسیدنا وسندنا ومولانا محمد ن الکریم.وعلی الہ واصحابہ اجمعین ومن تبعھم باحسان الیٰ یوم الدین - امابعد

خداوند خالق ذوالجلال نے پوری کائنات کی تخلیق کے بعد تمام مخلوقات کی زندگانی کا مکمل و مستحکم نظام بنایا۔اوران کی جسمانی پرورش کیلئے ہمہ جہتی انتظام کیا۔اور ان تمام چیزوں کوجس کے لئے مسخر کیا گیاوہ حضرت انسان ہے۔(سبحان الذی سخرلنا ھذا وماکنا لہ مقرنین) یہی مخلوق ناطق اشرف المخلوقات ومکرم المخلوقات ہے(کرمنابنی آدم)اور یہی بنوآدم مقصود خداوندی ہے جس کواپنی بندگی کیلئے خاص کیا(وماخلقت الجن والانس الالیعبدون)اسی وجہ سے اس انسان کی ھیئت تخلیق سب سے بہتر، برتر، خوبصورت اورنرالے انداز میں کی گئی(لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم) لیکن جہاں اس حضرت انسان کیلئے جسمانی بقاء کا سامان بہتر سے بہتر مہیا کیا گیا۔وہیں اس سے زیادہ اس کے لئے روحانی وملکوتی غذا کوبھی فراہم کیا گیا۔اس کے لیے سابقہ اقوام میں پے در پے انبیاء ورسل کومبعوث کیا گیا اور انسانی ہدایت کیلئے کثرت سے صحف سماوی اورآسمانی کتابوں کونازل کیا گیا۔ان پراخیر میں نبی آخرالزماں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کوخاتم الانبیاء والرسل بناکر مبعوث فرمایا۔اورآپؐ پر آخری کتاب قرآن کی شکل میں انسانیت کیلئے ایک جامع ومکمل نظام حیات عطا کیا گیا۔ اورقرآن کے اجمال کی تفصیل وابہام کی تشریح کیلئے آپؐ کے نقوش وسیرت مبارکہ کو

آئیڈیل ونمونہ قرار دیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی عملی زندگی کو یعنی احادیث مبارکہ کو رہتی دنیا تک کے انسانوں کیلئے دستور زندگی بنادیا گیا۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ کے ذریعہ اس کو مستند کردیا گیا۔

لیکن آیات قرآنیہ واحادیث رسول دوقسم کی ہیں

۱:- بعض آیات قرآنیہ وسنن رسول ایسے ہیں جو قطعی الثبوت وقطعی الدلالت ہیں۔ ان میں کسی طرح کا اجمال وابہام نہیں ہے اور نہ کسی طرح کا کوئی تعارض ہے۔ اس قسم کے احکام کو ہر شخص قرآن وحدیث سے براہ راست سمجھ سکتا ہے۔ اس طرح کے مسائل اجتہاد کا محل نہیں۔

۲:-قرآن وحدیث کے احکام کی دوسری قسم وہ ہے جس میں ابہام یا اجمال یا تعارض پایا جارہا ہے اور اس طرح کے مسائل بکثرت قرآن وحدیث میں پائے جارہے ہیں۔ ایسے نصوص سے عام لوگوں کا فائدہ اٹھانا مشکل ہے۔ اپنی عقل اور اپنے علم پر اعتماد کر کے کسی ایک جانب کو متعین کر لینا گمراہی اور خطرے کی بات ہے۔ ایسے نصوص کی وضاحت کیلئے اپنے اسلاف اور ائمہ مجتہدین کے اجتہاد پر اعتماد کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ وہ ائمہ مجتہدین ہمارے مقابلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے قریب اور علم وفضل ورع وتقویٰ کے اعتبار سے ہم لوگوں سے بدرجہا بہتر واعلیٰ تھے۔

ان ائمہ نے قرآن وحدیث کے سمندر میں غوطہ زن ہوکر جو موتیاں نکالے ہیں۔ اور نصوص کی روشنی میں اجتہاد کر کے جو مسائل مستنبط کیے ہیں ان ہی کو فقہ کہا جاتا ہے۔

ان ائمہ مجتہدین میں سے اس وقت جن ائمہ کے مسالک رائج ہیں وہ چار ہیں

(۱) حنفی (۲) مالکی (۳) شافعی (۴) حنبلی

ان چاروں میں سب سے زیادہ جس کوتلقی بالقبول کا درجہ حاصل ہے وہ مسلک احناف ہے۔اس وقت دنیا میں سب سے زیادہ تقریباً دوثلث مسلمان فقہ حنفی کی تقلید کرنے والے ہیں۔تو ایک ثلث میں تینوں امام شریک ہیں۔کیونکہ مسلک حنفی کتاب اللہ سے مرصع،احادیث رسول کا مرقع،سنت نبوی کا عکس۔اقوال صحابہ کا منبع۔معقول ومعتبر روایات ومحکم دلائل کی سلک ہے۔جس میں قرآن بھی ہے،حدیث بھی ہے،اجماع بھی ہے،قیاس بھی ہے انہیں عناصر اربعہ سے فقہ حنفی مزین ومرصع ہے۔

ہر زمانہ میں فقہاء کرام نے اپنے اپنے دور کے نئے پیش آنے والے مسائل کو نصوص شرعیہ سے منطبق کر کے حل کرنے کی کامیاب کوششیں کی ہیں۔

بلکہ فقہ حنفی میں تو موجودہ پیش آئے ہوئے مسائل کے علاوہ فقہ تقدیری یعنی آئندہ زمانہ میں پیش آنے والے مسائل کی امکانی وفرضی صورتوں کا بھی شرعی حکم بیان کردیا گیا ہے۔بناء بریں یہ بات وثوق واعتماد کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ حیات انسانی کے تقریباً تمام گوشہ اور انسانی زندگی کے ہر پہلو خواہ اعتقادیات ہوں یا عبادات، ومعاملات ہوں یا معاشرت واخلاقیات ہر ایک کا شرعی حل فقہ حنفی میں موجود ہے۔

تاریخ میں فقہاء احناف کا ایک جم غفیر اور کتب فقہ کا ایک ایسا سیلاب نظر آرہا ہے جس کا کنارہ ناپید ہے جس کو شمار کرنا مشکل ہے۔تاہم چند اہم مشہور کتابوں کا صرف نام پیش ہے (۱) امام ابواللیث سمرقندی کی خزانۃ الفقہ (۲) علامہ ابوالقاسم عبداللہ ابن احمد البلخی سرخسی کی عیون المسائل (۳) امام جصاص کے شاگرد علامہ احمد الناطفی کی الواقعات للناطفی (۴) شمس الائمہ سرخسی کی المبسوط (۵) امام فخرالدین حسن بن منصور اوزجندی کی فتاویٰ خانیہ (۶) علامہ علاء الدین کاسانی کی بدائع الصنائع (۷) علامہ برہان الدین المرغینانی کی اَسی (۸۰) جلدوں میں کفایہ اور پھر اس کی تلخیص ھدایہ (۸) علامہ برہان الدین محمد کی المحیط البرہانی ۴۰ رجلدوں میں (۹) علامہ سعدالدین مسعود کی

الفتاوی الحنفیہ (۱۰) ابن علاء الانصاری کی الفتاوی التاتارخانیہ (۱۱) علامہ کمال الدین ابن ھمام کی فتح القدیر (۱۲) علامہ زین العابدین بن نجیم مصری کی البحر الرائق (۱۳) علامہ علاء الدین حصکفی کی الدالمختار (۱۴) بادشاہ عالم گیر اورنگ زیب کی تحریک پر علماء ہند کا تیار کردہ مجموعہ الفتاوی الہندیہ معروف فتاوی عالم گیری (۱۵) سلطنت عثمانیہ کا رسمی قوانین کا مجموعہ مجلۃ الاحکام العدلیہ (۱۶) علامہ ابن عابدین شامی کی ردالمختار شرح درمختار معروف ہے فتاویٰ شامی سے (۱۷) شیخ حافظ الدین ابن البز ازالحنفی کی الفتاویٰ البزازیہ (۱۸) امام عبداللہ بن احمد النسفی کی کنز الدقائق (۱۹) امام فخر الدین عثمان بن علی کی التبیین الحقائق (۲۰) شیخ الاسلام محمد بن عبداللہ التمر تاشی الحنفی کی تنویر الانصار (۲۱) حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی فتاویٰ عزیزی۔

مذکورہ کتب فقہ تو پچھلی صدیوں کے علماء احناف زیادہ تر بیرون ہند کی خدمات کی جھلک ہے مگر اس صدی کے علماء ہند خاص کر دارالعلوم دیوبند و مظاہر علوم سہارنپور کو جب سے مرکز علم بننے کا اللہ تعالیٰ نے شرف بخشا ہے۔ان دونوں ادارے اور ان کے ہم مشرب برصغیر کے علماء دیوبند نے اپنی شرافت کو باقی رکھتے ہوئے دیگر علوم اسلامیہ قرآن وحدیث کے علاوہ فقہ پر جو گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔علمی تاریخ اس کو فراموش نہیں کرسکتی ہے۔ہمارے اکابر واسلاف کی بھی تھوڑی جھلک دیکھتے چلیں۔

(۱) امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی فتاویٰ رشیدیہ (۲) حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلی کی مجموعہ فتاویٰ (۳) حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب عثمانی کی فتاویٰ دارالعلوم دیوبند (۴) حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپور مہاجر مدنی کی فتاویٰ مظاہر علوم (۵) حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی امداد الفتاویٰ (۶) حضرت تھانوی ہی کی بہشتی زیور (۷) نیز حضرت تھانویؒ کی ہی الحیلۃ الناجزہ (۸) حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی کی کفایت المفتی (۹) حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی تھانوی کی امداد الاحکام (۱۰) حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب عثمان دیوبندی

ثم پاکستانی کی جواہر الفقہ (۱۱) حضرت ہی کی (مفتی شفیع صاحب کی) امداد المفتیان (۱۲) حضرت مولانا مفتی محمود الحسن گنگوہی کی فتاویٰ محمودیہ (۱۳) حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم صاحب لاجپوری گجراتی کی فتاویٰ رحیمیہ (۱۴) حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب دارالعلوم دیوبند کی نظام الفتاویٰ (۱۵) حضرت مولانا مفتی رشید احمد پاکستانی کی احسن الفتاویٰ (۱۶) حضرت مولانا یوسف صاحب لدھیانوی پاکستانی کی آپ کے مسائل اوران کا حل (۱۷) حضرت مولانا قاضی مجاھد الاسلام قاسمی کی فتاویٰ قاضی (۱۸) حضرت ابوالمحاسن مولانا سجاد صاحب ودیگر مفتیان امارت شرعیہ کی فتاوی امارت شرعیہ (۱۹) حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری مدظلہٗ کی محمود الفتاویٰ سلسلہ وار آرہی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان حضرات کی خدمات جلیلہ کو شرف قبولیت سے سرفراز فرمائے۔

انہیں خدمات کے زمرہ میں شمول اور انگلی کٹا کر شہادت میں نام درج کرانے کی بندہ حقیر ظلوم وجہول درماندہ قلم علم سے عاری عمل سے خالی گناہ میں لت پت اپنی ناقص تالیف خزینۃ الفقہ کو دربار خداوندی میں پیش کرتے ہوئے امید کی لولگا رہا ہے کہ رب حلیم وشکور جب ان تمام علمی وتحقیقی کام کرنے والے حضرات علماء وفقہاء ومحدثین کا فیصلہ فرمائیں گے تو مجھ پر بھی میری اس بے روح والی ناقص فقہی دینی خدمات کو قبول فرما کر ستاری وغفاری کا معاملہ فرماتے ہوئے اس کے صلہ میں رہائی فرمادیں گے۔ امین۔

حضرات قارئین میری زندگی میں میرے لیے دعاء فرمائیں گے کہ اللہ مجھے گناہوں سے بچائے رکھے اعمال صالحہ میں دن بدن ترقی کی توفیق عطا فرماتے رہے۔ اور میرے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد چاروں قل وسورہ فاتحہ یا کم از کم سورہ اخلاص ہی پڑھ کر میرے لیے دعائے مغفرت فرمادیں گے۔ مجھ سیاہ کار کیلئے آپ کی نیک دعائیں سہارا بنے گی اور میرا بیڑا پار لگ جائے گا۔

بہرکیف! اللہ کے فضل وکرم اور دستگیری نے خزینۃ الفقہ کی یہ تیسری جلد وقف

اور اس کے متعلقات مسائل مساجد، مدارس، عیدگاہ، قبرستان وغیرہ کے اصولیات وجزئیات پر محیط ہے۔

پہلی دوسری جلد کی طرح قرآن وحدیث سے مدلل فقہی عربی عبارات سے محول اوراہم عناوین سے مرتب کر کے پیش کیا جارہا ہے۔

مسائل کی تحقیق میں بندہ نے اپنی استعداد کے بقدر حتی المقدور کوشش کی ہے سہو ونسیان سے کوئی بھی شخص خالی نہیں ہے۔ حضرات قارئین سے مؤدبانہ التماس ہے کہ اسقام وتسامحات پر بندہ کو اطلاع کردیں تاکہ آئندہ اس کی اصلاح ہوجائے۔ بڑی ناسپاسی اور ناقدری ہوگی اگر میں اپنے لخت جگر عزیزم محمد فرقان سلمہٗ مدھوبنی اور عزیز القدر صدام حسین پورنوی اور عزیزم شہباز دربھنگوی شرکاء دورۂ حدیث شریف جامعہ مظاہر علوم قدیم سہارنپور کا شکریہ ادانہ کروں۔ میرے ان تینوں بچوں نے دل وجان سے اس جلد کی تبیض وتسوید میں حصہ لیا ہے اور خلوص ومحبت کیساتھ میرے کام میں شریک رہے ہیں (جزاهم الله عنى احسن الجزاء وزادهم الله علما وتوفيقا) نیز گرامی القدر عزیزم مولوی ومفتی محمد توصیف ٹنکاروی گجراتی سلمہٗ متعلم مشق افتاء مظاہر علوم (قدیم) سہارنپور کا بھی بے حد شکرگزار ہوں کہ انہوں نے تمام عربی عبارتوں پر نظر ثانی کی اور دارالافتاء کی کتابوں سے مراجعت کر کے محنت شاقہ کے ساتھ اس کی اصلاح کی ہے۔ اللہ ہی ان کی محنت کا بدلہ عطا کرے گا۔ میری دلی دعا ہے کہ اللہ ان کے علم وعمل میں برکت عطا فرما کر دین کی خدمات کے زیادہ سے زیادہ مواقع عطا فرمائے۔ نیز ہمارے عزیز القدر محمد فیروز رانچوی کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے جنہوں نے طباعت کے سلسلے میں سفر کی صعوبت کو برداشت کیا۔

فقط والسلام

مفتی محمد کوثر علی سبحانی مدظلہ العالی

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ط

﴿مقدمہ مسائل وقف﴾

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں جب انسانوں کو بسانے کا ارادہ فرمایا تو سب سے پہلے حضرت آدمؑ کو اصل انسان کی حیثیت سے اپنے خاص عمل سے اس کی تخلیق فرمائی، اور پھر اپنے خاص عمل سے حوّاؑ کو انہیں کے پہلو سے تخلیق فرما کر، ان کے فروعات اور ان کے بعد تا قیامت آنے والی نسلوں کے لئے ان کو ''اصل الاصول'' قرار دیتے ہوئے انسانوں کے وجود کا ذریعہ بنایا، اور وہ سلسلہ ابتک جاری ہے، اور قیامت تک جاری رہے گا۔

مادی سلسلہ کو باقی رکھنے کیلئے اللہ نے جو طریقہ اپنایا ہے وہ واضح ہو چکا۔ لیکن صرف مادہ اور جسم کے ساتھ انسان کا وجود خام اور ناقص ہے، جب تک اس میں روح نہ ہو، اس کے لئے انسانی وجود کیساتھ اللہ تعالیٰ نے اس سے پہلے انسان کو روحانی شخصیت کے ساتھ اور روحانی شریعت کے ساتھ مبعوث فرمایا، تا کہ ایک انسان اپنی تخلیق کے مقصد کو صحیح طور پر سمجھ سکے، اور اسے درست طور پر برت سکے، جس سے ان کی زندگی میں بہار آئے نکھار آئے۔

چنانچہ یہ سلسلہ حضرت آدمؑ سے شروع ہو کر سرور کونین ﷺ پر مکمل ہوتا ہے، اور ابتک اسی کی روشنی سے پوری انسانیت روشنی حاصل کر رہی ہے۔ تمام انبیاء کرام نے مشترک طور پر دو کام انجام دیئے، (۱) انہوں نے دلوں پر محنت کی، ان کے عقائد و اعمال قلبیہ کی طرف توجہ کی، ان کو مجلیٰ و مصفیٰ بنا کر (۲) اعمال ظاہریہ اور اعمال بدنیہ کے لئے تیار کرایا، پھر دونوں پر مشترک طور پر محنت فرما کر ایک سچا انسان بنایا۔ یہی

دونوں چیزیں وہ ہیں جن پر اکابر امت نے پوری توانائی صرف فرما کر باضابطہ ان چیزوں کو فن کی شکل دی ہیں۔

چنانچہ انسان کی زندگی سے متعلق وہ اعمال جن کا تعلق خالص عقائد سے ہے، اور وہ روز بروز برتنے سے متعلق نہیں ہے کیونکہ ان میں جمود ہے بہت ناگزیر حالت میں رخصت پر عمل کرنے کی اجازت ملتی ہے لیکن عزیمت اس وقت بھی اولیٰ اور راجح ہی ہے، یہی وہ احکام قلبیہ یا اعمال اصلیہ ہیں جنہیں حضرات فقہاء نے ''فقہ اکبر'' یا فقہ اصلی'' کا نام دیا ہے حضرات فقہاء ومحدثین اپنی کتابوں میں اس طرح کے مسائل پر مشتمل مضمون کا سرنامہ ''کتاب الایمان'' سے قائم کرتے ہیں، حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے اپنی کتاب ''مالابدمنہ'' کو کتاب الایمان سے شروع فرمایا ہے، لیکن عام طور پر فقہاء اس بحث کو متکلمین کے حوالے کرتے ہیں۔ اور وہ اپنی تصنیفات میں فروعات کا موضوع بناتے ہیں۔

چنانچہ حضرات متکلمین کا موضوع ہی عقائد واعمال قلبیہ سے بحث کرنا ٹھہرا، اس موضوع پر سب سے پہلے حضرت امام ابوحنیفہؒ نے فقہ اکبر لکھ کر، فن فقہ کو دو خانوں میں بانٹ کر دونوں کی تفصیلات سمجھنے اور سمجھانے کی نئی راہ پیدا کی ہے، اور پھر ملا علی قاری صاحب مرقات شارح مشکوٰۃ نے اس کی عمدہ شرح لکھی ہے اور پھر دوسرے بزرگوں نے اس فن کو وسعت دی ہے ''فقہ اکبر'' کے ساتھ ہی روزمرہ کے مسائل اور مکلّف کی زندگی سے متعلق بدلتے حالات کے تناظر میں منصوص مسائل کے علاوہ غیر منصوص مسائل کی غیر معمولی ضرورت اور اس سے وابستگی نے اس کے مسائل کی ترتیب پر ان کی خاص توجہ دلائی ہے، اور پھر انہوں نے اپنی ہمتوں کو جٹا کر، زندگی میں پیش آئے ہوئے یا پیش آنے والے مسائل کی اصول وقواعد کی روشنی میں فقہ تحقیق کے

ساتھ فقہ تقدیری کو مشترک طور پر لاکھوں مسائل کی صورت میں جمع وترتیب فرما کر اسے ''فقہ اصغر'' کا نام دیا، کہ جس سے عام انسان اپنی روزمرہ کی زندگی میں زندگی کو بااصول بنا کر زندگی کے ہر مرحلہ میں وصول الی اللہ کا طریقہ اپنا سکتا ہے۔

فقہ ابوحنیفہ کا دائرہ کار

چنانچہ امام ابوحنیفہ نے تفریعات مسائل میں اس قدر کثرت سے کام لیا کہ اس کے لیے ان کو ایسے مسائل فرض کرنے پڑے جو ابھی واقع نہیں ہوئے تھے، تاہم وہ ممکن الوقوع ضرور تھے تا کہ ان کے مخارج واحکام بیان کریں۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کی کتابیں ایسے فروعات سے بھری پڑی ہیں جو سب کے سب آپ سے منقول ہیں، جو شخص بہ نظر غائر ان کا مطالعہ کرتا ہے اور ان کے اسرار ورموز معلوم کرنا چاہتا ہے وہ دیکھتا ہے کہ ان میں باہم بڑا گہرا ربط پایا جاتا ہے، ان کی کڑیاں آپس میں بڑی مضبوطی سے ملی ہوئی ہیں، پس ضروری ہے کہ یہ چند اصول پر مبنی ہوں گے، اور ان کی اساس قواعد واستنباط پر قائم کی گئی ہوں گی، مگر علم فقہ کی تاریخ سے یہ ثابت نہیں ہوتا ہے، اور کوئی سند متصل ایسی موجود نہیں جس میں یہ قواعد پوری تفصیلات کے ساتھ امام سے مروی ہوں، لیکن بلا شبہ چند ایسے قواعد حضرت امام ابوحنیفہؒ کے معتبر سمجھے جاتے تھے جن پر آپ کے بیان کردہ فروعات مبنی ہیں اور جن کی روشنی میں آپنے احکام کا استخراج کیا،، (حیات حضرت امام ابوحنیفہ ص ۳۰۸ للعلامہ شیخ ابوزھرہ)

دلائل فقه حضرت امام کی نگاہ میں

[کتاب، سنت، آثار صحابہ، اجماع قیاس، استحسان، عرف]

تاریخ بغداد کے حوالے سے شیخ ابوزہرہ مصری نے اس طرح نقل کیا ہے کہ حضرت امامؒ نے فرمایا ''میں کتاب اللہ سے سند لیتا ہوں، اگر اس میں کوئی مسئلہ نہ مل سکے تو حدیث رسولؐ سے، اور کتاب سنت دونوں میں نہ ملے تو اقوال صحابہ سے اخذ کرتا ہوں، جس کا قول چاہتا ہوں لے لیتا ہوں اور جس کا قول چاہتا ہوں ترک کر دیتا ہوں، اوران کے اقوال سے کسی دوسرے قول کی طرف تجاوز نہیں کرتا، لیکن جب معاملہ ابراھیم نخعی، شعبی، ابن سیرین، حسن، عطاء، اور سعید بن میبّب تک پہنچتا ہے (اور بھی متعدد اصحاب کے نام گنوائے) تو وہ اجتہاد کرنے والے لوگ تھے، تو ہمیں بھی ان کی طرح اجتہاد کرنے کا حق حاصل ہے۔ (حیات ابوحنیفہ مترجم ص۲۱۳ بحوالہ تاریخ بغداد ص ۳۶۸ ج ۱۳)

اسی طرح شیخ ابوزہرہ علامہ ابن عبدالبر کی انتقاء'' کی ایک عبارت نقل فرماتے ہیں جو موفق مکی کی ''المناقب'' میں مذکور ہے۔ '' آپ معتبر قول کو لیتے ہیں، قبیح سے دور بھاگتے ہیں، لوگوں کے معاملات میں غور وفکر کرتے ہیں اور جب لوگوں کے احوال اپنے طبعی رفتار سے جاری رہتے تو قیاس سے کام لیتے، مگر جب قیاس سے کسی فساد کا اندیشہ ہوتا تو لوگوں کے معاملات کا فیصلہ استحسان سے کرتے، اور جب اس سے بھی معاملات بگڑتے نظر آتے تو مسلمانوں کے تعامل کی طرف رجوع کرتے، جس حدیث پر محدثین کا اجماع ہوتا اس پر عمل پیرا ہوتے پھر جب تک مناسب سمجھتے اس پر اپنے قیاس کی بنیاد کھڑی کرتے، پھر استحسان کا رخ کرتے، قیاس اور استحسان میں سے جو موافق ہوتا اس کی طرف رجوع کرتے، سہل کہتے ہیں امام ابوحنیفہؒ کا علم ایک عالی علم

ہے یعنی عوام کے سمجھ میں آسکتا ہے اور صرف خواص ہی کا حصہ نہیں۔
(المناقب ص ۸۲ج۱)

نیز اسی کتاب میں ہے کہ ابوحنیفہؒ ناسخ ومنسوخ احادیث کی بہت چھان بین کرتے تھے، جب کوئی حدیث مرفوع یا اثر آپ کے نزدیک ثابت ہوجاتے تو اس پر عمل کرتے، آپ اہل کوفہ کی احادیث سے خوب آگاہ تھے اور اس پر خوب عامل رہا کرتے تھے۔ (المناقب ص ۸۹ج۱)

حضرت امام ابوحنیفہؒ سے علمی مصادر وماٗ خذ کے متعلق یہ تین عبارتیں نقل کی گئی ہیں، بہت سی روایات ان کے ہم معنی ہیں، ان سے ہم نے یہ تین عبارتیں انتخاب کی ہیں، ان تینوں تصریحات سے بحیثیت مجموعی پتہ چلتا ہے کہ آپ کے نزدیک شرعی احکام کے مصادر وماٗ خذ کیا ہیں۔

عبارت اول: جو تاریخ بغداد اور انتقاء سے ماخوذ ہے بتلاتی ہے کہ آپ کی رائے دلیل اول ' کتاب، دوسری سنت، تیسری اجماع صحابہ ہے، جب صحابہ کسی مسئلہ میں مختلف ہوں تو آپ جسکے قول کو چاہیں لے لیں، اور جس کو چاہیں چھوڑ دیں، مگر یہ نہیں ہوسکتا کہ اقوال صحابہ یکسر نظر انداز کر کے کسی اور کے قول سے احتجاج کریں، آپ صحابہ کے اسی قول کو پسند کرتے تھے، جو قیاس سے زیادہ میل کھانے والا ہوتا تھا، یا کتاب وسنت سے استنباط کردہ قول سے زیادہ قریب ہوتا تھا۔

دوسری عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں نص اور قول صحابی دونوں نہ ہوں تو قیاس پر عمل کرنا چاہیے جب تک کہ وہ سازگار ہو، اگر قیاس کا نتیجہ حالات کے موافق نہ ہو تو استحسان کی طرف رجوع کیا جائے، اور اگر یہ بھی نہ ہو تو لوگوں کے تعامل اور عرف پر عمل کرنا چاہئے اس عبارت سے بھی پہلی نص کی طرح تین دلائل کا پتہ چلتا ہے۔

(۱) قیاس (۲) استحسان (۳) عرف عام

تیسری عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ آپ اہل کوفہ کے مسلک پر عمل کرتے تھے، پس جو شخص اپنے اہل شہر کا متبع ہو وہ اجماع فقہاء کا بدرجہ اولیٰ متبع ہوگا۔ اس عبارت سے نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ اجماع فقہاء آپ کے نزدیک قابل احتجاج تھا۔ بنا بریں حضرت امام صاحبؒ کی رائے حضرت امام صاحب کی رائے میں فقہی دلائل سات ہوں گے۔

" (۱) کتاب (۲) سنت (۳) اجماع (۴) قیاس (۵) اقوال صحابہ (۶) استحسان (۷) عرف" یہ ہیں وہ آپ کے فقہی دلائل جن پر آپ کا استنباط فقہی مبنی تھا۔

اور یہ سب کاوشیں جو وجود میں آئی ہیں وہ صرف تنہا آپ کی ذات کے ساتھ منسوب نہیں ہیں بلکہ حضرت امام نے اپنے ساتھ اہل الرائے اور صاحب علم وبصیرت کی ایک جماعت بنا رکھی تھی کہ جن میں سے ہر ایک اپنے فن کا امام سمجھا جاتا تھا کام چونکہ اہم تھا اس لئے ہر فن سے متعلق رجال کا ہونا ضروری تھا، ان تلامذہ کی تفصیل ذیل میں نقل کی جاتی ہے جن کی شرکت اور شمولیت نے فقہ اسلامی کا ایک عظیم ذخیرہ تیار کر دیا۔

امام ابوحنیفہ کے تلامذہ جو فقہ کی تدوین میں شریک تھے

علامہ شبلی کی زبانی سنیے !

امام صاحب نے جس طریقہ سے فقہ کی تدوین کا ارادہ کیا وہ نہایت وسیع اور پرخطر کام تھا، اس لیے انہوں نے اتنے بڑے کام کو اپنی ذاتی رائے اور معلومات پر منحصر کرنا نہیں چاہا، اس غرض سے انہوں نے اپنے شاگردوں میں چند نامور اشخاص کا انتخاب کیا، جن میں سے اکثر خاص خاص فنون میں جو تکمیل فقہ کے لئے ضروری تھا،

استاذ زمانہ تسلیم کیے جاتے تھے مثلاً یحیٰ بن ابی زائدہ، حفص بن غیاث، قاضی ابو یوسف، داؤد الطائی، حبان، مندل حدیث وآثار میں نہایت کمال رکھتے تھے، امام زفر قوت استنباط میں مشہور تھے، قاسم بن معن، اور امام محمدؒ کو ادب اور عربیت میں کمال تھا، امام صاحب نے ان لوگوں کی شرکت سے ایک مجلس مرتب کی، اور باضابطہ طور سے فقہ کی تدوین شروع ہوئی۔

امام طحاوی نے بسند متصل اسد بن فرات سے روایت کی ہے کہ "ابوحنیفہ کے تلامذہ جنہوں نے فقہ کی تدوین کی چالیس تھے" جن میں یہ لوگ زیادہ ممتاز تھے، ابو یوسف، زفر، داؤد الطائی، اسد بن عمر یوسف بن خالد التمیمی یحیٰ بن ابی زائدہ، حضرت امام طحاوی نے یہ بھی روایت کی ہے کہ لکھنے کی خدمت یحیٰ سے متعلق تھی اور وہ تیس برس تک اس خدمت کو انجام دیتے رہے، اگرچہ صحیح ہے کہ اس کام میں کم وبیش تیس برس کا زمانہ صرف ہوا یعنی ۱۲۱ھ سے ۱۵۰ھ تک جو حضرت امام کے وفات کا سال ہے، لیکن یہ غلط ہے کہ یحیٰ اس کام میں شروع سے شریک تھے یحیٰ ۱۲۰ھ میں پیدا ہوئے تھے اس لئے وہ شروع سے کیوں کر شریک ہو سکتے تھے، طحاوی نے جن لوگوں کے نام گنائے ہیں، ان کے سوا عافیہ، ازدی، ابوعلی غری، علی مسہر، قاسم بن معن، حبان، اور مندل بھی اس مجلس کے ممبر رہے تھے۔

طریقہ تدوین

تدوین کا طریقہ یہ تھا کہ کسی خاص باب کا جب کوئی مسئلہ پیش کیا جاتا تھا، اگر اس کے جواب میں سب لوگ متفق الرائے ہوتے تھے تو اسے اسی وقت قلم بند کر لیا جاتا تھا، مگر اور نہایت آزادی سے بحثیں شروع ہوتیں، کبھی کبھی بہت دیر تک بحث قائم رہتی، حضرت امام صاحب غور اور تحمل کے ساتھ سب تقریریں سنتے اور بالاخر ایسا جچا تلا فیصلہ

کرتے کہ سب کو تسلیم کرنا پڑتا، کبھی ایسا بھی ہوتا کہ حضرت امام صاحب کے فیصلہ کے بعد بھی لوگ اپنی اپنی رایوں پر قائم رہتے، اس وقت وہ سب مختلف اقوال بند کرلیے جاتے، اس کا التزام تھا کہ جب تک تمام شرکائے جلسہ جمع نہ ہولیں کسی مسئلہ کو طے نہ کیا جائے۔

جواہر مضیہ نے عافیہ بن یزید کے تذکرہ میں اسحاق سے روایت کی ہے کہ امام ابوحنیفہ کے اصحاب کسی مسئلہ میں بحث کرتے ہوتے اور عافیہ موجود نہ ہوتے تو امام صاحب فرماتے کی عافیہ کو آلینے دو، جب وہ آجاتے اور اتفاق کرلیتے تب وہ مسئلہ درج کیا جاتا، اس طرح تیس برس کی مدت میں یہ عظیم الشان کام انجام کو پہنچا، امام صاحب کی اخیر عمر قید خانہ میں گذری وہاں بھی یہ کام برابر جاری رہا، گویا تیس سال کی طویل مدت میں قانون اسلامی وجود میں آئی، جس کی مدونہ کتابیں ''کتب فقہ ابی حنیفہ'' کے نام سے مشہور ہوئیں، اس مجموعے میں تراسی ہزار دفعات تھے پھر اور اس میں اضافے ہوئے اور مجموعی تعداد ۶-لاکھ تک پہنچ گئی، اور دوسری صراحت کے مطابق ۱۲لاکھ نوے ہزار سے کچھ زیادہ ہے۔

(سیرۃ النعمان ۱۵۲/۱۵۱)

مجموعہ کی ترتیب

اس مجموعہ کی ترتیب جیسا کہ حافظ اابوالمحاسن نے بیان کی ہے یہ تھی اول باب الطہارۃ اور اخیر میں میراث از اول تا آخر ترتیب حسب ذیل ہے۔

(۱) کتاب الطہارۃ (۲) کتاب الصلوۃ (۳) کتاب الزکوۃ (۴) کتاب الصوم (۵) کتاب الحج (۶) کتاب النکاح (۷) کتاب الطلاق (۸) کتاب الرضاع (۹) کتاب العتاق (۱۰) کتاب الایمان (۱۱) کتاب الحدود (۱۲) کتاب السرقۃ

(۱۳) کتاب السیر (۱۴) کتاب اللقیط (۱۵) کتاب اللقطہ (۱۶) کتاب الاباق (۱۷) کتاب المفقود (۱۸) کتاب الشرکۃ (۱۹) کتاب الوقف (۲۰) کتاب البیوع (۲۱) کتاب الصرف (۲۲) کتاب الکفالہ (۲۳) کتاب الحوالہ (۲۵) کتاب القاضی (۲۶) کتاب الشہادات (۲۷) کتاب الوکالۃ (۲۸) کتاب الدعوی (۲۹) کتاب الاقرار (۳۰) کتاب الصلح (۳۱) کتاب المضاربۃ (۳۲) کتاب الودیعہ (۳۳) کتاب العاریۃ (۳۴) کتاب الھبہ (۳۵) کتاب الاجارات (۳۶) کتاب المکاتب (۳۷) کتاب الولاء (۳۸) کتاب الاکراہ (۳۹) کتاب الحجر (۴۰) کتاب الماذون (۴۱) کتاب الغصب (۴۲) کتاب الشفعہ (۴۳) کتاب القسمہ (۴۴) کتاب المزارعہ (۴۵) کتاب المساقات (۴۶) کتاب الذبائح (۴۷) کتاب الاضحیہ۔ (۴۸) کتاب الکراہیہ یا کتاب الحظر والاباحۃ (۴۹) کتاب احیاء الاموات (۵۰) کتاب الاشربہ (۵۱) کتاب الصید (۵۲) کتاب الرھن (۵۳) کتاب الجنایات (۵۴) کتاب الدیات (۵۵) کتاب المعاقل (۵۶) کتاب الوصایا (۵۷) کتاب الخنثیٰ (۵۸) کتاب الفرائض ۔

بہر حال! فقہ اسلامی کا مجموعہ گو تقریباً ساٹھ عنوانات پر مشتمل ہے جس میں اپنے تمام جزئیات وفروعات شامل کر دیئے گئے ہیں جو کہ مکلّف کی زندگی سے متعلق سارے حل ان میں موجود ہیں۔

اس وقت ہمارے پیش نظر تمام عنوانات نہیں ہیں بلکہ ان ہی عنوانات میں سے ایک خاص عنوان جو ''وقف'' کے نام سے موسوم ہے اور فقہ اسلامی کی جو ترتیب ہے اسی ترتیب کے ساتھ تمام کتب فقہ ہیں اور عناوین وموضوعات کی طرح اس عنوان پر بھی کافی بحثیں حضرات فقہاء نے کی ہیں اس وقت یہی پیش نظر ہے چنانچہ صاحب

ھدایہ نے بڑی تفصیل سے وقف کی حقیقت اوراس کے مصرف کے دائرہ کاراورواقف کی حیثیت اورشئی موقوفہ کی جہت اورموقوف لہ کے اختیارات کے حدود وقیود پرمکمل روشنی ڈالی ہےان ہی کی زبان میں حاضر ہے۔

صاحب ھدایہ کاوقف کے سلسلہ میں مبسوط کلام

"قال ابوحنیفة لایزول ملک الواقف عن الوقف الاان یحکم به الحاکم او یعلقه بموته فیقول اذامت فقد وقفت داری علی کذا وقال ابویوسف یزول ملکه بمجرد القول وقال محمد لایزول حتی یجعل للوقف ولیاویسلمه الیه"قالؒ الوقف لغة هوالحبس یقول وقفت الدابة واوقفتها بمعنی، وهوفی الشرع عند ابی حنیفة حبس العین علی ملک الواقف والتصدق بالمنفعة بمنزلة العاریة ثم قیل المنفعة معدومة فالتصدق بالمعدوم لایصح فلایجوز الوقف اصلاعنده وهوالملفوظ فی الاصل والاصح انه جائز عنده الاانه غیر لازم بمنزلة العاریة وعندهما حبس العین علی حکم ملک الله تعالیٰ فیزول ملک الواقف عنه الی الله تعالیٰ علی وجه تعودمنفعته الی العباد فیلزم ;لایباع ولایوهب ولایورث واللفظ ینتظمهماوالترجیح بالدلیل لهما قول النبی لعمر حین اراد ان یتصدق بارض له تدعی"ثمغ" تصدق باصلها لایباع ولایورث ولایوهب لان الحاجة ماسة الی ان یلزم الوقف منه لیصل ثوابه الیه علی الدوام، وقدامکن دفع حاجته باسقاط الملک وجعله لله تعالیٰ اذله نظیر فی الشرع وهوالمسجد فیجعل کذالک، ولابی حنیفة قوله علیه السلام لاحبس عن الفرائض الله تعالیٰ وعن شریح جاء محمد علیه السلام یبیع الحبس، ولان الملک باق فیه بدلیل انه یجوز الانتفاع به زراعة وسکنی وغیر ذالک

والـمـلـک فيـه للواقف الاترى ان له ولاية التصرف فيه بصرف غلاته الى مـصارفهاونصب القوام فيهاالاانه يتصدق بمعنافعه فصار شبيه العاريه ولانه يـحتـاج الـى التـصدق بالغلةدائما ولاتصدق عنه الابالبقاء على ملكه ولانه لايـمـكـن ان يـزال مـلكه لاالى مالک لانه غير مشروع مع بقائه كالسائبة بـخـلاف الاعتـاق لانه اتلاف وبخلاف المسجد لانه جعل خالصالله تعالىٰ قالؒ قال فى الكتاب لايزول ملک الواقف الاان يحكم به الحاكم او يعلقه بـمـوتـه وهـذا فـى حـكـم الحاكم صحيح لانه قضاء فى مجتهد فيه اما فى تـعـليـقـه بـالـموت فالصحيح انه لايزول ملكه الاانه تصدق بمنافعه مؤبدا فيـصيـر بـمنزلة الوصية بالمنافع مؤبدا فيلزم، المراد بالحاكم المولىٰ واما الـمـحـكـم فـفيه اختلاف المشائخ ولووقف فى مرض موته قال الطحاوى وهـو بـمـنـزلة الـوهية بـعـد الـموت والصحيح انه لايلزمهٗ عند ابى حنيفة. وعـنـدهما يلزمه الاانه يعتبرمن الثلث والوقف فى الصحة من جميع المال، واذاكـان الـمـلـک يـزول عـنـدهما يزول بالقول عندابى يوسف وهو قول الشافعى بمنزلة الاعتاق لانه اسقاط الملک وعند محمد لابد من التسليم الـى الـمتـولى لانه حق الله تعالىٰ انما يثبت فيه فى ضمن التسليم الى العبد لان الـتـمـليـک مـن الـلـه تـعـالـىٰ وهـو مـالـک الاشياء لايتحقق مقصودا وقديكون تبعا لغيره فياخذ حكمه فينزل منزلة الزكاه والصدقة

(هدايه صـ۶۳۶تا۶۳۸ ج ۲ باب الوقف) م د.

حضرت امام ابوحنیفہ نے فرمایا واقف کی ملکیت مال وقف سے زائل نہیں ہوتی ہے، مگر یہ کہ کوئی حکم حاکم کی طرف سے اس کے زائل ہونے کا ہو جائے، یا وقف کرنے والا اپنی موت کے ساتھ اس کو معلق کرے، چنانچہ یہ کہے کہ جب میں مروں تو اپنا گھر

میں نے اس پر وقف کیا، اور حضرت امام یوسف نے فرمایا کہ وقف کرتے ہی اس کی ملک اس سے زائل ہو جائے گی، یعنی جب ہی اس نے کہا کہ میں نے وقف کیا، اس کی ملک سے نکل گیا، اور حضرت امام محمدؒ نے فرمایا کہ واقف کی ملکیت زائل نہیں ہوتی، یہاں تک کہ وقف کے واسطے ایک متولی مقرر کر کے اس کے سپرد کر دے، شیخ مصنفؒ نے فرمایا لغت میں ''وقف'' کے معنی حبس کے ہیں یعنی روک لینا چنانچہ بولتے ہیں ''وقفت الدابہ'' میں نے اپنا گھوڑا روک لیا، اور ''اوقفتھا'' بھی اسی معنی میں بولتے ہیں، اور شرع میں وقف کے معنی حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک ''مال عین'' کو اپنی ملک میں روکے اور اس کی منفعت کو صدقہ کرے، جیسے ''عاریۃ'' ہوتی ہے پھر کہا گیا ہے کہ منفعت تو ایک معدوم چیز ہے، اور معدوم چیز کا تصدق صحیح نہیں ہے، تو امام کے نزدیک بالکل وقف جائز نہ ہوا اور یہی الفاظ اصل میں مذکور ہیں یعنی امام ابوحنیفہ اس کو جائز نہ رکھتے تھے اور اصح ہے کہ امام کے نزدیک وقف جائز ہے لیکن بمنزلہ عاریت کے لازم نہیں ہے، اور صاحبین کے نزدیک وقف کے یہ معنی ہیں کہ مال عین کو اللہ کی ملک میں روکنا پس وقف کرنے والے کی ملکیت اس چیز سے اللہ تعالیٰ کی طرف ایسے طور پر عود کرے گی کہ اس کی منفعت بندوں کی طرف عائد ہو پس وقف لازم ہوگا اور فروخت نہیں ہوسکتا اور ہبہ نہیں ہوسکتا اور میراث جاری نہیں ہوسکتی، پس لفظ دونوں قول کو شامل ہے یعنی وقف صحیح ہو جائیگا، خواہ ملک زائل ہو یا نہ ہو، اور قول امام و صاحبین میں سے کسی کی ترجیح بالدلیل ہے، صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے اپنے حصہ خیبر کو جس کا نام ''ثمغ'' تھا صدقہ کرنا چاہا، تو آں حضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس کی اصل کو صدقہ کر دو کہ وہ بیع نہ ہو سکے گی اور نہ میراث ہوگی، اور نہ ھبہ ہوگی (رواہ الائمۃ الستۃ) اور اس دلیل سے کہ واقف کا وقف لازم ہو جانے کی حاجت ہے اور تا کہ ہمیشہ

اس کو اپنے وقف کا ثواب پہنچتا رہے اور حاجت کا دفعیہ اس طرح ممکن ہے کہ اس کی ملک ساقط کر کے اللہ تعالیٰ کے واسطے کر دیا جاوے، کیونکہ شرع میں اس کی نظیر موجود ہے، اور وہ مسجد ہے پس یونہی وقف بھی کر دیا جائے اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے فرائض سے کوئی چیز ''حبس'' نہیں ہے، یعنی ہر چیز موافق میراث کے تقسیم بفرائض الٰہی ہو جائیگی۔ (رواہ دارقطنی ابن ابی شیبہ والطبرانی باسناد ضعیف) اور شریحؒ نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے آکر ''حبس'' کو فروخت کیا (رواہ ابن ابی شیبہ والبیہقی والطحاوی باسناد صحیح)

اور اس دلیل سے کہ وقف کرنے والے کی ملکیت وقف میں باقی رہتی ہے، اس دلیل سے کہ واقف کو اس سے نفع اٹھانا بطریقہ زراعت وسکونت وغیرہ کے جائز ہے اور وقف کرنے والے کی ملکیت اس میں قائم ہے کیا نہیں دیکھتے ہو کہ اس کو وقف میں ولایت تصرف حاصل ہے، چنانچہ اس کی حاصلات جہاں صرف ہونا چاہئے وہیں صرف کرے، اور وقف کا قیم مقرر کرے، مگر اتنی بات ہے کہ اس کے منافع کو صدقہ کر دیگا، تو عاریت کے مشابہ ہوگا، اور اس دلیل سے کہ وقف کرنے والے کو ہمیشہ اس کی حاصلات وقف کرنے کی حاجت ہے، حالانکہ اس کی طرف سے صدقہ جب ہی ہوسکتا ہے کہ وہ اس کی ملکیت پر باقی رہے، اور اس دلیل سے یہ ممکن نہیں ہے کہ وقف سے اس کی ملکیت زائل کر دی جائے، اس طور پر کہ وہ کسی دوسرے مالک کی ملک میں نہ آئے، کیونکہ یہ بات مشروع نہیں ہے باوجودیکہ وہ چیز باقی ہے، جیسے جانور سانڈ وغیرہ چھوڑنا ممنوع ہے، برخلاف اعتاق کے کیونکہ وہ مملوکیت کی صفت کو دور کرنا ہوتا ہے اور برخلاف مسجد کے کیونکہ وہ خالصاً لوجہ اللہ کر دی گئی، اسی لئے مسجد سے نفع اٹھانا جائز نہیں ہے اور وقف کی صورت میں بندہ کا حق وقف سے منقطع نہیں ہوا، تو وہ خالصاً لوجہ اللہ نہیں

ہوا (پھر ترجیح میں علماء نے کلام کیا ہے ابن ھمام نے کہا ہے کہ حضرت عمرؓ کے وقف میں حضرت رسول کریم ﷺ نے حکم دے دیا تھا، اس لئے وہ وقف لازم ہو گیا۔

شیخ الاسلام نے شرح مبسوط میں کہا کہ امام ابوحنیفہ کی دلیل منقول میں کوئی حجت نہیں ہے کیونکہ جب اس نے وقف کر دیا تو فرائض الٰہی یعنی میراث سے اس کا تعلق نہیں رہا تو فرائض الٰہی سے کوئی حبس نہیں ہوا، جیسے مال منقولہ ووصیت وھبہ وصدقہ میں کوئی حبس نہیں ہوتا ہے۔

اور شیخ ابن ھمام نے بعد طویل کلام کے کہا ہے کہ حق اس مقام پر یہی ہے کہ صاحبین وعامہ علماء کے قول کو ترجیح ہے، یعنی وقف لازم ہو جاتا ہے کیونکہ احادیث اس باب میں بہت کثرت سے ہیں اور صحابہ وتابعین اور ان کے بعد امتیوں کا عمل اس پر چلا آرہا ہے، اور حدیث شریف کے صرف یہی معنی ہیں کہ کفار جو اپنے زمانہ میں حام بحیرہ وغیرہ کو بتوں کے نام پر روکتے وہ آنحضرتؐ نے منسوخ کر دیا، لہٰذا بعض مشائخ نے ذکر کیا ہے کہ صاحبین کے قول پر فتویٰ ہے) شیخ مصنف نے فرمایا کہ کتاب میں جو یہ مذکور ہے کہ وقف سے واقف کی ملکیت زائل نہ ہوگی، مگر یہ کہ کوئی حاکم حکم دے دے، یا واقف اپنی موت پر معلق کرے۔ یہ حکم حاکم کی صورت میں صحیح ہے، کیونکہ اس کا حکم ایک مسئلہ اجتہادی میں واقع ہوگا، رہا موت پر معلق کرنے کی صورت میں مشائخ نے اختلاف کیا ہے، اور صحیح یہی ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس طرح معلق کرنے سے ملک زائل نہ ہوگی، لیکن اس نے وقف کے منافع کو دائمی صدقہ کیا ہے تو ایسا ہو گیا کہ گویا منافع کی کسی کے واسطے دائمی وصیت کر دی، پس لازم ہوگا اور واضح ہو کہ یہاں حاکم سے مراد وہ حاکم ہے جو سلطان ہو یا سلطان کی طرف سے قاضی مقرر ہو، اگر کوئی شخص حاکم مقرر کر لیا گیا تو اس کے حکم دینے میں مشائخ کا اختلاف ہے، یعنی اس

کی تحکیم سے بعض مشائخ کے نزدیک حکم لازم ہوگا (اور اصح یہ ہے کہ منعقد ہوتا ہے کمافی الخلاصۃ) اگر اس نے اپنے مرض الموت میں وقف کیا تو امام طحاوی نے فرمایا کہ یہ منزلہ وصیت بعد الموت ہے، اور صحیح یہ ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ لازم نہ ہوگا، اور صاحبین کے نزدیک لازم ہوگا، مگر وہ صرف تہائی مال سے معتبر ہوگا، اور جو وقف صحت کی حالت میں ہو وہ پورے مال سے معتبر ہوگا، پھر جب حضرات صاحبین کے نزدیک ملک زائل ہو جاتی ہے تو امام یوسفؒ کے نزدیک صرف قول سے زائل ہوگی، اور یہی حضرت امام شافعی کا قول ہے (بلکہ اکثر علماء کا قول ہے اور یہی محققین کے نزدیک اوجہ وارجح ہے اور منیہ میں ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے) کیونکہ یہ بمنزلہ عتاق کے ہے کیونکہ یہ بھی ملک کے زائل کرنے کا نام ہے، اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک متولی کو سپرد کرنا ضروری ہے، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے، اور وہ بندہ کو سپرد کرنے کے ضمن میں ثابت ہوا کرتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ جو تمام اشیاء کا مالک ہے اس کو مالک کرنا بالقصد نہیں ہوسکتا ہے بلکہ کبھی بالتبع ہوتا ہے، تو اسی کا حکم پاتا ہے، یعنی جب بندہ کو دیا تو اسی کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کی ملک میں دینا ثابت ہوا پس بمنزلہ زکوۃ وصدقہ کے ہے، (اور اسی قول کو مشائخ بخارا وغیرہ نے اختیار کیا ہے)

مذکورہ عبارت سے چند باتیں ثابت ہوتی ہیں جو تمام اوقاف کے مضامین کا خلاصہ ہے،

ا:- وقف اپنی جائداد غیر منقولہ کو اپنی ملکیت سے ختم کر کے، اللہ کی ملکیت میں کردینے کا نام ہے۔

۲:- وقف کے حاصلات واقف کی صراحت کے اعتبار سے صرف ہوں گے سوائے مسجد کے۔

۳:-وقف کے حاصلات اور آمدنیوں سے واقف کے ورثاء بھی منتفع ہوسکتے ہیں، کیونکہ وقف ایک طرح کا صدقہ ہے (اللہ کے رسولؐ کے زمانہ میں وقف صدقہ ہی کے معنی میں بولا جاتا تھا) لیکن دوسرے صدقہ کے مفہوم سے ذرا اسمیں فرق ہے، اور اگر کوئی اولاد میں نہیں ہے تو صدقہ غریبوں کا حق ہے، اس لیے غریبوں میں تقسیم ہوگا۔

۴:-شیء موقوفہ سے میراث کا تعلق باقی نہیں رہتا ہے، لہٰذا موقوفہ شیء میں ورثاء کا حق میراث جاری نہیں ہوگا۔

۵:-صاحب جائداد اگر کل جائداد کو وقف کرنا چاہتا ہے تو زندگی کے عام حالات میں نافذ ہوگا۔

۶-مرنے سے قبل اگر وقف کرنا چاہتا ہے تو وصیت کا حکم جاری ہوگا اور صرف ثلث مال میں (تہائی) سے زیادہ میں وقف کا حکم نافذ نہ ہوگا۔

۷-وقف شدہ اراضی یا مکان وغیرہ وقف کرنے کے بعد صحیح قول کے مطابق واقف کی ملکیت سے نکل جاتی ہے، لہذا اسے نہ بیچا جاسکتا ہے اور نہ ھبہ میں دیا جاسکتا ہے اور نہ وراثت اس میں جاری ہوگی۔

۸-وقف کے لئے وقف کا متولی بحال کرنا ضروری ہے تاکہ اس کی دیکھ ریکھ صحیح ہوسکے۔

۹-وقف صرف قول سے نافذ ہوجائیگا اور موقوفہ شی واقف کی ملکیت سے نکل جائے گی۔

۱۰-وقف صرف تین صورتوں میں لازم ہوتا ہے۔

(۱) بطور مسجد جب زمین وقف کی گئی ہو۔

(۲) قاضی نے وقف کے لازم ہونے کا فیصلہ کردیا ہو۔

(۳)واقف نے وصیت کی ہو۔

باقی صورتوں میں لزوم نہیں رہتا ہے، رجوع جائز ہے اگر چہ بہتر نہیں ہے، مذکورہ تمام باتوں سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ وقف خیرات اور صدقہ ہے، اور خیرات وصدقہ کا حقدار کوئی بھی محتاج ونادار ہوسکتا ہے، خواہ اپنے ہی اہل وعیال کیوں نہ ہوں، احتیاج کی قید شرط ہے لہذا جہاں بھی یہ شرط پائی جائیگی وہاں وقف کے معنی پائے جائیں گے کیونکہ یہ صدقہ ہے۔

حضرت امیر شریعت رقم طراز ہیں

فرمایا! ''حضرات فقہاء نے اسلامی قانون میں وقف کی تعریف ''کسی چیز کو خدا کی ملکیت میں دیدینا اس طریقہ سے کہ اس کا نفع بندوں کو پہونچے'' سے جو کی ہے، اس سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں، پہلی یہ کہ وقف اسی وقت ہوسکتا ہے جب کہ کسی چیز کو اپنی ملکیت سے نکال کر خدا کی ملکیت میں دے دیا جائے۔

دوسری چیز یہ کہ اس کا نفع بندوں کو پہونچے، اسلامی تعلیم کی بنیاد پر جو شخص وقف کرنے والا ہے وہ بھی بندہ ہے، اور اس کی اولاد اور رشتے دار کا شمار بھی بندوں ہی میں ہے۔ اس لئے وقف کی تعریف سے اندازہ کیا جاتا ہے کہ اس میں وہ تمام قسم کے اوقاف داخل ہیں خواہ وہ خیراتی وقف ہوں یا فقرا ومساکین پر وقف ہو یا وقف علی الاولاد ہو............ آگے مولانا مزید فرماتے ہیں کہ خیراتی اوقاف اور وقف علی الاولاد بالکل ایک چیز ہے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے، جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے کہ وقف کی تعریف میں دونوں داخل ہیں اور دونوں وقف اسلامی قانون کے مطابق خیراتی ہیں۔

خیراتی اور چیرٹی کا عمومی رجحان اور اسلامی نقطہ نظر

اب یہ بات رہ جاتی ہے کہ عمومی رجحان میں خیراتی اور چیرٹی (CHARITI) کا

مفہوم کیا ہے؟ اور اسلامی نقطۂ نظر کیا ہے؟ کیا دونوں کا نقطۂ نظر ایک ہے یا دونوں کے نظریات وخیالات بدلے ہوئے اور جداگانہ ہیں، اس بارے میں ہندوستان کے عظیم اسلامی اسکالر مسلم پرسنل لاء بورڈ کے سب سے پہلے جنرل سکریٹری امیر شریعت رابع حضرت مولانا سید شاہ منت اللہ صاحب رحمانیؒ [۱] کی چشم کشا تحریر اس طرح ہے:-

''ان دنوں خیرات'' عام طور پر اسی کو کہا جاتا ہے، جو غیروں کے ساتھ کی جائے، اور جس سے دوسرے لوگ فائدہ اٹھائیں، اور اگر اپنوں کے ساتھ کوئی سلوک کیا جائے تو اسے خیرات نہیں کہا جاتا ہے، لیکن یہ تخیل بھی ان چند مغربی خیالات ونظریات میں سے ہے، جس نے ہندوستان میں شہرت حاصل کرلی ہے، یہاں تک کہ بعض مسلمان بھی اس تخیل کو صحیح سمجھنے لگے، اور اس غلط فہمی کے شکار ہوگئے، لیکن اسلام نے خیرات کے یہ معنی نہیں بتلائے، بلکہ یہ معنی انگریزی قانون کی پیداوار ہیں۔

---

[۱] حضرت مولانا شاہ منت اللہ رحمانیؒ اور حضرت مولانا سید محمد علی مونگیری (۱۹۲۷) بانی ندوہ، رفیق درس حجۃ الاسلام مولانا نانوتوی، وعلامہ شبلی کے سب سے چھوٹے صاحبزادے ۳۴/ سال امارت شرعیہ کے امیر اور خانقاہ رحمانی مونگیر کے سجادہ نشین اور بیسوی صدی میں ہندوستان کے مسلمان کے پیر ومرشد اور مسیحا درجنوں کتابوں کے مصنف مدبر اور مفکر، مسلم پرسنلاء کے جنرل سکریٹری اور ڈھیڑ ساری تنظیموں کے سرپرست زاہد اور شب زندہ دار مجموعہ کمالات پر مشتمل ذات ۱۹۱۲ء میں ولادت، ۱۹۹۱ء رمضان شریف میں وفات، اپنے والد ماجد کی قبر سے مغرب میں خانقاہ رحمانی میں مسجد خانقاہ سے صحن کی طرف جنوب میں آسودہ خواب ۱۲۔

چنانچہ غالباً ۹-۱۹۰۸ء جب وقف علی الاولاد کے متعلق مقدمات چل رہے تھے، اس وقت ایک مقدمہ کے ایک فیصلہ میں کلکتہ ہائی کورٹ کے ایک انگریز جج نے لکھا تھا کہ ''میں لفظ خیرات کو انگریزی لفظ ہی کے مفہوم کے موافق سمجھتا ہوں، اور اسی مفہوم کے موافق انگریزی عدالتوں میں اور انگریزی ترجموں میں اس کا استعمال ہوتا ہے، مجھ سے چاہا جاتا ہے کہ میں لفظ ''خیرات'' کے مفہوم کو مسلمانوں کے مفہوم کے موافق سمجھوں یعنی ایک زبان کا لفظ استعمال کروں جس کا مفہوم اس زبان کے مفہوم کے خلاف ہو، (انڈین لاء رپورٹ کلکتہ ص ۲۰۷ ج ۲) (خطبات امیر شریعت)

وقف، صدقہ، اور خیرات کا مفہوم و مصداق

لیکن شریعت میں اور اسلامی قانون میں ان تینوں الفاظ کے مفہوم میں بڑی وسعت ہے قدرے مشترک ہر ایک سے مراد بھلائی و خیر خواہی پر مشتمل امور مراد ہیں خواہ اس کا تعلق قریب ترین رشتے دار سے متعلق ہو یا بعید ترین رشتے دار سے اور خواہ کسی بھی محتاج و مسکین و ضرورت مند و حاجت مند زندگی کی سہولتوں سے محروم اور ناامید۔ ہر ایک کے ساتھ مواسات و ہمدردی کا سلوک اعطاء و انفاق اور داد و دہش کا برتاؤ کرنا، صدقہ ہے خیرات ہے، اور وقف کا مفہوم ہے کہ وقف سے یہی مقصود ہے، یہاں تک کہ انسان اپنی ذات میں جو خرچ کرتا ہے وہ بھی صدقہ ہے، بچوں پر آل واولاد پر وماں وباپ پر جو خرچ کرتا ہے وہ بھی صدقہ ہے، چنانچہ روایت میں ہے ''نفقۃ المرء علی نفسہ صدقۃ'' انسان کا اپنی ذات پر خرچ کرنا یہ بھی صدقہ ہے، ایک دوسری روایت میں ہے ''صدقہ صرف غریب پر صدقہ اور وہی صدقہ اگر رشتے داروں پر کیا جائے تو دوہرا ثواب ہے صدقہ کا اور صلہ رحمی کا'' ایک موقع پر پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمایا تم اپنے وارثوں کو خوش حال چھوڑو یہ بہتر ہے اس سے کہ تم ان کو اس حال میں چھوڑو کہ وہ

لوگوں سے بھیک مانگیں، کیوں کہ تمہارے ہر خرچ پر تم کو ثواب ملتا ہے یہاں تک کہ اس لقمہ پر بھی جو تم بیوی کو کھلاتے ہو" (کتب حدیث)

ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے صدقہ کے عموم میں "وقف" کے معنی شامل ہیں لہٰذا وقف کا تعلق بھی قرابت رشتے دار ساتھ ہی غرباء ومساکین سے یکساں وابستہ ہے، چنانچہ روایتوں میں اس کی مکمل صراحت ہے اور خود رسول اللہ ﷺ نے اپنی بہت ساری جائداد وقف فرما کر اس سے ضرورت کے بعد وصول کر کے باقی حصے اور حاصلات کو غرباء اور مسکین میں صرف کئے ہیں، اور یہ سلسلہ خلفاء اربعہ کے علاوہ دوسرے بہت سارے صحابی اور صحابیات سے جاری ہوا ہے۔ اور ان کے اوقاف سے ہر طرح کے افراد امت نے فائدہ اٹھایا ہے اور مستفید ہوئے ہیں، ذیل میں ہر ایک کی تفصیل ترتیب وار ملاحظہ فرمایئے۔

شہنشاہ کونین کی موقوفہ اراضی وجائدادیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت اور قبضہ میں جو زمینیں آئیں وہ کس طرح آئیں پھر ان زمینوں کی حیثیت آپ کی زندگی میں کیا رہی اور آپ کی وفات کے بعد اس کی حیثیت کیا رہی ہر ایک کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیر ملکیت اور زیر حقوق تین طرح سے زمین آئیں، ایک یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی نے ہبہ کیا اس قسم میں ایک زمین وہ ہے جو مخیرؔق یہودی لے نے اپنے اسلام لانے کے وقت غزوۂ احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ وسلم کے لیے وصیت کی تھی، یہ بنی نضیر میں اس کے سات مکانات تھے، اور اس قسم میں دوسری زمین وہ تھی، جو انصار نے آپ کو عطاء کی تھی اور وہاں پانی نہیں پہنچتا تھا یہ زمین خالص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملک تھیں، دوم بنی

نضیر جب نکالے گئے ان کی زمینیں آپ کوملیں، یہ آپ کے لئے خاص تھیں، کیوں کہ مسلمانوں کو وہاں لڑنا نہیں پڑا تھا، بنی نضیر اپنے اموال منقولہ کی جتنا وہ اونٹ پر لیجا سکے آلات حرب کے سواء وہ لے گیے، باقی کو حضورؐ نے مسلمانوں پر تقسیم فرمایا لیکن زمین آپ کی خاص تھیں اس میں سے آپ نفقات کے بعد سب مسلمانوں میں ان کی قومی مصلحتوں میں صرف کرتے تھے، اسی طرح فدک کی نصف زمین جس پر فتح خیبر کے بعد اہل فدک سے آپ نے صلح کی تھی وہ آپ کی خاص تھی، اسی طرح وادی قری کی زمینوں کی ایک تہائی، جس پر وہاں کے یہودیوں سے آپ نے صلح کی تھی اور اسی طرح خیبر کا دو قلعہ ''الوطیح، اور السلالم، جس کو آپ نے صلح سے لیا تھا۔

لے مخیریق یہودی تھا، اور غزوۂ احد میں شریک ہوا اور یہ کہتے ہوئے شریک ہوا کہ اگر میں کفار سے قتل وقتال کرتے مرجاؤں تو میرے اموال اللہ کے رسول کے حوالے آپ اس میں جس طرح کا تصرف کریں ان کو اختیار ہے، چنانچہ قتل ہوا لیکن اسلام نہ لاسکا، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ''مخیریق خیر یھود'' واقدی کی روایت میں ہے کہ وہ اسلام نہ لاسکا، اور قتل کے بعد اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا گیا اور جنازے کی نماز نہ پڑھی گئی، جبکہ ابن ھشام کی روایت میں ہے کہ وہ اسلام لاچکا تھا، بہر حال وہ سات باغات جسے رسول اللہ ﷺ نے مخیرق کے اموال میں سے وقف کیا تھا، اس کی تفصیل یہ ہے (۱) اعراف اور بعض نسخہ میں اعواف ہے (۲) صافیہ اور بعض نسخہ میں ضیافہ ہے (۳) دلال سحاب کے وزن پر (۴) میثب (۵) برقہ (۶) حسنیٰ (۷) مشربہ ام ابراھیم، (احکام الاوقاف للامام ابوبکر الشیبانی (م۲۶۱) ص ۶/۵ باب ماروی فی صدقات النبی ﷺ۔ علامہ سبط ابن جوزی کہتے ہیں کہ اسلام میں یہ سب سے پہلا وقف تھا (سیرت حلبیہ ص ۵۲۹ جلد ۲، حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ اول وقف اسلام میں ''ثمغ'' ہے جسے حضرت عمر نے صدقہ (وقف) کیا تھا

(وعن الحصين سألنا عن الحبس "اول حبس "في الاسلام فقال قائل

صدقه رسول الله صلی الله علیه وسلم هی اول ماحبس فی الاسلام (السبعه الحوائط)(احکام الاوقاف ص۷)

سوم خیبر کے فتوحات کا خمس: اور خود حضورؑ کے سہم جو مسلمانوں کی طرح آپ کو ملا تھا، یہ سب زمینیں رسول اللہ ﷺ کی ملک تھیں اور اس میں کسی دوسرے کا حق نہ تھا، اس پر رسول اللہ ﷺ نے کسی کو قبضہ اور تصرف کا حق نہیں دیا، اس میں حضورؑ نے جن کے نفقات مقرر کردیئے تھے ان کو نفقات ملتے تھے، اس کے بعد بقیہ مسلمانوں پر اور مصالح عامہ پر صرف کرتے تھے، [۱]

اس بارے میں ایک دوسری روایت بھی ہے، جسے حضرت امام بخاری نے کتاب التفسیر میں بیان کیا ہے، تمام سیرت نگار نے اس روایت کو آنحضرت ﷺ کی متروکہ جائداد کی وضاحت میں اور اس سے متعلق حکم میں اپنا مستدل بتایا ہے، روایت پیش خدمت ہے۔

حضرت عمر بن حارث جو ام المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے بھائی تھے فرماتے ہیں۔

ع۱ اصح السیر صـ۲۱۴. وفی احکام الاوقاف عن عمر بن الخطاب رضی الله عنه: کان لرسول الله صلی الله علیه وسلم ثلاث صفایا و کانت بنوا النضیر حبسا(وقفا) لنوائبه و کانت فداک ابن السبیل و کانت خیبر قدجزأ ماثلاثه اجزاء فجزأن للمسلمین و جزء ا کان ینفق علی اهله فان فضل رده علی فقراء المسلمین (المهاجرین) (احکام الاوقاف للشیبان صـ٦م۱ ۲ ٦ ۱)

ما ترک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عند موتہ درھما ولا دینارا ولاعبدا ولا امۃ ولاشیئا الابغلتہ البیضاوسلاحہ وارضا جعلھا صدقہ ع ا

آنحضرت صلی اللہ وسلم نے نہ درھم چھوڑا اور نہ دینار اور نہ غلام اور نہ باندی اور نہ کوئی شی مگر ایک سفید خچر اور ہتھیار اور کچھ زمین جس کو اپنی زندگی ہی میں مسلمانوں کے لئے صدقہ اور وقف کر گئے تھے۔

اس حدیث کی تشریح میں سیرت نگار نے جو باتیں پیش کی ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ نے فرمایا کہ حضرت عمرو بن حارث رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جس زمین کا ذکر ہے اس سے تین جائدادیں مراد ہیں۔

ا-جائداد مدینہ:- مدینہ کی جائداد سے بنونضیر کی جائداد مراد ہے جو حق تعالیٰ نے آپ کو بطور ''فیٔ'' عطاء فرمائی تھی جس کا ذکر قرآن میں ہے اور یہ زمین برابر آپ کے قبضہ میں رہی، اس زمین کی آمدنی سے اپنے اہل وعیال کا سالانہ خرچ دیتے تھے اور جو بچتا اس سے ہتھیار اور گھوڑے اور سامان جہاد خریدتے۔

۲-خیبر کی زمین جو آپ کو سہم میں ملی تھی۔

۳-فدک کی نصف زمین جو فتح خیبر کے بعد آپ کو اہل خیبر سے صلحاً حاصل ہوئی تھی، خیبر اور فدک کی زمینوں سے جو آمدنی ہوتی اس کو وقتی اور ناگہانی ضروریات میں صرف فرماتے، یہ زمین رسول اللہ ﷺ کی سمجھی جاتی تھیں، اور تاحینِ حیات آپ کے قبضہ میں رہیں، حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے آپ کو اختیار تھا کہ جس طرح چاہیں تصرف کریں، مگر حضور پرنور ﷺ ان زمینوں کی آمدنی سے صرف بقدر نفقہ اہل وعیال

ع ا الجامع الصحیح المستد البخاری صـ ۴۲۵، اصح السیر صـ ۵۴۵، سیرۃ المصفی صـ ۲۳۵ جلد ۳ احکام الاوقاف صـ ۸ (بیروت لبنان)

لیتے تھے، باقی کل آمدنی اسلام اور مسلمانوں کی ضرورتوں اور مصلحتوں میں خرچ فرماتے تھے، اپنی عیش وعشرت کے لیے معاذاللہ ایک پیسہ بھی خرچ نہ فرماتے تھے، ظاہراان جائدادوں میں آپ کا تصرف مالکانہ تھا، مگر درحقیقت متولیانہ تھا، یہ زمین اللہ کی تھیں یعنی وقف تھیں اور بحکم خداوندی آپ اس کے متولی تھے اس کے حکم کے مطابق خرچ کرتے تھے، چونکہ خداوندذوالجلال کی طرف سے یہ حکم تھا کہ ان زمینوں کی آمدنی سے اپنے اہل وعیال کا نفقہ بھی دے دیا کرو، اس لیے آپ بنی نضیر کی جائداد سے سالانہ نفقہ دیا کرتے تھے۔ (سرۃالمصطفی جلدسوم ص۲۳۶ سیرۃ حلبیہ ص ۵۳۰ ج۶، اصح السیر ص۵۴۵)

اسی وجہ سے حضرات اہل بیت کو آپ کی وفات کے بعد یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ یہ زمینیں رسول اللہ ﷺ کی ملکیت اور ذاتی جائداد تھیں اس لئے بطور وراثت اہل بیت پر تقسیم ہونی چاہیے جیسا کہ حضرت فاطمہ نے فدک اور خیبر کی جائدادوں سے ابوبکرؓ سے اپنا حصہ طلب کیا، جس کی مکمل تفصیل سیر کی کتابوں میں مذکور ہے، اور حضرت ابوبکرؓ نے یہ کہہ کر رد فرمادیا کہ ''انبیاء کے اموال میں وراثت جاری نہیں ہوتی'' [1]

[1] ''یہاں پر یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ قرآن میں تو وراثت انبیاء جاری ہونے کی وضاحت ہے، چنانچہ ارشاد ہے ''وورث سلیمان داؤد (اور داؤدؑ کے بعدان کے وراث سلیمان ہوئے، یازکریاؑ کے واقعہ میں جو یہ آیت ہے، ''فھب لی من لدنک ولیا یرثنی ویرث من اٰل یعقوب (سورہ مریم) کیونکہ ان آیات میں وراثت سے مرادعلم وحکمت کا ورثہ ہے ایک روایت میں یوں ہے کہ حضرت فاطمہ نے حضرت ابوبکر سے اس بات پر فرمایا کہ آپ کی وراثت کس کو ملے گی، تو انہوں نے کہا میری بیوی اوراولاد کو ، اس پر حضرت فاطمہ نے فرمایا کہ پھر کیا وجہ ہے کہ مجھے اپنے والد معظم کی وراثت نہ ملے، صدیق اکبرؓ نے فرمایا ''میں نے رسول اللہ ﷺ سے فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہماری وراثت نہیں چلتی'' (سیرۃ حلبیہ ص ۵۳۱ جلد ۶ اردو)

وقف وصدقہ اور حبس عین کا طریقہ نیا نہیں ہے

بہر حال سابقہ وضاحتوں اور تحریروں سے ''دو باتیں سامنے آئیں

(۱) اوقاف وصدقات کا سلسلہ نیا نہیں ہے، بلکہ آنحضرت ﷺ کے زمانے سے اس کی شروعات ہے چنانچہ محمد بن حارثی سہل بن ابی حثمہ سے روایت کرتے ہیں'' سات صدقات حضورؐ نے بنی نضیر کے مال سے کیے تھے، اعواف، صافیہ، دلال، میثب، حسنی، مشربہ ابن ابراھیم (یہ اوقاف کھجوروں کے باغ وغیرہ تھے) تفصیل ماقبل میں آچکی ہے۔

(۲) وقف کی جائداد سے واقف خود بھی کھا سکتا ہے اور اس کی اولاد بھی ساتھ ہی محتاج اور نادار بھی، جیسا کہ اس بارے میں تفصیلات گذریں، لیکن گام گام، احتیاط علامہ ابوبکر خصاف نے لکھا ہے'' ان صدقة رسول الله صلى الله عليه وسلم ياكل منهاا هله بالمعروف غير المنكر''ع۱

''حضور ﷺ کے صدقات یعنی اوقاف میں سے ان کی اولاد اور بیویاں جائز طریقہ پر کھایا کرتی تھیں'' علامہ ابوبکر خصاف الشیبانی آگے فرماتے ہیں:

وقد حبس المسلمون بعده على اولادهم واولاد اولادهم ''ع۲

اس کے بعد (حضور ﷺ کے وقف کے بعد) مسلمانوں نے اپنی اولاد پر اور اپنی اولاد کی اولاد پر وقف کرنا شروع کیا۔

صحابہ وصحابیات جنہوں نے وقف کیا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وقف کنندگان کا حضرات صحابہ وصحابیات

ع۱ احکام الخصاف ص ٦.

ع۲ احکام الاوقاف ص ٧.

میں ایک لانبا سلسلہ ہے، خلفاء اربعہ کے علاوہ جن حضرات نے وقف کیا تھا ان کے نام یہ ہیں (۱) زبیرؓ (۲) حضرت معاذ بن جبل (۳) حضرت زید بن ثابت (۴) حضرت عائشہ صدیقہ (۴) حضرت اسماء بنت ابی بکر (۵) حضرت ام سلمہؓ ۔

(۶) حضرت ام حبیبہ (۷) حضرت صفیہ بنت حی زوجہ نبیؐ (۸) حضرت سعد بن ابی وقاص (۹) حضرت خالد بن ولید (۱۰) حضرت ابی اروی الدوسی (۱۱) حضرت جابر عبداللہ (۱۲) حضرت سعد بن عبادہ (۱۳) حضرت عقبہ بن عامر (۱۴) عبداللہ بن زبیر، تفصیل کیلئے دیکھیے (احکام الاوقاف)[۳]

مذکورہ تصریحات سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی ہے کہ وقف کا طریقہ نیا نہیں ہے، بلکہ قرن اول سے اس کا سلسلہ جاری ہے بلکہ فلاحی کام کرنے کا ایک مضبوط اور مستحکم طریقوں کے ساتھ ایک طریقہ وقف بھی ہے، کہ اسے اپنی ملکیت سے نکال دینے کے بعد واقف کو کسی طرح کا یا متولی کو حق تولیت اور نگرانی کے سوا کسی طرح کا اختیار نہیں ہے چنانچہ روایت کی صراحت کے مطابق ''ولا تباع ولا توھب ولا تورث ابدا'' پر عمل جاری ہوا کرتا ہے، یعنی موقوفہ اراضی جو نہ فروخت کی جا سکتی ہے اور نہ ہی ھبہ اور نہ ہی اس میں وراثت کا نفاذ ہوگا۔

وقف کیلئے تابید شرط ہے

اس بارے میں حضرت امیر شریعت نے فتاوی عالمگیری (فتاوی ہندیہ) کے حوالے سے بڑی فاضلانہ بحث کی ہے ان ہی کی زبان اور ان ہی کی تحریر میں پیش خدمت ہے اس بارے میں ان کی فاضلانہ گفتگو، وہ فرماتے ہیں کہ وقف کی جہاں اور شرطیں ہیں ان میں ایک شرط متفق علیہ طور پر ''تابید'' بھی ہے، انہوں نے آگے فرمایا

ع[۳] للخصاف (۲۶۱) ص ۱۶-۸)

کہ فتاوی عالمگیری کی عبارت اس طرح ہے۔

" ومنها التابید وهو شرط علی قول الکل "(احکام الاوقاف ص ۱۵)

[۱] یعنی تمام ائمہ کے قول کے مطابق" وقف کے لئے ہمیشہ وقف" رہ جانا شرط ہے، مولاناؒ آگے فرماتے ہیں، اس ہیشگی کی شرط کا فائدہ یہ نکلتا ہے" وقف" خواہ جس پر بھی کیا جائے اس میں کسی نہ کسی مرتبہ میں اسکی صلاحیت موجود ہوتی ہے فقراء اور مساکین پر صرف کیا جاسکے، مثلاً ایک شخص اپنی اولاد پر" وقف" کرتا ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ اسکی اولاد اور نسل باقی رہے، اب اگر اس کی نسل ختم ہوگئی تو کیا وقف لوٹ جائیگا یا نہیں بلکہ وہ فقراء ومساکین پر صرف ہوگا یہی وجہ ہے کہ وقف ناموں میں لکھا جاتا ہے کہ اگر واقف کی اولاد اور نسل میں کوئی باقی نہ رہے تو وہ فقراء ومساکین پر صرف کیا جائے گا، اور اسلامی قانون ہمیں بتلاتا ہے کہ اگر وقف کرنے والا اپنے وقف نامہ میں فقراء اور مساکین کا تذکرہ نہ بھی کرے اور اس کی نسل ختم ہوجائے تو بھی وہ وقف باقی رہے گا، اور فقراء ومساکین پر خرچ کیا جائیگا، کیونکہ وقف کے لئے شرط ہے کہ وہ ہمیشہ وقف رہ جائے، اور اس کی شکل یہی ہے جو ذکر کی گئی ہے چنانچہ عالمگیری کے ص ۹۶۰ جلد ۲ میں ہے۔

"یصح وان سمی جهة تنقطع ویکون بعده للفقراء وان لم یسممهم کذا فی البدائع"

"وقف صحیح ہوگا اگر واقف کسی ایسی چیز کیلئے وقف کیا جو ختم ہوجانے والی ہے، اور اس کے بعد فقراء ومساکین پر خرچ ہوگا، اگر چہ واقف اپنے وقف نامے میں فقراء ومساکین کا تذکرہ نہ کیا ہو"[۱]

ع[۱] خطبات امیر شریعت رابع ص ۶۲ ص ۶۱ .

بہر حال وقف سے متعلق چند سطور اس لئے لکھے گئے ہیں تا کہ ''وقف'' کے مسائل سمجھنے میں اور اس کی حقیقت تک پہنچنے میں اور اس کے مقاصد کو جاننے میں اس راہ کے مسافر کے لیے کسی نہ کسی درجہ میں معاون ثابت ہوں، اور اصل سبب اس کے لکھنے کا ہمارے محسن ومکرم جناب مولانا ومفتی محمد کوثر علی سبحانی مظاہری صاحب سابق شیخ الحدیث جامعۃ العلوم گڑھا ہمت نگر کا پیہم اصرار تھا جس کے بعد انکار گناہ سا معلوم ہوا، اس لیے جو بھی ہوسکا حاضر ہے۔

اخلاق الرحمان قاسمی، ارریاوی
۲/۱/ذوالحجہ ۱۴۳۱ھ
بمطابق ۸ نومبر ۲۰۱۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله رب العالمین و الصلوة و السلام علی نبیه رحمة للعالمین امابعد.

وقف کی تعریف :۔ وقف کے لغوی معنیٰ حبس یعنی رکنا، روکنا، قائم اور ساکن کردینے کے ہیں۔

اصطلاح شرع میں اپنی جائداد جیسی باقی رہنے والی چیز کو اپنی ملک سے نکال کر اللہ کی ملک میں (اصل کو محفوظ رہنے اور منافع کے خیرات کرنیکی شرط کیساتھ) دیدینا، یعنی رضا اِلٰہی کی نیت سے اس کے فائدے کو فقر و غناء کا لحاظ کئے بغیر دائمی طریقہ پر کسی خاص شخص وفرد کو یا مساجد، مدارس، مقابر، ودیگر ادارے اور کارخیر کیلئے مخصوص کردینا وقف کہلاتا ہے [1]

وقف کی اصطلاحات :۔ مال وقف کرنے والے کو واقف اور جس کو وقف کیا جائے خواہ اشخاص وافراد یا مساجد ومقابر اور دیگر ادارے ہوں اس کو موقوف علیہ

ع [1] کتاب الوقف.هو لغة : الحبس وشرعا حبس العین علی حکم ملک الواقف و التصدق بالمنفعة عندهٗ وعندهما هو حبسها علی حکم ملک الله تعالیٰ وصرف منفعتها علی من احب ولو غنیا فیلزم فلایجوز لهٗ ابطاله ولایورث عنه وعلیه الفتویٰ (درمختار علی هامش شامی ص ۵۱۸ تا ۵۲۱ جلد ۶) حبس العین علی ملک الواقف والتصدق بالمنفعة والملک یزول بالقضاء (کنز الدقائق) وصرح فی الذخیرة بان فی التصدق علی الغنی نوع قربة دون قربة الفقیر وعرفه شمس الائمة السرخسی بانه حبس المملوک عن التملیک من الغیر وسببه ارادة محبوب النفس فی الدنیا وببر الاحباب فی الاخرة بالتقرب الی رب الارباب جل وعز (بحر الرائق ص ۳۱۳ ج ۵)

کہتے ہیں، جس کے ذریعہ وقف اور اس کی ضروری تفصیلات کا علم ہو اس کو وقف نامہ اور جس شخص کو وقف کے مقاصد کو بروئے کار لانے اور واقف کی ہدایت پر عمل درآمد کیلئے منتظم بنایا جائے اس کو متولی کہا جاتا ہے۔

وقف کی حقیقت:۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک واقف کی ملکیت وقف کردہ شیء میں باقی رہتی ہے البتہ اس کے منافع موقوف علیہم پر صدقہ ہوں گے اور امام صاحب کے نزدیک وقف مثل عاریت کے جائز ہے لازم نہیں ہے، واقف کی حیات میں وہ شیء موقوفہ اس کی ملک میں رہتی ہے اور اس کی وفات کے بعد ملک ورثہ ہو جاتی ہے اس حیثیت سے کہ وہ چاہے تو اس کو بیچ دے یا ہبہ کر دے، اسی طرح واقف اگر چاہے تو اپنی زندگی میں وقف سے رجوع کر سکتا ہے مگر یہ کراہت کے ساتھ جائز ہے۔

مگر صاحبین کے نزدیک وقف کو باطل کرنا جائز نہیں وقف لازم ہو جاتا ہے اس سے رجوع درست نہیں اور نہ اس میں میراث جاری ہو سکتا ہے، جمہور ائمہ ثلاثہ کا بھی یہی مسلک ہے اور احناف کے یہاں اسی قول پر فتویٰ ہے [۱]

ع۔ ا وعندابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ یجوز الوقف جواز الاعادة تصرف المنعة الی جهة الوقف ویبقی العین علی ملک الواقف له ان یرجع عنه ویجوز بیعه وان مات یورث عنه الخ وعندهما الوقف لازم بغیر هذه التکلفات والناس لم یوخذوا بقول ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ فی هذا للآثار المشهورة عن رسول الله صلی الله علیه وسلم والصحابة رحمهم الله تعالیٰ وتعامل الناس باتخاذ الرباطات والخانات اولها وقف الخلیل صلوات الله وسلامه علیه(فتاوی قاضیخان علی هامش عالمگیری ص ۲۸۵ تا ۲۸۶ ج ۳) واما عندهما فالوقف لازم وعلیه الفتوی شرح الوقایه

وقف کی اہمیت:۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ وقف سے ناآشنا تھے۔جب قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت کریمہ نازل ہوئی۔

لن تنالوا البر حتی	اے مسلمانوں تم خیر کامل کو کبھی حاصل نہ کرسکو گے
تنفقوا مما تحبون	جب تک کہ اپنی پیاری چیز کو اللہ کے راستے میں
وماتنفقوا من شیء	خرچ نہ کروگے اور جو کچھ بھی خرچ کروگے اللہ
فان اللہ بہ علیم ط	تعالیٰ اس کو خوب جانتے ہیں۔

فائدہ:۔ اس آیت کریمہ سے نبی کریم ﷺ نے چند ایسے مصالح کے پیش نظر جو دیگر صدقات میں نہیں پائے جاتے ہیں وقف کو مستنبط فرمایا، مثلاً ایک انسان اللہ کے راستے میں اپنا بہت سارا مال خرچ کرتا رہتا ہے اور اس کی زندگی تک فقراء ومساکین اس سے فیضیاب ہوتے رہتے ہیں پھر جب مرجاتا ہے تو ان غریبوں کی حاجت روائی کرنے والا کوئی نہیں ہوتا۔

اسی طرح دوسرے اور محتاج آتے ہیں جو بالکل ہی محروم رہتے ہیں پس اس سے بہتر اور مفید کوئی صورت نہیں کہ وہ شخص اپنی کوئی جائداد فقراء ونادار اور راہ گزاروں کیلئے روک لے یعنی وقف کردے جس کی آمدنی ان لوگوں پر خرچ ہوتی رہے اور اصل جائداد واقف کی ملک میں باقی رہے[1]

ع[1] الوقف وكان اهل الجاهلية لايعرفونه فاستنبطه النبی ﷺ لمصالح لايوجد فی سائر الصدقات فان الانسان ربما يصرف فی سبيل الله مالا كثيرا لم يغنى فيحتاج اولئک الفقر تارة اخرى ويجى اقوام آخرون من الفقراء فيبقون محرومين فلا احسن ولاانفع للعامة من ان يكون شیء حبسا للفقراء وابنا السبيل تصرف عليهم منافعه ويبقى اصله على ملک الوقف وهو قوله صلى الله عليه وسلم لعمر رضى الله عنه الى اخر الحديث حجة الله البالغه.ماخوذ رحمة الله الواسعه صـ ١٢٣١ جـ٤)

چنانچہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو ایسا ہی کرنے کا مشورہ دیا جو درج ذیل حدیث میں مروی ہے۔

عن ابن عمر ان عمر اصاب ارضا بخیبر لم اصب مالا قط انفس عندی منه فما تأمرنی به قال ان شئت حبست اصلها وتصدقت بها فتصدق بها عمر انه لایباع اصلها ولایوهب ولایورث وتصدق بها فی الفقراء وفی القربی وفی الرقاب وفی سبیل الله وابن السبیل والضیف لاجناح علی من ولیها ان یاکل منها بالمعروف اویطعم غیر متمول قال ابن سیرین غیر متاثل مالا متفق علیه (مشکوۃ شریف ج ۱ ص ۲٦۰)

حضرت ابن عمر رضی اللہ کہتے ہیں کہ خیبر کی کچھ زمین (کہ جس میں کھجوریں پیدا ہوتی تھیں) حضرت عمرؓ کو (مال غنیمت کے حصہ کے طور پر) ملی تو حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں نے خیبر میں (اپنے حصہ کی) ایسی زمین پائی ہے کہ اس سے زیادہ بہتر عمدہ مال مجھے کبھی نہیں ملا ہے (اور اب میں چاہتا ہوں کہ اس زمین کو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی وخوشنودی میں دیدوں، اس لئے) آپ مجھے حکم فرمائیں (کہ اس سلسلہ میں کیا کروں) آپؐ نے فرمایا کہ اگر تم یہی چاہتے ہو تو اصل زمین کو روک کر (وقف کردو) اور اس سے جو کچھ پیدا ہو اسے بطور صدقہ تقسیم کردو چنانچہ حضرت عمرؓ اس زمین کو اس شرط کے ساتھ خدا کی راہ میں دیدیا یعنی وقف کردیا کہ اصل زمین کو نہ فروخت کیا جائے نہ ھبہ کیا جائے اور نہ اسے کسی کی میراث قرار دی جائے اور اس کی پیداوار کو بطور صدقہ اس طرح صرف کیا جائے کہ اس سے فقیروں ،قرابتداروں کو نفع پہنچایا جائے غلاموں کی مدد کی جائے اللہ کی راہ میں (یعنی نمازیوں اور حاجیوں پر خرچ کیا جائے) اور مسافروں کی ضرورتیں پوری کی جائیں (باوجودیکہ وہ اپنے وطن میں مال وزر کے مالک ہوں) اور مہمانوں کی مہمانداری کی جائے اور اس

زمین کا متولی بھی بقدر حاجت اس میں سے کھائے، یا اپنے اھل وعیال کو کھلائے تو اس میں کوئی گناہ کی بات نہیں ہے بشرطیکہ وہ متولی (اس وقف کی آمدنی سے) مالدار نہ بنے، چنانچہ ابن سیرین نے (غیر متمول کا مطلب) یہی بیان کیا ہے کہ وہ متولی اس زمین کو اپنے لئے مال وزر جمع کرنے کا ذریعہ نہ بنائے۔

فائدہ:- یہ حدیث وقف کے صحیح ہونے کی دلیل ہے چنانچہ تمام مسلمانوں کا بالاتفاق یہ مسلک ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی کوئی جائداد مثلاً زمین ومکان وغیرہ کسی نیک مقصد اور اچھے کام کیلئے اللہ کی رضا وخوشنودی کی راہ میں وقف کر دیتا ہے تو یہ جائز ہے اور وہ وقف کرنے والا بے شمار اجر وثواب سے نوازا جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوھریرہؓ کی حدیث ہے حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔

اذامات الانسان انقطع عمله الامن ثلاث صدقة جارية وعلم ينتفع به، وولد صالح يدعوله (ترمذی شریف)	کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے تمام اعمال منقطع ہوجاتے ہیں سوائے تین عمل صدقہ جاریہ، وہ علم جس سے نفع اٹھایا جارہا ہو، اور نیک اولاد جو اس کے لئے دعاء کرتی ہو۔

فائدہ :۔اس حدیث میں صدقہ جاریہ کا ذکر ہے یہ عموماً وقف کے ذریعہ ہی ہوتا ہے اس لئے اس حدیث کو امام ترمذی نے باب الوقف میں ذکر کیا ہے کیونکہ عام صدقات میں یہ ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ صدقہ کر دیا تو اس کی اصل ختم ہوگئی لیکن وقف یعنی صدقہ جاریہ بعد میں بھی مستقل جاری رہتا ہے مثلاً مسجد بنادی، مسافر خانہ تعمیر کرادیا، مدرسہ بنادیا، یا کنواں وقف کر دیا تو یہ سب صدقہ جاریہ میں داخل ہے۔

﴿موقوف علیہم کا فقیر ہونا ضروری نہیں﴾

جب کوئی چیز وقف کی جاتی ہے تو اس میں موقوف علیہ یعنی جس کو وقف کیا جائے اس کا فقیر ہونا ضروری نہیں ہے اگرچہ زکوۃ میں متصدق علیہ کا فقیر ہونا ضروری ہے۔

لہذا واقف اگر موقوف علیہم میں مستطیع لوگوں کو بھی شامل کر لے تو بھی اس میں حرج نہیں ہے مثلا کوئی شخص زمین وقف کرتے ہوئے یہ کہدے کہ اس زمین کی پہلی پیداوار میرے رشتہ داروں میں تقسیم کردی جائے اس کے بعد فقراء کو دیدیا جائے تو یہ وقف درست قرار پائیگا، بشرطیکہ اس وقف کی آخری مد فقراء ہوں یا کوئی ایسی جہت ہو جو منقطع ہونے والی نہ ہو۔ اگر فقراء کو مستثنی کر کے صرف مالداروں کیلئے وقف کیا گیا تو درست نہیں ہوگا۔ [۱]

متولیٔ وقف کو وقف کی آمدنی سے کچھ لینا جائز ہے

جو شخص اس وقف کا متولی اور نگراں ہو رات دن وقف کے انتظام میں لگا ہو تو اس کے لئے درست ہے کہ اس وقف کی آمدنی سے اپنی اور اپنے اھل وعیال و دوستوں کی ضرورت کیلئے بطور تنخواہ معروف طریقہ سے لے لے اور دیگر ضروریات مثلا وقف کے مفاد کیلئے مہمانوں کو بھی کھلا سکتا ہے مگر اس کو اپنی مالداری کا ذریعہ نہ بنائے۔

چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

ع[۱] مطلب لو وقف على الاغنياء وحدهم لم يجز وكذا الوقف على الاغنياء ثم الفقراء لما فى النهر عن المحيط لو وقف على الاغنياء وحدهم لم يجز لانه ليس بقربة اما لو جعل آخره للفقراء فانه يكون قربة فى الجملة (شامى صـ ٥١٩ جـ ٦ زكريا)

لاجناح علی من ولیها ان یعنی (وقف کے) متولیوں کیلئے جائز ہے کہ وہ وقف یاکل منہا بالمعروف میں سے بغیر مالدار بننے کے قصد سے ضرورت کے اویطعم غیر متمول ع۔۱ طور سے کھائے۔

وقف کے ارکان:۔ وقف کارکن بعض الفاظ خاصہ ہیں جو وقف پر دلالت کریں یعنی جس سے وقف صحیح ہو جائے علامہ ابن نجیم مصری نے بحرالرائق میں اس کے چھبیس الفاظ تفصیل کیساتھ پیش فرمایا ہے ع۲

بعض وہ الفاظ جس سے وقف پورا ہو جائے

اگر وقف کنندہ نے وقف کرتے ہوئے کہا کہ میری یہ زمین صدقۂ مؤبدہ (ہمیشہ کیلئے) محررہ (لکھی ہوئی) ہے میری زندگی میں اور میرے مرنے کے بعد یا یوں کہا کہ میری یہ زمین صدقہ محبوسہ مؤبدہ (یعنی ہمیشہ کیلئے روکی ہوئی) ہے میری زندگی اور میرے مرنے کے بعد تو ان الفاظ کے ذریعہ تمام ائمہ کے نزدیک بالاتفاق وقف درست ہے فقیروں پر لازم ہو جائے گا (۲) اور اگر یوں کہا کہ میری یہ زمین وقف کردہ صدقہ ہے یا حبسیہ (روکی ہوئی یعنی یہ زمین فروخت، ہبہ، میراث، وغیرہ کے ذریعہ کسی طرح منتقل نہیں ہوگی) اور اسمیں ہمیشگی کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا تو بھی وقف درست ہو جائے گا اکثر علماء کا یہی قول ہے۔

(۳) اور اگر یوں کہا کہ میری یہ زمین مساکین پر صدقہ موقوفہ ہے تو بالاجماع

ع۱ مؤبدة علی المساکین ونحوهٗ(درمختار) وهی ستة وعشرون لفظا علی مابسطه فی البحر شامی ص۔۵۲۲ .۵۲۱ ج۔۶ زکریا.

ع۲ ورکنه الالفاظ الخاصة کأرضی هذه صدقة موقوفة موبدة علی المساکین ونحوه (درمختار علی هامش شامی ص۔۵۲۱ .۵۲۲ ج۔۶ زکریا)

وقف درست ہوجائیگا۔ [1]

(۴) اور اگر یوں کہا کہ میری یہ زمین راہِ خیر پر یا راہِ ثواب پر یا راہِ نیکی پر یا راہِ نیکی وثواب پر تو وقف درست ہوجائے گا۔

اور اگر صدقہ کا لفظ ذکر کرنے کے بجائے وقف کا لفظ ذکر کیا اور کہا کہ میری یہ زمین وقف ہے یا میں نے اپنی یہ زمین وقف کردی یا میری یہ زمین موقوفہ ہے تو وقف درست ہوجائے گا۔ [2]

اسی طرح یوں کہا کہ میں نے اپنی یہ زمین حرام کردی ہے یا میری یہ زمین حرام کی ہوئی ہے (یعنی میراث، ہبہ، بیع، وغیرہ سے حرام کی ہوئی ہے) تو وقف درست ہوجائے گا اور اگر کہا کہ میری یہ زمین موقوفہ ہے فلاں پر یا میری اولاد پر

ع[1] واذاقال ارضی ھذہ صدقة محررة مؤبدة حال حیاتی وبعد وفاتی اوقال ارضی ھذہ صدقة موقوفة محبوسة مؤبدة حال حیاتی وبعد وفاتی اوقال ارضی ھذہ صدقة محبوسة مؤبدة اوقال حبیسة مؤبدة حال حیاتی وبعد وفاتی یصیر وقفاجائزا لازما علی الفقراء عند الکل فی المحیط ولو قال ارضی ھذہ صدقة موقوفة او صدقة محبوسة او حبیسة ولم یقل مؤبدة فانه یصیر وقفا علی قول عامة من یجیز الوقف (عالمگیری صـ ۳۵۷ جـ ۲ .

ع[2] قال ارضی ھذہ صدقة موقوفة علی وجه البر او علی وجه الخیر او وجوہ الخیر والبر یکون وقفا جائزا کذافی الوجیز ولولم یذکر الصدقة لکن ذکر الوقف وقال ارضی ھذہ وقف اوجعلت ارضی ھذہ وقفا او موقوفة فانه یکون وقفا علی الفقراء عند ابی یوسف رحمه الله علیه وقال الصدر الشھید ومشائخ بلخ یفتون بقول ابی یوسف رحمه الله تعالیٰ ونحن نفتی بقوله ایضا لمکان العرف (عالمگیری ص۳۵۷، ۳۵۸جلد ۲)

یا قرابتی اولاد پر یا میرے قرابتی فقیروں پر یا میرے قرابتی یتیموں پر حالانکہ یہ لوگ اتنے محدود ہیں کہ شمار کئے جائیں تو ان کا احصار ممکن ہو اور اس سے اس کی مراد جنس اراضی مذکور نہیں ہے جو درواقع وقف ہے تو امام محمد کے نزدیک وقف نہ ہوگی کیونکہ اس نے ایسی چیز وقف کی ہے جو منقطع اور ختم ہو جائے گی، ہمیشہ تک نہیں رہے گی اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وقف صحیح ہو جائے گا، اسلئے کہ جس پر وقف کیا ہے اس کا ہمیشہ جاری رہنا امام ابو یوسف کے نزدیک شرط نہیں ہے[1]

اور اگر یوں کہا کہ میری یہ زمین یا میرا یہ گھر صدقہ موقوفہ ہے فلاں پر یا فلاں کی اولاد پر تو اس زمین کی حاصلات و پیداوار ان لوگوں کو ملے گی جب تک واقف زندہ ہے، ان کی وفات کے بعد وہ فقیروں پر صرف ہوا کرے گی۔

اور اگر یوں کہا کہ یہ زمین اللہ تعالیٰ کے واسطے صدقہ یا اللہ کے واسطے موقوفہ ہے یا اللہ کے واسطے صدقہ موقوفہ ہے تو وقف درست ہو جائیگا خواہ ہیشگی کا ذکر کیا ہو یا نہ کیا ہو اور اگر کہا کہ میری یہ زمین برائے سبیل پیش ہے تو اگر ایسے شہر میں ہوں جہاں کے لوگوں میں یہ لفظ وقف کے واسطے متعارف ہے تو زمین مذکورہ وقف ہو جائے گی۔

ع[1] ولو قال حرمت ارضی هذه او هی محرمة قال الفقیه ابو جعفر هذا علی قول ابی یوسف رحمه الله تعالیٰ کقوله موقوفة لوقال ارضی هذه موقوفة علی فلان او علی ولدی او فقراء قرابتی وهم یحصون او علی الیتامیٰ ولم یرد به جنسه لا تصیر وقفا عند محمدؒ لانه وقف علی شیء ینقطع وینقرض ولایتابد وعند ابی یوسفؒ یصح لان التأبید عنده لیس بشرط (عالمگیری صـ ۳۵۸ جـ ۲)

اور اگر وہاں کے لوگوں میں متعارف بمعنی وقف نہ ہوتو اس سے اس کی مراددریافت کی جائے گی پس اگر اس نے وقف کا ارادہ کیا ہےتو وقف ہو جائے گی اور اگر اس نے صدقہ کی نیت کی ہے یا کچھ بھی نیت نہیں کی ہےتو نذر ہوگی لہذا زمین یا اس کا ثمن (یعنی قیمت) صدقہ کردیا جائے گا۔[1]

ہمارا عرف:- یہ الفاظ ہمارے عرف میں وقف کے معنی میں نہیں ہے البتہ نذر ہوسکتی ہے اگر اس کی نیت ہو۔

اسی طرح واقف نے کہا کہ میں نے اس کو فقیروں کے واسطے کردیا پس اگر اس شہر والوں میں یہ وقف کے واسطے متعارف ہوتو وقف ہو گی اور اگر وقف کیلئے متعارف نہ ہوتو اس سے دریافت کیا جائے گا پس اگر وقف کی نیت کی ہوتو وقف ہو گی اور نیت صدقہ کی ہو یا کچھ نہ ہوتو صدقہ کی نذر قرار دیجائے گی۔[2]

ع[1] ان قال ارضی او داری هذه صدقة موقوفة علی فلان او علی اولاد فلان فالعلة لهم ما داموا احیاء وبعد الممات تصرف الی فقراء کذا فی الوجیز للکردری، ولو قال ارضی هذه صدقة لله او موقوفة لله او صدقة موقوفة لله تعالیٰ تصیر وقفا ذکر الابد أم لا کذا فی المحیط السرخسی ......
ولو قال ارضی هذه للسبیل فان کا ن فی بلدة تعارفوا مثل هذا وقفا صارت الارض وقفا والم یتعارفوا یسئل منه ان اراد به الوقف فهی وقف وان نوی الصدقة اولم ینو شیئا تکون نذرا فتصدق بها او بثمنها (عالمگیری ص ۳۵۸، ۳۵۹ج ۲)

ع[2] و کذالک لو قال جعلتها للفقراء وان کان ذلک وقفا فی تعارف تلک البلدة کانت وقفاوان لم یکن یرجع الیه بالبیان فان نوی وقفا کا نت وقفا وان نوی صدقة اولم ینو شیئا تکون نذرا بالتصدق کذا فی المحیط السرخسی (عالمگیری ص ۳۵۹ج۔ ۲)

اور اگر کسی نے کہا کہ ارضی ہذہ سبیل یعنی میری یہ زمین سبیل ہے تو وقف نہ ہوگی لیکن کہنے والا ایسے شہر کا ہو جہاں کے لوگ اس کلام سے وقف دیدی مع اس کی شرط کے سمجھتے ہوں تو وقف ہوجائے گی۔[1]

اور اگر یوں کہا (**سبلت هذه الدار فی وجه امام مسجد کذا عن جهة صلواتی وصیاماتی**) یعنی میں نے اپنی زمین راہ راست کردیا فلاں مسجد کے امام کیلئے اپنی نماز اور اپنے روزہ کے واسطے تو وقف صحیح ہوجائیگا اگرچہ نماز وروزہ سے وقف واقع نہ ہو۔

اور اگر کسی نے صرف یہ کہا کہ میں نے اپنا یہ حجرہ مسجد کے تیل کے واسطے کردیا اور اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا تو حجرہ مذکورہ مسجد پر وقف ہوگا اور متولی کیلئے درست نہیں ہوگا کہ متولی تیل کے علاوہ کسی اور مصرف میں صرف کرے۔[2]

اور اگر کسی نے اپنے مرض الوفات میں کہا کہ اس گھر کی آمدنی سے ہر مہینہ دس درہم کی روٹیاں خرید کر مساکین کو بانٹ دیا کرو تو محیط سرخسی میں ہے کہ یہ دار مذکور وقف ہوجائے گا۔ (مگر ہمارے عرف کے لحاظ سے دار مذکور وقف نہیں ہونا چاہئے نیز

---

[1] لو قال ضيعتی هذه سبيل لم تصير وقفا الا اذا كان القائل من ناحية يعلم اهل تلك الناحية بها الوقف المؤبد بشروطه كذافی السراجية (عالمگیری صـ ۳۵۹ جـ ۲)

[2] الخامس والعشرون سبلت هذه الدارفی وجه امام مسجد كذاعن جهة صلواتی وصياماتی تصير وقفا وان لم تقع عنهما والثلاثة فی قنية السادس والعشرون جعلت حجرتی لدهن سراج المسجد ولم يزد عليه صارت الحجرة وقفا على المسجد كما قال وليس للمتولی ان يصرف الى غير الدهن كذافی المحيط (بحر الرائق صـ ۳۱۹ جـ ۵)

مرض الوفات کی وصیت ثلث مال میں نافذ ہونا چاہئے جس کی یہاں تصریح نہیں ہے)[۱]

اوراگر کسی نے کہا کہ میں نے اپنے اس چہار دیوار کے اندر باغ کے انگور کے پھلوں کو وقف کردیا خواہ اس وقت اس پر پھل تھے یا نہ تھے تو باغ مذکور وقف ہوجائے گا

اسی طرح کہا کہ میں نے اس کی حاصلات کو وقف قراردی تو وقف درست ہو جائے گا۔اوراگر کسی نے کہا کہ میرا تہائی مال وقف ہے اوراس کے علاوہ کچھ نہیں کہا تو شیخ ابونصر نے فرمایا کہ اگر مال اس کا نقد ہوتو وقف باطل ہے اوراگر اراضی کی شکل میں ہے تو فقیروں پر جائز ہوگا۔

اور بعض علماء نے بیان فرمایا کہ فتویٰ اس پر ہے کہ بغیر مصرف کے بیان کئے یہ وقف جائز نہیں ہوگا۔[۲]

ع[۱] رجل قال فی مرضه اشتروا من غلة داری هذه کل شهر بعشرة دراهم خبزا وفرقوا علی المساکین صارت الدار وقفا کذافی محیط للسرخسی (عالمگیری ۳۵۹ جـ ۲)

ع[۲] وفی النوازل جعلت نزل کرمی وقفا وکان فیه ثمر أولایصیر الکرم وقفا وکذا لو قال جعلت غلته وقفا کذا فی فتح القدیر ولوقال وقفت بعدموتی او اوصی ان یوقف بعد موته یصح ویکون من الثلث کذا فی التهذیب وفی وقف هلال اذااوصی ان یوقف بثلث ارضه بعد وفاته لله ابدا کان وصیة بالوقف علی الفقراء کذا فی المحیط (عالمگیری صـ۳۵۹ جـ۲) رجل قال ثلث مالی وقف ولم یزد علی ذالک قال ابونصر ان کان ماله نقدا فهذاالقول باطل بمنزلة قوله هذه الدراهم وقف وان کان ماله ضیاعا تصیر وقفا علی الفقراء (بحرالرائق صـ ۳۱۹ جـ ۵)

بعض وہ الفاظ جن سے وقف درست نہیں

اگر کسی نے کہا کہ میری یہ زمین صدقہ ہے تو صدقہ کردینے کی نذر ہوگی حتی کہ اگر عین اس زمین کو صدقہ کیا یا اس کی قیمت صدقہ کردی تو نذر ادا ہوگئی۔

اور اگر یوں کہا کہ میں نے اپنی اس زمین کو مسکینوں پر صدقہ کیا تو یہ وقف نہ ہوگی بلکہ یہ نذر ہے، اس عین اراضی یا اس کی قیمت کا صدقہ کرنا اس پر واجب ہوگا، پس اگر اس نے ایسا کردیا تو نذر کے عہدہ سے نکل گیا ورنہ اس کی موت کے بعد وہ میراث ہوجائے گی، اور قاضی اس کو صدقہ کرنے پر مجبور نہیں کرے گا جیسے نذر ادا کرنے پر مجبور نہیں کرتا ہے، کیونکہ یہ بمنزلہ نذر کے ہے اور اگر کسی نے کہا کہ میری یہ زمین نیکی وثواب کی راہ پر صدقہ ہے تو یہ وقف نہیں بلکہ صدقہ ہے اور اگر کسی نے کہا کہ میں نے اپنے اس گھر کے غلہ کی آمدنی مسکینوں کیلئے کردی ہے، تو یہ آمدنی صدقہ کرنے کی نذر ہے۔

اور اگر کہا کہ صدقہ ہے فروخت نہیں کیا جائے گا تو صدقہ کی نذر ہے وقف نہیں اور اگر زیادہ کرکے یوں کہا ہبہ نہ کیا جائے گا اور میراث جاری ہوگا تو مسکینوں پر وقف ہوجائے گا۔[1]

---

[1] وفی الفتاوی رجل قال ارضی هذه صدقة کان نذرا بالتصدق حتی لو تصدق بعینها او بقیمتها علی الفقراء جاز کذا فی الخلاصة ولو قال تصدقت بارضی هذه علی المساکین لاتکون وقفا بل نذرا یوجب التصدق بعینها او بقیمتها فان فعل خرج عن عهدة النذر والاورثت عنه کذا فی فتح القدیر ولایجبره القاضی علی الصدقة لان هذه بمنزلة النذر کذافی فتاویٰ قاضیخان ولو قال ارضی هذه صدقة علی وجوه الخیر والبر لم یکن ذلک وقفا بل نذرا کذا فی الظهیریة رجل قال جعلت غلة داری هذه للمساکین یکون نذرا بالتصدق بالغلة (بقیہ اگلے صفحہ پر)

لفظ وقف کی تصریح کے لیے بغیر قرائن سے وقف صحیح ہو جائیگا

کسی نے اس طرح وقف کیا کہ میری فلاں جائداد کے محاصل ایک موقوفہ جائداد کی اعانت وحفاظت میں صرف ہوں، اور فلاں شخص کا قبضہ بطور تولیت ہوگا نہ کہ بطور ملک اور جس محل پر صرف کرنا ضروری قرار دیا ہے، اس میں تابید موجود ہے اور وقف کے اثار ومفاد اس میں موجود ہیں صرف لفظ وقف اسمیں ذکر نہیں کیا تو وقف صحیح ہو جائے گا محض وقف کی تصریح ضروری نہیں ہے [1]

وقف کا سبب

وقف کا سبب اللہ تعالیٰ کی رضا اور تقرب کی خواہش کا ہونا اور دنیا میں رشتہ داروں اور دوست واحباب اور مساکین کے ساتھ احسان کرنا [2]

وقف کا محل

مال موقوفہ کا مال متقوم یعنی قیمتی ہونا وقف کا محل ہے لہذا ایسی چیز کا وقف صحیح نہیں ہوگا جس کی کوئی قیمت نہ ہو یا وہاں کے عرف میں وہ چیز غیر متقوم ہو تو وقف درست نہیں ہوگا [3]

(بقیہ صفحہ) كذا فی فتاویٰ قاضیخان واذاقال جعلت هذه الدار للمساكين فهو نذر بالتصدق بالدار على المساكين عرفا كذا فی الفتاویٰ الصغریٰ ولو قال صدقة لاتباع يكون نذرا بالصدقة لاوقفا ولو زاد ولا توهب ولا تورث صارت وقفا على المساكين هكذا فی البحر الرائق (عالمگیری صـ ٣٦٠ جـ ٢)

ع[1] مستفاد كفايت المفتی صـ ٢٣٠ جـ ١)

ع[2] وسببه ارادة محبوب النفس فی الدنيا ببر الاحباب وفی الاخرة بالتقرب الى رب الارباب جل وعز (بحر الرائق صـ ٣١٣ جـ ٥)

ع[3] ومحله المال المتقوم بحر الرائق (صـ ٣١٣ جـ ٥)

وقف کا حکم

صاحبین کے نزدیک وقف کا حکم یہ ہے کہ وقف کا مال عین اپنے وقف کرنے والے کی ملک سے خارج ہوکر اللہ تعالیٰ کی ملک حقیقی میں داخل ہوجاتا ہے۔[۱]

وقف کی قسمیں اور ان کے احکام

وقف کی دوصورتیں ہیں (۱) اول یہ ہے کہ واقف اپنے مال کو خالص اللہ کیلئے وقف کردے اور اس کے بعد اس سے خود کوئی فائدہ نہ اٹھائے (۲) دوسری صورت یہ ہے کہ واقف شرط لگادے کہ میں اپنی زندگی میں اس سے فائدہ اٹھاؤنگا۔

اور میرے مرنے کے بعد عام مسلمانوں کی رفاہ عام کیلئے ہوگا، یا میرے مرنے کے بعد میری اولاد اس کے کچھ حصہ سے فائدہ اٹھائے گی باقی رفاہ عام کے لئے ہوگا تو دونوں صورتوں کا حکم وہی ہے جو وقف کے حکم میں گذرا یعنی وقف کا مال عین اپنے وقف کرنے والے کی ملک سے نکل کر اللہ کی ملک میں داخل ہوجاتا ہے، مال موقوف پر واقف کا کوئی حق نہیں رہتا، نہ اس کو بیچ سکتا ہے، نہ ھبہ کرسکتا ہے، نہ رہن رکھ سکتا ہے اور نہ اس میں وراثت جاری ہوسکتی ہے۔

---

[۱] واذا صح خرج عن ملک الواقف ولم یدخل فی ملک الموقوف علیه لانه لو دخل فی ملک الموقوف علیه لا یتوقف علیه بل ینفذ بیعه کسائر املاکه (هدایه) یعنی ان الوقف عندهما حبس العین علی ملک الله تعالیٰ وبزوال ملک الواقف عنه الی الله تعالیٰ فلما زال ملک الواقف عندهما یجب ان یکون قوله خرج علی ملک الواقف (البنایه فی شرح الهدایه صـ ۹۰۰ جـ۶)

البتہ اگر اپنے یا اپنی اولاد کے لئے جس قدر اور جس عرصہ تک فائدہ اٹھانے کی قید لگا دی ہے تو اس کے بقدر وہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں[1]

وقف کی شرائط

(۱) وقف کی پہلی شرط عقل ہے: یعنی واقف عقلمند ہو اور یہ سمجھتا ہو کہ وقف سے مال ملکیت سے نکل جاتا ہے اور اس پر دیگر احکامات لاگو ہوتے ہیں لہذا مجنون دیوانہ کا وقف صحیح نہیں ہوگا۔

(۲) دوسری شرط واقف کا بالغ ہونا ہے وقف کنندہ اگر نابالغ ہے تو وقف درست نہیں یعنی واقف نے زمانہ طفولیت میں کسی جائداد کو وقف کیا تو فقیہ ابو بکرؒ کے نزدیک اس کا وقف کرنا باطل ہوگا، الا یہ کہ قاضی نے اجازت دیدی ہو اور فقیہ ابو القاسم نے فرمایا کہ اس کا وقف ہر طرح باطل سمجھا جائے گا، خواہ قاضی نے اجازت دی ہو یا نہ دی ہو۔

(۳) تیسری شرط واقف کا آزاد ہونا ہے: یعنی وقف کنندہ آزاد ہو لہذا غلام کا وقف کرنا درست نہیں کیونکہ آقا کی اجازت کے بغیر تصرف نہیں کرسکتا، ہاں اگر آقا نے اجازت دیدی تو وقف درست ہو جائے گا نیز وقف میں مسلم ہونا شرط نہیں ہے، لہٰذا ذمی آدمی نے اپنی اولاد پر وقف کیا اور آخری مصرف مساکین کو قرار دیا تو درست ہے۔

---

[1] کتاب الوقف: والاصح انہ جائز عندہ الاانہ غیر لازم بمنزلة العاریة وعندھما حبس العین علی حکم اللہ تعالیٰ فیزول ملک الواقف عنہ الی اللہ عالیٰ علیٰ وجہ تعود منفعتہ الی العباد فیلزم ولایباع ولایوھب ولایورث واللفظ ینتظمھا (ھدایہ) حاصل ھذا ان تقدیر الوقف عندھما ان یقول ازالة العین عن ملکی الی اللہ عزوجل وجعلتہ محبوسا فی ملکہ ومنفعتہ للعباد واذا کا ن تقدیر ھذاعندھما اصح ولولم یکن یوصی بہ فیلزم ویباع ولایورث (البنایة فی شرح الھدایہ صـ ۱۸۹ جـ ۶)

(۴) چوتھی شرط موقوف کا باعث تقرب ہونا ہے: یعنی جس کام کیلئے وقف کیا جائے اس کا فی نفسہ اور واقف کے اعتقاد میں بھی کارثواب ہونا نیز وقت تصرف بھی باعث قربت ہو۔

لہذا اگر مسلمان یا ذمی نے بیعہ، کنیسہ پر یا حربی فقیروں پر وقف کیا تو وقف صحیح نہیں ہوگا، اسی طرح ذمی نے اپنا گھر کسی بیعہ یا کنیسہ یا آتش خانہ پر وقف کیا یا ان بیعوں کی درستگی یا اس کے چراغ کے تیل کے واسطے وقف کیا تو یہ ساری وقف کی صورتیں باطل ہیں کیونکہ یہ چیزیں فی ذاتہ قربت نہیں ہے اگر چہ ذمی کے اعتقاد میں قربت ہو [۱]

(۵) پانچویں شرط بوقت وقف شئی موقوفہ واقف کی ملکیت میں ہو،

ع[۱] واما شرائطه فمنها العقل والبلوغ فلايصح الوقف من الصبى والمجنون كذا فى البدائع صبى محجورعليه وقف ارضا له فقال الفقيه ابوبكر وقفه باطل الاباذن القاضى وقال الفقيه ابو القاسم وقفه باطل وان اذن له القاضى لانه تبرع كذا فى المحيط ومنها الحرية واماالاسلام فليس بشرط فلو وقف الذمى على ولده ونسله وجعل آخره للمساكين جاز ويجوز ان يعطى المساكين المسلمين واهل الذمة وان خص فى وقفه مساكين اهل الذمة جاز (ومنها) ان يكون قربة فى ذاته وعند التصرف فلايصح وقف المسلم او الذمى على البيعة والكنيسة او على فقراء اهل الحرب كذا فى النهر الفائق ولووقف الذمى داره على بيعة او كنيسة اوبيت نار فهو باطل كذا فى المحيط وكذا على اصلاحها ودهن سراجها ولوقال يسرج به بيت المقدس او يجعل فى ذمة بيت المقدس جاز وان قال يشترى به عبيد فيعتق فى كل سنة جاز على ما شرط كذا فى الحاوى (عالمگیری صـ۳۵۲،۳۵۳جـ۲)

وقف کنندہ مالک نہیں تو وقف صحیح نہیں لہذا کسی نے کوئی زمین غصب کر کے وقف کردی اگر وقف شدہ شئ کا پھر اس کے مالک سے خرید کر اس کو اس کی قیمت دیدی یا جو کچھ دیا اس پر مالک سے صلح کر لی تو وقف صحیح نہیں ہوگا اور اگر مالک نے خود ہی اس غاصب کو ہبہ، عطیہ، وغیرہ کردیا، یا اجازت دیدی تو وقف درست ہو جائے گا ۔[1]

خیار شرط والی بیع میں مشتری نے مبیع کو وقف کیا

اگر کسی نے کوئی زمین اس شرط کے ساتھ خرید کر وقف کیا کہ اس بیع میں بائع کو خیار شرط ہے پھر بائع نے اس بیع کو پورا کر دیا اور اجازت دیدی تو وقف صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ بوقت وقف ملکیت نہیں پائی گئی اس کے برخلاف مشتری نے بیع میں اپنے لئے خیار شرط کے ساتھ بیع کر کے بیع کو وقف کیا اور پھر اپنا خیار ساقط کر دیا تو وقف صحیح ہو جائے گا کیونکہ مشتری کا وقف کرنا ہی بیع کو تام کر دیا اور وقف کے وقت ملکیت پائی گئی ۔[2]

ہبہ کی ہوئی چیز کو موہوب لہ نے وقف کیا

اگر کسی نے دوسرے کو اپنی اراضی ہبہ کی اور جس کو ہبہ کی ہے اس نے قبضہ

ع[1] (ومنها) الملک وقت الوقف حتی لو غصب ارضا فوقفها ثم اشتراها من مالكها ودفع الثمن اليه او صالح علی مال دفعه اليه لاتكون وقفا كذا فی البحر الرائق رجل وقف ارضا لرجل اخر فی بر سماه ثم ملک الارض لم يجز وان أجاز المالک جاز عند نا كذافی فتاوىٰ قاضیخاں (عالمگیری صـ ۳۵۳ جـ ۲)

ع[2] لو اشتری علی ان البائع بالخيار فيهافوقفها ثم اجاز البائع البيع لم يجز الوقف كذا فی البحر الرائق ولو اشتری ارضا علی انه بالخيار ثم اسقط الخيار صح (عالمگیری صـ ۳۵۴ جـ ۲)

کرنے سے قبل اس کو وقف کیا پھر اس پر قبضہ کیا تو وقف صحیح نہیں ہوا کیونکہ قبضہ سے قبل ھبہ مکمل نہیں ہوتا۔ اور اگر کسی کو ہبہ فاسد کے طور پر اپنی اراضی ھبہ کی پھر موھوب لہ نے قبضہ کر کے وقف کر دیا تو وقف صحیح ہو جائے گا کیونکہ ہبہ فاسد بھی قبضہ کے بعد صحیح اور مکمل ہو جاتا ہے۔[1]

مال وقف میں استحقاق ثابت ہوا

کسی نے اپنی کوئی چیز وقف کیا یا کسی سے خرید کر وقف کیا اس کے بعد شفیع نے آکر اپنا شفعہ طلب کیا یا کسی سے خرید کر وقف کیا پھر وقف کے بعد مال وقف میں کسی نے اپنا استحقاق ثابت کر دیا تو وقف باطل ہو جائیگا کیونکہ ملکیت مفقود ہوگئی۔

البتہ نصف یا کچھ حصہ میں استحقاق ثابت ہوا تو مابقیہ مال میں وقف ہوگا اور جتنے حصہ میں استحقاق پایا گیا ہے اتنے ہی حصہ کا وقف باطل ہو جائیگا۔[2]

وقف کے بعد شفیع نے اپنا شفعہ طلب کیا

کسی نے کوئی چیز خرید کر وقف کیا اس کے بعد شفیع نے آکر اپنا شفعہ طلب کیا تو وقف باطل ہو جائے گا۔[3]

ع[1] ولو وقف الموهوب له الارض قبل قبضها لايصح الوقف كذا فى فتح القدير ولووهبت له ارض هبة فاسدة فقبضها ثم وقفها صح وعليه قيمتها كذافى البحر الرائق (عالمگیری صـ ۳۵۴ جـ ۲)

ع[2] ولواستحق الوقف بطل (عالمگیر صـ ۳۵۴ جـ ۲) فان استحق نصفها مشاعااو معلوما فاخذالمستحق مااستحق منها قال فما بقى منها فهووقف ولايبطل على مذهب ابى يوسف (احكام الاوقاف صـ ۳۲)

ع[3] ولوجاء شفيعهابعد وقف المشترى بطل كذا فى النهر الفائق (عالمگیر صـ ۳۵۴ جـ ۲)

وارث کے وقف کرنے کے بعد مورث پر قرض ثابت ہوا

ایک شخص کے انتقال کے بعد اس کے لڑکے نے میراث میں پائی جانے والی زمین کو وقف کردیا بعد میں معلوم ہوا کہ ان کے والد پر اس زمین کے سلسلے میں ایسا قرض تھا جو پوری زمین کی قیمت کو محیط ہے تو بعض فقہاء نے فرمایا کہ وقف باطل ہو جائے گا، مگر علامہ ابوبکر خصاف فرماتے ہیں کہ علی الاطلاق وقف باطل نہیں ہوگا بلکہ دیکھا جائے گا کہ قرض کی مقدار زمین کی قیمت سے کم ہے تو واقف اس کا ضامن ہوگا اور وقف نافذ ہوگا اور اگر لڑکے تنگ دست ہیں تو قرض کے بقدر زمین کا وقف باطل ہو جائے گا اور مابقیہ کا وقف درست قرار پائے گا۔[1]

شیٔ مرہونہ کا وقف

کسی شخص نے کسی کو اپنی زمین یا مکان رھن رکھدیا اور اس زمین و مکان کو مرتہن کے حوالے بھی کردیا پھر اس کے بعد راھن نے اس شیٔ مرھونہ کو وقف کردیا تو اس

---

[1] (مطلب وقف الوارث فظهر علی ابیه دین) قلت فرجل مات وترک ارضا وابنا لیس له وارث غیره فوقفها ابنه وقفا صحیحا ثم ان رجلا اقام بینة ان له علی والد هذا الواقف مالا یستغرق قیمة الارض قال یبطل الوقف فی ذلک وتباع الارض فی دین المیت قلت فان کان الدین اقل من قیمة الارض قال یضمن الواقف مقدار الدین الذی ثبت علی والده ینفذ الوقف قلت فان کان الابن معسرا لیس له مال (احکام الاوقاف) قال الصحیح محمد عبدالسلام شاهین علی هامشه لم یذکر فی الاصول التی بایدینا جواب هذه مسألة ولکن بمراجعته کتب الاحکام وجدنا انه یبطل الوقف من الارض بمقدار الدین والباقی وقف کما یظهر من جواب المسألة التی قبلها فتنبه (حاشیه علی احکام الاوقاف صـ۳۳)

کا حکم یہ ہے کہ اگر راہن، مرتہن کا قرضہ ادا کر کے زمین یا مکان چھڑا لیتا ہے تو وقف درست ہو جائے گا اور اگر اس زمین یا مکان کو نہیں چھڑا تا ہے تو وقف باطل ہو جائیگا، اور شئی مرھونہ کو اس قرض کے بدلے قاضی فروخت کر دیگا۔[1]

وقف کی چھٹی شرط واقف بسبب سفاہت یا قرض مجور نہ ہو

وقف کیلئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ وقف کرنے والا بیوقوفی اور اپنی نادانی کی وجہ سے اس طرح قرضدار ہونے کی وجہ سے اس کو اپنے مال میں ممنوع التصرف قرار نہ دیا گیا ہو لہٰذا ممنوع التصرف کے باوجود بھی اس نے اپنا مال وقف کیا تو وقف صحیح نہیں ہوگا۔[2]

وقف کی ساتویں شرط مال وقف کا معلوم ہونا ہے

وقف کی ایک شرط یہ ہے کہ اس موقوف چیز میں جہالت نہ ہو یعنی بوقت وقف وہ چیز مجہول نہ رکھی گئی ہو لہٰذا کسی نے زمین وقف کیا مگر بیان نہیں کیا کہ وہ کہاں کی زمین ہے اور کون سی زمین ہے پوری نوعیت جب تک واضح نہ ہو تو وقف باطل ہوگا۔[3]

ع۱ (مطلب وقف المرهون) ولو ان رجلا رهن رجلا ارضا او دارا وسلمها الى المرتهن ثم ان الراهن وقفها وقفا صحيحا قال ان ادى الدين وافتكها جاز الوقف وان لم يفتكها باعها القاضى فى الدين وابطل الوقف الذى كان من الراهن فيها ؤالله اعلم (احكام الاوقاف ص۔۳۴)

ع۲ السابع عدم الحجر على الوقف لسفه اودين كذا اطلقه الخصاف وينبغى انه اذاوقفها فى الحجر للسفه على نفسه ثم لجهة لا تنقطع ان يصح على قول ابى يوسف وهو الصحيح عند المحققين وعندالكل اذا حكم به حاكم كذا فى فتح القدير وهو مدفوع بان الوقف تبرع وهو ليس من اهله (بحر الرائق ص۔ ۳۱۵ ج۔۵)

ع۳ السادس عدم الجهالة فلووقف من ارضه شيئا ولم يسمه كان باطلا لان الشىء يتناول القليل والكثير ولوبين بعد ذلك ربما يبين شيئا قليلا لايوقف عادة (بحر الرائق ص۔۳۱۵ ج۔۵)

مشترک گھر کے حصہ کو وقف کیا اور اپنا سہام بیان نہیں کیا

کسی شخص کا گھر کئی شریکوں میں مشترک ہے واقف نے اپنا حصہ بیان کئے بغیر اپنے تمام حصہ کو وقف کر دیا تو استحسانا وقف درست ہے۔[1]

وقف کی آٹھویں شرط منجز یعنی معلق نہ ہو

وقف کی ایک شرط یہ ہے کہ منجز یعنی فی الفور ہو، کسی امر پر معلق نہ ہو، لہٰذا اگر کسی نے کہا کہ میرا بیٹا آ گیا تو میرا یہ گھر مسکینوں کے واسطے صدقہ موقوفہ ہے پھر اس کا بیٹا آ گیا تو وقف نہ ہوگا، اسی طرح کسی نے کہا کہ اگر کل سے روزہ ہوئے تو میری یہ زمین صدقہ موقوفہ ہے تو یہ بھی باطل ہے۔

اسی طرح کسی نے یہ کہا کہ اگر تو چاہے تو میری یہ زمین صدقہ موقوفہ ہے تو وقف باطل ہے اسی طرح کہا کہ میں نے اگر چاہا تو یہ زمین وقف ہے اور بعد میں خود اس نے چاہ لیا تو بھی وقف باطل ہے کیونکہ وقت وقف فی الفور نہ پایا گیا۔ ہاں اگر متصلاً ہو مثلاً یوں کہا کہ یہ زمین وقف ہے اگر میں نے چاہا اور پھر اسی وقت متصلاً کہہ دیا کہ میں نے اس کو صدقہ موقوفہ قرار دیدیا تو وقف درست ہو جائیگا۔[2]

ع[1] فلو وقف جميع حصته من هذه الدار والارض ولم يسم السهام جاز استحسانا كذافي الاسعاف (بحر الرائق ص۲۱۵ ج۵)

ع[2] (ومنها) ان يكون منجزا غير معلق فلو قال ان قدم ولدى فدارى صدقة موقوفة على المساكين فجاء ولده لاتصير وقفا كذا فی فتح القدير ذكر الخصاف في وقفه ان كان غد فارضی هذه صدقة موقوفة فهو باطل كذا فی المحيط ولو قال ارضی هذه صدقة موقوفة ان شئت اوهويت اورضيت كان الوقف باطلا كذا فی محيط السرخسی ولو قال ان شئت ثم قال شئت كان باطلا اما لو قال شئت وجعلتها صدقة موقوفة صح بهذا الكلام المتصل كذافي فتح القدير (عالمگیری ص۳۵۵ ج۲)

وقف کی نویں شرط یہ ہے کہ وقف کے ساتھ خیار شرط نہ ہو

یعنی واقف نے وقف کرتے ہوئے اپنے لئے خیار شرط نہ لگائی ہو اگر یوں کہا کہ میری یہ چیز وقف ہے مگر کچھ دنوں کیلئے سوچنے کا موقعہ ہونا چاہئے تو وقف درست نہیں ہوگا ، یہ امام محمد کا مسلک ہے مگر امام ابو یوسف کے نزدیک واقف کیلئے تین روز کا خیار جائز ہے اور اگر مسجد کیلئے شرط لگائی تو مسجد قرار پا جائیگی اور خیار شرط باطل ہو جائے گا۔[۱]

وقف کی دسویں شرط یہ ہے کہ وقف دائمی ہو

وقف ہمیشہ کیلئے ہونا شرط ہے اگر کسی نے وقت معلوم تک کیلئے وقف کیا ، یا بوقت وقف وقت متعینہ کی قید لگا دی تو وقف باطل ہو جائیگا البتہ امام ابو یوسف کے نزدیک بوقت وقف دائمی کی قید لگانا ضروری نہیں یہی صحیح ہے۔

لہذا اگر کسی نے اپنا مکان ایک روز یا ایک مہینہ یا کسی وقت معلوم تک کیلئے وقف کیا اور اس سے زیادہ کچھ نہ کہا تو وقف جائز ہے اور یہ وقف ہمیشہ کیلئے درست ہوگا۔

اور اگر یوں کہا کہ میری یہ زمین ایک مہینہ کیلئے وقف ہے تو جب مہینہ گزر جائے

---

[۱] التاسع ان لایلحق به خیار شرط فلو وقف علی انه بالخیار لم یصح عند محمد معلوما کان الوقت أو مجهولا واختاره هلال وقال ابویوسف ان کان الوقت معلوما جاز الوقف والشرط کالبیع والابطل الوقف وصححه السمتی مطلقا وابطل الشرط وظاهر ما فی الخانیة انه لو جعل داره مسجدا علی انه بالخیار صح الوقف وبطل الشرط بلاخلاف وقال الفقیه أبو جعفر ینبغی علی قول ابی یوسف فیما اذا کان الوقت مجهولا ان یصح الوقف ویبطل الشرط (بحر الرائق ص ۳۱۵ ج ۵)

وقف باطل ہو جائے گا۔

اور اگر یوں کہا کہ یہ زمین میرے مرنے کے بعد ایک سال تک صدقہ موقوفہ ہے اور اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا تو یہ وقف ہمیشہ کیلئے فقیروں پر جائز ہے اس لئے کہ اس میں وصیت کے معنی موجود ہیں۔

اور اگر کسی نے کہا کہ میری یہ زمین میرے مرنے کے بعد زید پر ایک سال تک وقف ہے پھر جب سال گزر جائے گا تو وقف باطل ہو جائے گا البتہ یہ زمین سال بھر تک زید کے واسطے وصیت رہے گی۔

اس کے بعد وہ مساکین کے واسطے وصیت ہو جائیگی پس اس کا غلہ اور آمدنی مساکین کو تقسیم ہوگی۔

اور اگر یوں کہا کہ میری یہ زمین میری موت کے بعد زید پر سال بھر وقف کی گئی ہے اور اس سے زیادہ کچھ نہ کہا تو زید کیلئے سال بھر تک اس کی آمدنی ہوگی بعدہ یہ اراضی وغلہ وارثوں کیلئے ہوگا۔[1]

---

[1] ومنها التابيد وهو شرط على قول الكل ولكن ذكره ليس بشرط عند ابى يوسف رحمة الله تعالىٰ وهو الصحيح هكذا فى الكافى رجل وقف داره يوما او شهرا اووقتامعلوما ولم يزد على ذلک جازالوقف ويكون الوقف مؤبداولوقال ارضى هذه صدقة موقوفة شهرا فاذا مضى شهر فالوقف باطل كان الوقف باطلا فى الحال فى قول هلال لان الوقف لايجوز الامؤبدا فاذاكان التابيد شرطا لايجوز مؤقتا كذا فى فتاوىٰ قاضيخان ان قال ارضى هذه صدقة موقوفة بعد موتى سنة ولم يزد عليه جاز الوقف مؤبدا على الفقراء لان فيه معنى الوصية كذافى محيط السرخسى ولوقال ارضى هذه صدقة موقوفة على فلان سنة بعد موتى (بقیہ اگلے صفحہ پر)

وقف کی گیارہویں شرط وقف کے حاصلات ایسی جہت کے واسطے ہو جو منقطع نہ ہوں

وقف کی ایک شرط یہ ہے کہ وقف کی آمدنی وغلہ ودیگر حاصلات اوراجرت جو کچھ بھی ہوایسی جہت کے لئے ہو جو کبھی منقطع نہ ہو یہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک مشروط ہے اگر ذکر نہیں کیا تو وقف صحیح نہیں ہوگا اور امام ابویوسف کے نزدیک ان جہتوں کا تذکرہ شرط نہیں ہے لہذا ایسی جہت بیان کی جو منقطع ہو جاتی ہو تو بھی وقف صحیح ہے اور اس جہت کے منقطع ہونے کے بعد فقیروں کیلئے ہو جائے گی کیونکہ وقف کرنیوالے کی نیت ہی یہ ہوتی ہے کہ وہ فقیروں کیلئے ہو پس اس شرط کا بیان از روئے دلالت ثابت ہے[۱]

(بقیہ صفحہ گذشتہ)فاذا مضت السنة فالوقف باطل کان وصية لفلان بعد موته سنة ثم يصير وصية للمساکين فتصرف غلتها الى المساکين ولوقال ارضی موقوفة علی فلان سنة بعد موتی ولم يزد علی ذلک فان الغلة تکون لفلان سنة ثم بعد السنة تکون للورثة کذا فی فتاوی قاضيخان (عالمگيری صـ۳۵۶جـ۲)

عـ[۱] (ومنها) ان يجعل الاجرة لجهة لاتنقطع ابدا عند ابی حنيفة ومحمد رحمة الله تعالیٰ وان لم يذکر ذلک لم يصح عندهما وعند ابی يوسف رحمة الله تعالیٰ ذکر هذا ليس بشرط بل يصح وان سمی جهة تنقطع ويکون بعدها للفقراء وان لم يسمهم لان قصدالواقف ان يکون اجره للفقراء وان لم يسمهم فکانت تسمية هذا الشرط ثابتة دلالة کذا فی البدائع (عالمگيری صـ۳۵۷جـ۲)

وقف کی بارھویں شرط وقف کا مال غیر منقول ہو اور منقول جس کا رواج ہو

وقف اشیاء غیر منقولہ میں تمام چیزوں کا وقف درست ہے نیز اشیاء منقولہ جو غیر منقولہ کے تابع ہے یعنی جو زمین کے ساتھ ملی ہے وہ بھی بالاتفاق درست ہے، اور اشیا منقولہ جو غیر تابع ہے ان چیزوں کا وقف بھی صحیح ہے جن کے وقف کا رواج ہو جیسے مساجد، مدارس کیلئے مصاحف، کتابیں، لوٹا، گھڑی جائے نماز، اور بجلی کے پنکھے وغیرہ کا وقف درست ہے۔[۱]

---

[۱] وکما صح ایضا وقف کل منقول قصدا فیه تعامل للناس کفأس وقدوم بل ودراهم ودنانیر قلت بل وردالامر للقضاة بالحکم به کما فی معروضات المفتی ابی السعود ومکیل وموزون فیباع ویدفع ثمنه مضاربة او بضاعة وفی الدرر وقف مصحفا علی اهل مسجد للقراءة ان یحصون جلز وان وقف علی المسجد جاز ویقرأ فیه ولایکون محصورا علی هذالمسجد (درمختار علی هامش شامی ص ۵۵۶تا۵۵۸ج۶ زکریا) یجب ان یعلم ان وقف المنقول تبعا للعقار ...... واما وقفه مقصودا ان کان کراعا اوسلاحا یجوز وان کان سویٰ ذلک شیئالم یجز التعارف بوقفه کالثیاب والحیوان لایجوز عندناوان کان متعارفا کالفاس والقدوم والجنازة وثیاب الجنازة ومایحتاج الیه من الاوانی والقدور فی غسل الموتی والمصحف بقراءة القرآن قال ابویوسف رحمه الله تعالیٰ لایجوز وقال محمد رحمة الله تعالیٰ یجوز والیه ذهب عامة المشایخ منهم الامام شمس الائمة الحلوانی(الفتاوی التاتارخانیه وقف المنقول ص ۷۱۰ج۵)

وقف تام ہونے کے بعد قبضہ شرط ہے

وقف تام ہونے کیلئے موقوف علیہم کا قبضہ شرط ہے، لہذا واقف نے وقف کر دیا یا کاغذ پر لکھدیا کہ میری یہ جائداد مساکین وفقراء پر یا مساجد وغیرہ کیلئے وقف ہے مگر قبضہ کرانے سے قبل واقف وفات پا گیا اور اس پر اس کے وارثوں کا قبضہ باقی ہے، تو وقف صحیح نہیں ہوگا اور جائداد وارثوں میں تقسیم ہوگی۔[1]

کتاب وغیرہ پر صرف وقف لکھ دینے سے وقف صحیح نہیں ہوگا

اگر کسی نے کتاب یا کسی اپنی جائداد مکان وغیرہ پر صرف یہ لکھ دیا کہ یہ فلاں مدرسہ یا فلاں مسجد کیلئے وقف ہے اور یہ چیز موقوف لہ کو سپرد نہیں کیا اور نہ پہنچایا تو اس سے وقف پورا نہ ہوا مال اس کی ملکیت میں علی حالہ باقی رہا۔[2]

جب تک مدرسہ قائم رہے وقف باقی رہے گا مدرسہ ختم ہونے پر ورثہ کی طرف لوٹ جائے گا

کسی شخص نے اپنی زمین یا اپنا مکان وغیرہ اس شرط کے ساتھ وقف کیا کہ یہ میری جائداد ہے اور فلاں مدرسہ کو وقف ہے جب تک مدرسہ قائم ہے اس وقت تک زمین واپس کر لینے کا کسی کو حق نہ ہوگا نہ واقف کو اور نہ ورثاء واقف کو، اور اگر خدانخواستہ کسی وقت مدرسہ قائم نہ رہے اور ختم ہو جائے تو یہ موقوفہ زمین واقف یا ورثاء واقف کی طرف عود کر آئے گی تو اس کا حکم یہ ہے کہ شرعاً یہ وقف جائز نہیں ہوگا کیونکہ صورت وقف کے لئے تابید اور بقا شرط ہے اور صحت مذکور میں انقطاع لازم آرہا ہے لہذا وقف تام نہیں ہوگا۔[3]

ع۔۱ مستفاد احسن الفتاویٰ ص۔۴۲۳ ج۔۶)

ع۔۲ مستفاد فتاوی محمودیہ ص۔۲۵۲ ج۔۱۵)

ع۔۳ مستفاد فتاویٰ رحیمیہ ص۔۳۵۳ ج۔۳)

وقف میں نا ملائم شرط لگانے کی ایک صورت

زید نے اپنا مکان، مسجد کی تعمیر کی غرض سے اس شرط پر وقف کیا کہ اس مکان پر خالد اپنے روپئے سے مسجد کی تعمیر اس طرح کرے کہ اس کے دو مختلف حصوں پر دکانیں بھی بنائے جس میں سے ایک دکان کا کرایہ مسجد میں صرف ہو نیز یہ دکان میرے لڑکے کو کرایہ پر دی جائے اس سے علیحدہ کرنے کا کسی کو حق نہیں ہوگا اور دوسری دکان زید بلا کرایہ اپنے لئے مخصوص کرلے اگر یہ شرط نہ پائی جائیگی تو وقف کالعدم قرار دیا جائیگا۔

تو اس کا حکم یہ ہے کہ نا ملائم شرائط وقف کی صحت کے منافی ہے کہ اپنے لڑکے کیلئے ایک دکان اور ایک اپنے لئے مخصوص کرنا درست نہیں ہے نیز مکان کا ایک حصہ اپنے لئے خاص کرنا بھی صحیح نہیں ہے کہ وہ حصہ مشاع ہے لہذا ان وجوہات کی بنا پر وقف صحیح نہیں ہوگا۔[1]

کن چیزوں کا وقف صحیح ہے اور کن چیزوں کا نہیں

اوپر بارھویں شرط کے تحت آچکا ہے کہ غیر منقول تمام اشیاء کا وقف صحیح ہے اور منقول میں ان چیزوں کا جو غیر منقول کے تابع ہے یا اس کا رواج ہے یہاں کچھ مثالیں اور دی جاتی ہیں چنانچہ عقار یعنی زمین، مکان، اور دکان، کا وقف جائز ہے اسی طرح منقولات میں سے جو اس عقار کے تابع ہو ان کا وقف بھی درست ہے جیسے کسی زمین کے ساتھ کارکن غلام، بیل کھیتی کے آلات وقف کئے تو ان چیزوں کا وقف درست ہے۔[2]

ع[1] مستفاد کفایت المفتی ص۲۵۴ ج۷)

ع[2] (مطلب فی وقف المنقول قصدا) قوله کل منقول قصدا اما تبعا للعقار فهو جائز بلاخلاف عندهما کمامر لاخلاف فی صحة وقف السلاح والکراع ای الخیل للاثار المشهوره (شامی ص۵۵۵ ج۶ زکریا)

عمارت کو بغیر زمین کے وقف کرنا

اگر کسی نے بنی ہوئی عمارت کو وقف کیا مگر جس زمین پر عمارت بنی ہوئی ہے اس کو وقف نہیں کیا تو یہ وقف صحیح نہیں ہوگا۔[۱]

اور اگر زمین کا ٹکڑا وقف کیا ہوا ہے اور اسی پر عمارت بنائی ہوئی ہے اور عمارت کی اسی جہت کو وقف کیا جس پر زمین وقف ہے تو بلا اختلاف درست ہے اور اگر موقوفہ زمین کی جہت کے علاوہ عمارت کی دوسری جہت کو وقف کیا ہے تو اس میں ائمہ کا اختلاف ہے مگر صحیح یہ ہے کہ وقف درست نہیں ہے [۲]

لگائے ہوئے درخت کو وقف کرنا

اگر کسی نے درخت جما کر وقف کر دیا تو اس کی مختلف صورتیں ہیں اگر اس کو ایسی زمین میں لگایا جو وقف کی ہوئی نہیں ہے اور اس درخت کو مع اس کے موضع زمین کے وقف کیا بشرطیکہ یہ موضع زمین واقف کی ملک ہو، یا جتنی زمین پر درخت کا قیام ہے اسی کے بقدر زمین کو وقف کیا تو زمین کی تبعیت میں بحکم اتصال یہ درخت بھی وقف ہو جائے گا اور اگر فقط درخت کو بدون اصل زمین کے وقف کیا تو صحیح نہیں ہے۔

اور اگر درخت کو وقف کی ہوئی زمین میں لگایا ہے تو اسی جہت پر وقف کیا یا جس پر یہ زمین وقف ہے تو جائز ہے جیسے عمارت میں جائز ہوتا ہے،

ع[۱] وقف المنقول کالبناء، بدون ارض، والکتب والمصحف، منعہ ابویوسفؒ واجاز محمد (شامی صـ ۵۵۴ جـ ۶ زکریا)

ع[۲] البقعة الموقوفة علی جهة اذابنی رجل فیها بناء ووقفها علی تلک الجهة یجوز بلاخلاف تبعا لها فان وقفها علی جهة اخری اختلفوا فی جوازه والاصح انه لایجوز کذافی الغیاثیة (عالمگیری صـ ۳۶۲ جـ ۲ باب الثامن)

اور اگر اس جہت کے علاوہ دوسری جہت پر وقف کیا تو اس میں بھی ایسا ھی اختلاف ہے جیسا کہ عمارت میں مذکور ہے اصح یہ ہے کہ جائز نہیں ہے۔[۱]

مال کو رفاہ عام کیلئے وقف کرنا

اگر کسی نے مسجد کی اصلاح کے واسطے مال وقف کیا تو جائز ہے اور اگر پلوں کو بنانے اور راستوں کی درستگی اور قبر کے کھودنے یا مسلمان مردوں کے واسطے کفن خریدنے کیلئے مال، روپیہ، پیسہ، وقف کیا، تو مفتی بہ قول کے مطابق یہ وقف درست ہے [۲]

(نوٹ) وقف میں چونکہ عین موقوف کو باقی رکھ کر منافع سے فائدہ اٹھانا ہوتا ہے اس لئے روپیہ کے وقف میں شرط ہے کہ اصل روپیہ کو خرچ نہ کیا جائے بلکہ اس کے منافع کو خرچ کریں یا اس سے کوئی چیز خرید کر تجارت میں یا کرایہ پر لگا کر اس کے منافع کو مصارف وقف پر خرچ کیا جائے۔

شیٔ منقول بالمقصود کے وقف کی صورتیں

شیٔ منقول کی دو صورتیں ہیں (۱) اول یہ ہے کہ ان چیزوں کے وقف کرنے کا تعارف اور رواج نہیں تو اس کا وقف صحیح نہیں ہے جیسے کپڑے وحیوانات،

ع[۱] واذا غرس شجرة ووقفها بموضعها من الارض صح تبعا للارض بحکم الاتصال وان وقفها عی جهة اخری فعلی الاختلاف هکذا فی الظهیریة (عالمگیری صـ ۳۶۲ جـ ۲)

ع[۲] ذکر الناطفی اذاوقف مالا لاصلاح المساجد یجوز وان وقف لبناء القناطر اولاصلاح الطریق اولحفرالقبور واتخاذ السقایات والخانات للمسلمین اولشراء الاکفان لهم لایجوز وهو جائز فی الفتویٰ کذا فی فتاویٰ قاضیخاں (عالمگیری صـ ۳۶۳ جـ ۲ باب الثانی کتاب الوقف)

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ اس کا وقف متعارف ہو تو جائز ہے جیسے جنازہ کے دفن وغیرہ کیلئے آرہ، بسولہ، جنازہ کے کپڑے، میت کے غسل کے لئے دیگچہ اور مصاحف وغیرہ تو مفتی بہ قول کے مطابق اس کا وقف صحیح ہے۔[1]

اشیاء غیر منقولہ موقوفہ میں کون کون سی چیزیں شامل ہیں

اشیاء منقولہ میں سے جن چیزوں کا تعلق ناپائیدار ہے وہ بغیر صراحت کے وقف میں شامل نہ ہوگی اور اگر ان چیزوں کا تعلق پائیدار ہے اور وہ اشیاء موقوفہ با مقاصد وقف کیلئے معاون ہوں تو واقف کی صراحت کے بغیر بھی وقف میں شامل ہوں گی۔

مثالیں:۔(۱) اگر کسی نے اپنی صحت میں اپنی اراضی بعض وجوہ پر جن کو بیان کیا ہے وقف کی اور ان وجوہ کے بیان کے بعد فقراء پر وقف کیا تو اس وقت میں اس زمین پر جو عمارتیں اور درختیں وغیرہ ہوں گے سب وقف میں داخل ہو جائیں گے۔
(اگر درخت وعمارت وغیرہ کا استثنٰی کر لیا تھا تو شامل نہیں ہوں گی مگر واقف کو مجبور کیا جائیگا زمین سے درخت کاٹ کر زمین کو فارغ کردے۔
(۲) اور اگر کسی نے درخت وقف کیا تو اس درخت کا پھل جو اس وقت اس پر موجود ہے وہ داخل نہیں ہوتے۔ (البتہ واقف کو مجبور کیا جائے گا کہ درخت سے پھل نکال کر موقوفہ کو فارغ کردے)۔

---

[1] وقد حكى في المجتبى هذالخلاف في المنقول على خلاف هذا وعزاه الى السير فنقل قول محمد بجوازه مطلقا جرى التعاون به اولاوقول ابى يوسف بجوازه ان جرى فيه تعامل ومثل في الهداية مافيه تعليل بالفائس والمرو المنشار والجنازة وثيابها والقدور والمراجل والمصاحف (بحرالرائق ص۳۳۸ج۵)

(۳) اگر کسی نے کہا کہ میری یہ زمین فقیروں پر صدقہ موقوفہ ہے اور اس میں پانی اور راستہ کا ذکر نہیں کیا تو استحساناً اس میں پانی اور راستہ بھی داخل ہوگا اس لئے کہ زمین اس واسطے وقف کی جاتی ہے کہ اس سے پیداوار اور حاصلات ملے اور یہ بغیر پانی وراستہ کے نہیں ہوسکتا۔ [۱]

زمین کے وقف کرنے سے اس میں لگے ہوئے غلے شامل نہیں

اگر کسی نے اپنی کوئی زمین وقف کی اور اس میں کھیتی لگی ہے تو وہ زراعت زمین کے وقف میں داخل نہیں ہوگی خواہ اس زراعت کی قیمت ہو یا نہ ہو۔ [۲]

ع[۱] ومما یتصل بذلک ما یدخل من غیر ذکر ومالایدخل الابه) ذکر الخصاف فی وقفه اذاوقف الرجل ارضا فی صحته علی وجوه سماها ومن بعدها علی الفقراء فانه یدخل فی الوقف البناء والنخیل والاشجار کذافی المحیط وذکرالخصاف ان الثمرة لاتدخل فی وقف الاشجار وعلیه اکثر المشائخ وهوالصحیح کذافی الغیاثیة (عالمگیری صـ۳۶۳جـ۲)
فلوقال ارضی هذه صدقة موتوفة للله عزوجل اُبد لم یزد تصیر وقفا ویدخل فیه ما فیها من الشجر والبناء دون الزرع والثمرة کما فی البیع ویدخل فیه ایضا الشرب والطریق استحسانا لانها انما توقف للاستغلال وهو لایوجد الابالماء والطریق فکان کالاجارة(کتاب الاسعاف فی احکام الاوقاف صـ۱۹) ماخوذ مجموعه قوانین اسلامی صـ۱۳۲۰)
ع[۲] وقف ارضا وفیها زرع لا یدخل الزرع فی الوقف سواء کانت له قیمة ام لم تکن کذا فی المضمرات وقال الفقیه ابواللیث وبه ناخذ کذا فی الذخیرة (عالمگیری صـ۳۶۳،۳۶۴جـ۲)

وقف کے مصارف

موقوف علیہم یعنی جن لوگوں اور جن چیزوں پر وقف کیا جائے اس کا بیان ہے پہلے اجمال اور بعد میں الگ الگ عناوین کے ساتھ تفصیل پیش ہے۔

وقف تمام مسلمان اور کافر ذمی، مرد عورت، بالغ نابالغ، وارث وغیر وارث ،اقرباء وہمسایہ (پڑوسی)، غریب ومالدار، اپنے اھل وعیال، موجودہ اور آئندہ پیدا ہونے والے انسانوں گویا سب پر وقف درست ہے بشرطیکہ آخری مصرف دائمی کار ثواب (مثلاً فقراء، مساجد، مدارس، وغیرہ) کو قرار دیا گیا ہو۔اسی طرح جملہ امور خیر مثلاً مدارس مکاتب، مساجد، مقابر، خانقاہوں وغیرہ پر وقف درست ہے،اسی طرح واقف اپنے وقف سے پہلے خود منتفع ہوسکتا ہے۔

وقف کے مصارف میں مقدم کونسی چیز ہوگی

حاصلات اور وقف کی آمدنی کو اولا وقف کی تعمیر میں صرف کیا جائے گا خواہ وقف کرنے والے نے یہ شرط کی ہو یا نہ کی ہو پھر جو چیز اس عمارت سے قریب ہو اور مصلحت میں سب سے عام ہو جیسے مسجد کے واسطے اس کا امام اور مدرسہ کے واسطے اس کا مدرس پس ان کو بقدران کی کفایت کے دیا جائیگا پھر چراغ، مصلی ،فرش اور مسجد و مدرسہ کے دیگر مصارف و مصلحتوں کا لحاظ کیا جائے گا لیکن یہ ترتیب اس وقت ہے جبکہ وقف کا کوئی مصرف معین نہ ہو اور اگر وقف کو کسی چیز پر معین کیا گیا تو اولاً وقف کی تعمیر و اصلاح میں صرف کرنے کے بعد وہی مصرف متعین کی طرف صرف کیا جائے گا۔[۱]

ع[۱] الذی یبدأمن ارتفاع الوقف عمارته شرط الواقف ام لا ثم الی ماهو اقرب الی العمارة واعم للمصلحة کالامام للمسجد والمدرس للمدرسة یصرف الیهم بقدر کفایتهم ثم السراج والبسط (بقیہ اگلے صفحہ پر)

اپنی ذات پر وقف کرنا

اگر کسی نے کہا کہ میری یہ زمین میری ذات پر وقف ہے تو مختار قول کے مطابق یہ وقف جائز ہے یعنی اس وقف سے وہ اپنی ذات پر خرچ کرنے کے بعد فقراء ومساکین پر خرچ کرے۔ ۱؎

اشیاء موقوفہ کو اپنی ذات کے لئے یا زندگی بھر کیلئے شرط کرنا

اگر کسی نے اپنی زمین یا کوئی چیز وقف کی اور تمام اشیاء یا بعض اشیاء موقوفہ کو زندگی بھر کے لئے اپنے لئے شرط کر لی اور اس کے بعد فقیروں کے واسطے کر دی تو مفتی بہ قول کے مطابق یہ وقف درست ہے اور اپنی ذات کے واسطے شرط کرنے کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں۔

مثلاً (۱) وقف کو اپنے لئے شرط کرتے ہوئے یوں کہا کہ میرا قرضہ وقف کی آمدنی میں سے ادا کیا جائے۔

(۲) یا یوں کہا کہ جب میں مرجاؤں اور مجھ پر قرضہ ہو تو پہلے اس وقف کی آمدنی سے میرے قرض کو ادا کیا جائے پھر جو باقی رہے وہ وقف کی راہ پر صرف ہو تو یہ سب جائز ہے، اسی طرح کہا کہ فلاں خیر کے کام میں اور فلاں کار خیر میں (چند امور کا نام لیا) خرچ کیا جائے، یا یوں کہا کہ اس صدقہ کی آمدنی سے ہر سال اتنے روپے نکال کر

(گذشتہ صفحہ کا بقیہ) كذالك الى اخر المصالح هذااذالم يكن معينا فان كان الوقف معينا على شيء يصرف اليه بعد امارة البناء كذافى الحاوى القدسى (عالمگیری صـ۳۶۸جـ۲)

ع۱؎ رجل قال ارضى صدقة موقوفة على نفسى يجوز هذالوقف على المختار كذا فى خزانة المفتين (عالمگیری صـ۳۷۱جـ۲)

ان امور مذکورہ میں صرف کیا جائے اور باقی اسی راہ میں جس پر وقف کیا ہے صرف کیا جائے تو یہ تمام طریقے درست ہیں ان کے کہنے کے مطابق ان کی زندگی میں خرچ کئے جائیں گے اور ان کے مرنیکے بعد انہیں راہ میں وقف ہوگا جس میں وقف کیا ہے۔[1]

اپنی اولاد پر وقف کرنا

اگر کسی نے اپنی زمین اپنے فرزند اور اس کے بعد مسکینوں پر وقف کی تو صحیح ہے وقف میں اس کا وہی فرزند داخل ہوگا جو آمدنی پائے جانے کے روز موجود ہو خواہ وہ وقف کے روز موجود تھا یا اس کے بعد پیدا ہوا ہو۔

اگر کسی نے کہا کہ میری یہ زمین صدقہ موقوفہ ہے میرے اس فرزند پر جو پیدا ہو حالانکہ اس وقت اس کا کوئی فرزند موجود نہیں ہے تو یہ وقف صحیح ہے اس زمین کی جو پیداوار ہو گی اس کو فقیروں میں تقسیم کردی جائے گی پھر اس تقسیم کے بعد اس لڑکے کیلئے

ع[1] فی الذخیرة اذاوقف ارضا اوشیئا اخر وشرط الکل لنفسه اوشرط البعض لنفسه مادام حیا وبعده للفقراء قال ابویوسفؒ الوقف صحیح ومشائخ بلخ رحمهم الله تعالیٰ اخذوا بقول ابی یوسفؒ وعلیه الفتویٰ ترغیبا للناس فی الوقف هکذا فی الصغری والنصاب کذافی المضمرات ومن صورالاشتراط لنفسه مالوقال علی ان یقضی دینه من غلته و کذا اذا قال اذاحدث علی الموت وعلی دین یبدأ من غلة هذا الوقف بقضاء ما علی فما فضل فعلی سبیله کل ذلک جائز و کذا اذاقال اذاحدث علی فلان الموت یعنی الواقف نفسه اخرج من غلة هذاالواقف فی کل سنة من عشرة اسهم مثل اسهم تجعل فی الحج عنه اوفی کفارات ایمانه وفی کذاوکذا وسمی اشیاء اوقال اخرج من هذه الصدقة فی کل سنة کذا وکذا درهما لیصرف فی هذه الوجوه ویصرف الباقی فی کذاوکذا علی سبیله کذافی فتح القدیر (عالمگیری ص۳۹۸ج۲)

رکھدی جائیگی جو مادر رحم میں ہے اور اگر اس کا کوئی لڑکا پیدا نہیں ہوا، یا پیدا ہوا مگر باقی نہ رہا تو اس زمین کی حاصلات فقیروں پر تقسیم کردی جائیں گی۔ اور اگر کہا کہ میں نے اپنی اولاد پر وقف کیا تو اس میں مذکر، مونث، خنثیٰ، سب داخل ہوں گے۔

اور اگر صرف لڑکا بولا تو لڑکی اور خنثیٰ داخل نہیں ہوں گے اور اس کے برعکس صرف لڑکی کہا تو لڑکے اور خنثیٰ داخل نہیں ہوں گے، اور جب لڑکی اور لڑکے دونوں بولا تو خنثیٰ داخل ہوجائے گا۔[۱]

ع[۱] اذاوقف الرجل ارضه علی ولده ومن بعده علی المساکین وقفا صحیحا فانما یدخل تحت الوقف الولد الموجود یوم وجود الغلة سواء کان موجودا یوم الوقف اووجد بعد ذلک هذاقول هلال رحمه اللّٰه تعالی علیه وبه اخذ مشائخ بلخ کذا فی المحیط وهوالمختار کذافی الغیاثیة وکذا لوقال علی ولدی وعلی من یحدث لی من الولد فاذا انقرضوا فعلی المساکین هکذا فی المحیط ولوقال ارضی هذه صدقة موقوفة علی من یحدث لی من الولد ولیس له ولد یصح هذاالوقف فاذا ادرکت الغلة تقسم علی الفقراء فان حدث له ولد بعدالقسمة تصرف الغلة التی توجد بعد ذلک الی هذاالولد مایبقی هذاالولد فان لم یبق له ولد صرفت الغلة الی الفقراء کذافی فتاویٰ قاضیخاں ولوقال وقفت علی اولادی دخل فیه الذکر والانثی والخنثی ولووقف علی البنین لم یدخل فیه الخنثی وان وقف علی البنات لم یدخل ایضا لانا لانعلم ماهو وان وقف علی البنین والبنات دخل الخنثی کذا فی السراج الوهاج (عالمگیری صـ ۳۷۱ جـ ۲)

نسل میں دختر بھی شامل ہے

کسی نے اپنی جائداد نسل در نسل وقف کر دی تو اس وقف میں دختر اور دختر کی اولاد بھی شامل ہوگی۔[1]

قرابت کی شناخت کے بیان میں

قرابت ایسے شخص پر ثابت ہوگی جو اسلام میں اس کے نسب اعلی انتہائی باپ کی وجہ سے اس کی طرف نسب سے منسوب ہو، خواہ پدر اعلی از جانب اس کے باپ کے ہو یا از جانب اس کی ماں کے ہو اور اس میں محرم و غیر محرم قریب و بعید صغیر و کبیر مذکر و مؤنث فقیر و توانگر سب یکساں ہیں اور وقف کرنے والے کا باپ اور اس کی پشت کی اولاد شامل نہیں ہوگی نیز دادا بھی داخل نہیں ہوگا۔[2]

وقف علی الاولاد میں لڑکا و لڑکی کو کس طرح حصہ ملے گا

واقف نے اپنی جائداد اولاد پر وقف کیا تو اس کے لڑکے اور لڑکی کے حصہ میں فقہاء کے مختلف اقوال ہیں بعض فقہاء مثل ھبہ کے مساوات کے قائل ہیں اور بعض

ع[1] ولو وقف على نسله او ذريته دخل فيه اولاد البنين و اولاد البنات قربوا او بعدوا (عالمگیری ص۳۷۵ ج۲)

ع[2] قال ابویوسف و محمد رحمهما الله تعالیٰ هی کل من يناسبه الى اقصى اب له فى الاسلام من قبل ابيه او من قبل امه المحرم وغير المحرم و القريب و البعيد و الجمع و الفرد فى ذلک سواء و فى الوقف على القريب تقسم الغلة على الرؤس الصغير و الكبير و الذكر و الانثى و الفقير و الغنى سواء لمساواة الكل فى الاسم كذافى الوجيز ولايدخل ابو الواقف ولا اولاد لصلبه و فى دخول الجد روايتان و فى ظاهر الرواية لايدخل كذافى فتح القدير (عالمگیری ص۳۷۹ ج۲)

فقہاء ھبہ کے خلاف (للذکر مثل حظ الانثیین) کے قائل ہیں علامہ شامی کی طویل بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر واقف زندہ ہو تو اس سے دریافت کرلیا جائے اور جیسا کہے اس کے مطابق عمل کیا جائے، اگر زندہ نہیں ہے اور کوئی وضاحت بھی نہیں مل رہی ہے تو) (للذکر مثل حظ الانثیین) کو راجح قرار دیا جائے، اور اسی کے مطابق عمل کیا جائے۔[1]

قرابتی فقراء و مساکین پر وقف

اگر کسی نے کہا کہ میری یہ زمین یا یہ اشیاء صدقہ موقوفہ ہے میرے قرابتی فقیروں پر یا میری اولاد کے فقیروں پر ان کے بعد مساکین پر تو وقف صحیح ہے، یا یوں کہا کہ میری زمین یا میری یہ چیزیں صدقہ موقوفہ ہے میری قرابت میں سے مسکینوں پر، یا میری قرابت کے محتاجوں پر تو وقف صحیح ہے اور وقف کا مستحق وہ ہوگا جو غلہ اور سامان پائے جانے کے روز فقیر محتاج ہو، اور اگر یوں کہا کہ میری یہ زمین میری قرابت کے یتیموں پر وقف ہے تو صحیح ہے اور اگر ان یتیموں میں سے کوئی غلہ حاصل ہونیکے بعد بالغ ہوا تو اس سے غلہ واپس نہیں لیا جائے گا البتہ آئندہ سے اس کو نہیں ملے گا۔

اور اگر ان مستحقین کے مابین خصومت واقع ہو کہ دوسرے مستحقین نے کہا کہ یہ تو غلہ حاصل ہونے سے قبل بالغ ہوا ہے اسلئے تیرے واسطے حصہ نہیں ہوگا اور اس نے کہا کہ نہیں میں غلہ حاصل ہونے کے بعد بالغ ہوا ہوں تو قسم کے ساتھ اس بالغ کا قول معتبر ہوگا۔

اسی طرح اگر یتیم لڑکی کو حیض آیا اور اس میں ایسی خصومت واقع ہوئی تو قسم کے ساتھ اسی لڑکی کا قول معتبر ہوگا۔

---

[1] ردالمختار علی الدرالمختار المعروف به الفتاویٰ الشامی صـ ۵۲۱، ۵۲۲ جـ ۶) (مطلب مراعاة غرض الواقفین واجبة والعرف یصلح مخصصا)

اور اگر اھل قرابت میں سے کوئی شخص غلہ حاصل ہونے کے بعد مرا اور چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑے جو یتیم ہو گئے تو ان کو اس غلہ سے نہیں ملے گا[1] قرابتی فقراء میں واقف کے بھتیجے، بھتیجی، بھانجے اور بھانجی وغیرہ بھی شامل ہیں[2]

قرابتی فقیروں میں سے صلحاء پر وقف

اگر کسی نے کہا کہ میرے قرابتی فقیروں میں سے صلحاء پر وقف ہے یا یوں کہا کہ میرے قرابتی فقیروں میں سے اھل عفاف یا اھل خیر یا اہل فضل پر وقف ہے تو اس طرح بھی وقف صحیح ہے، اور صالح اھل خیر و فضل میں وہ لوگ داخل ہوں گے۔

ع[1] اذاقال ارضی ھذہ صدقة موقوفة علی فقراء قرابتی او قال علی فقراء ولدی ومن بعدھم علی المساکین فھذاالوقف صحیح والمستحق للغلة من کان فقیرا یوم تتحقق الغلة عند ھلال رحمه الله تعالیٰ وبه ناخذ .کذافی المضمرات وعلیه الفتوی ولوقال ارضی صدقة موقوفة علی المساکین من قرابتی او علی المحتاجین من قرابتی کان الجواب فیه ماھو فی قوله علی فقراء قرابتی ولوقال ارضی صدقة موقوفة لفقراء قرابتی او فی فقراء قرابتی فھو کمالوقال علی فقراء قرابتی لان حروف الصلات یقام بعضھا مقام بعض ولوقال علی ایتام قرابتی فکذلک فان احتلم الغلام بعد مجیء الغلة فله حصته من ھذہ الغلة فان وقعت بینه وبین غیرہ من المستحقین خصومة فی ھذہ الغلة فقال غیرہ من المستحقین انما احتلمت قبل مجیء الغلة فلاحصة لک وقال ھو انما احتلمت بعد مجیء الغلة کان القول قله مع الیمین وکذافی حیض الجاریة وان مات واحدامن القرابة بعد مجیء الغلة وترک اولادا صغارا لایکون لھؤلاء الاولاد حصة فی ھذہ الغلة کذافی فتاویٰ قاضیخان (عالمگیری صـ۳۸۴ جـ۲)

ع[۲] کفایت المفتی صـ ۲۹۶ جلد ۷)

جو عفت میں مشہور ہوں یعنی ان کی کوئی برائی ظاہر نہ ہو، لوگوں میں سلیم الطبع اوران کا کسی کو رنج وتکلیف پہونچانا ظاہر نہ ہوا ہوان کا شرکم اور خیر زیادہ ہو صاحب ریب نہ ہو کہ لوگوں میں اس کا فسق ظاہر ہو چکا ہو، نیز محصنات عفیفہ یعنی پاکدامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگانے والا نہ ہواور جھوٹ بولنے میں مشہور نہ ہو۔[۱]

قرابتی ان فقیروں کو مال ملے گا جو واقف کے شہر میں ہو

مذکورہ قرابتی فقیروں میں سے ان فقیروں کو مال ملے گا جو واقف کے شہر میں ہو، اگر قریبی فقیر واقف کے شہر کے علاوہ دوسرے شہر میں رہتے ہوں تو وہاں مال نہیں بھیجا جائے گا بلکہ اسی شہر والوں میں تقسیم کردیا جائے گا البتہ اگر قیم اور متولی نے اس شہر میں بھیج دیا تو ضامن نہیں ہوگا (گویا وقف کی ادائیگی درست ہو جائے گی۔[۲]

پڑوسیوں پر وقف

اگر کسی نے کہا کہ میری یہ زمین، یا یہ جائداد، یا یہ اشیاء، میرے پڑوسیوں پر وقف ہے تو یہ صحیح ہے اور پڑوسیوں میں وہ لوگ داخل ہوں گے جنہیں مسجد محلہ جامع ہے

ع[۱] واذقال علی الصلحاء من فقراء قرابتي فالصالح من کان مستورا مستقیم الطریقة سلیم الناحیة کاف الاذی قلیل الشر لیس بمتهتک ولاصاحب ریبة ولاقذاف للمحصنات ولامعروف بالکذب فهذا من اهل الصلاح ولوقال علی اهل العفاف او اهل الخیر او اهل الفضل فهذا وقوله من اهل الصلاح سواء کذافی الحاوی (عالمگیری صـ۳۸۵جـ۲)

ع[۲] واذا وقف علی فقراء قرابته وله قرابة فقراء من غیر اهل بلد الذی الواقف فیه الواقف لایبعث الی تلک البلدة ولکن یقسم علی فقرائهم فی هذه البلدة وان بعث القیم الی تلک البلدة فلاضمان کذافی المحیط (عالمگیری صـ۳۸۵جـ۲)

اور شرط صرف سکونت ہے چاہے رہنے والا اپنی ملکیت کے مکان میں ہو یا کسی غیر کے مکان میں عاریۃ ہو یا کرایہ پر ہو۔

مکان کا مالک نہیں رہتا ہے اس مکان میں دوسرے لوگ عاریۃ اور کرایہ پر رہتے ہیں تو مکان مالک کو کچھ بھی نہیں ملے گا بلکہ رہنے والے کو ملے گا، اور اس وقف میں تمام، پڑوسی شامل ہوں گے خواہ مسلم ہو، یا کافر مذکر ہو یا مؤنث غلام ہو یا آزاد صغیر ہو یا کبیر مالدار ہو یا غریب، البتہ واقف نے فقیروں کی قید لگادی تو مالدار کو نہیں ملے گا اور اس وقف میں وقف کنندہ کی اولاد اور اولاد کی اولاد، اور اس کا باپ، دادا بیویاں داخل نہیں ہوں گی، البتہ اس کا بھائی چچا ماموں داخل ہوں گے۔

نیز واضح رہے کہ غلہ اور سامان تقسیم ہونے کے وقت جو پڑوسی ہو اسی کا اعتبار ہوگا پس اگر تقسیم سے قبل کوئی اپنا مکان فروخت کر کے یا کرایہ ختم کر کے دوسری جگہ چلا گیا اور دوسرا آ کر آباد ہو گیا تو چلے جانے والے کو کچھ نہیں ملے گا بعد میں آ کر ٹھہرنے والوں کو ملے گا۔

اور پڑوسی سے واقف کا پڑوسی مراد ہے لہذا واقف نے وقف کے بعد تقسیم سے قبل اس مکان کو بیچ دیا، یا یوں ہی دوسرے مکان میں جا کر ٹھہر گیا اور وہیں وفات پا گیا، تو اسی مکان کے پڑوسی کو ملے گا جہاں آ کر بعد میں ٹھہرا ہے۔

نیز واقف کے اس مکان کا اعتبار ہوگا جہاں ٹھہرتا ہے اور اگر دونوں مکان میں بیویاں ہیں اور دونوں جگہ ٹھہرتا ہے تو دونوں مکان کے پڑوسیوں کو ملے گا۔[1]

ع[1] وقف علی جیرانه ففی القیاس یصرف الی الملاصق وفی الاستحسان یصرف الی من یجمعه وایاهم مسجد المحلة کذا فی الوجیز وهو المختار کذافی الغاثیة ثم فی ظاهر مذهب ابی حنیفة رحمة الله تعالیٰ

ان الشرط السکنی مالکا کان الساکن او غیر مالک هو الصحیح هکذا فی المحیط وان کان الساکن غیر المالک کا ن الوقف للساکن دون المالک کذا فی فتاویٰ قاضیخان ویدخل فیه الجار مسلما کان او کافرا ذکرا کان اوانثی حرا کان اومکاتبا صغیرا کان او کبیرا ویقسم المال علی عدد رؤسهم فان فضل الوصی بعضهم علی بعض ضمن کذا فی الحاوی...... وکذا المدیون الذی حبس فی محتله بدین هکذا فی الوجیز ولایدخل فیه ولد الواقف وابوه وجده وزوجته کذا فی الحاوی وولدا لولد اذاکان جارا لایدخل استحسانا کذا فی خزانة المفتین واخوه وعمه وخاله یدخلون کذا فی الظهیریة والمحیط ولوکان للواقف جیران فانتقل بعضهم الی محلة اخری وباعودورهم فانتقل قوم آخرون بعد ادراک الغلة قبل الحصاد الی جواره فالمعتبر فیه من کان جاره وقت قسمة الغلة کذا فی فتاویٰ قاضیخاں ولووقف علی جیرانه وله دار هو فیها ساکن فانتقل منها الی دار اخری وسکنها باجرالی ان مات فالغلة لجیران الدار التی انتقل الیها ومات فیها کذا فی المحیط ولووقف علی جیرانه ثم خرج الی مکة ومات فیها ان کان اتخذ ها دارافالغلة لجیرانه بمکة وان خرج حاجا او معتمرا فالغلة لجیران بلده کذفی الظهیریه ولوکان له دار ان وهو یسکن فی احداهما والاخری للغلة فالغلة لجیران الدار التی یسکن فیها کذا فی المحیط ولوکان له داران وفی کل دارله زوجة فالغلة لجیران الدارین وان مات فی احداهما کذا فی الحاوی(عالمگیری صـ۳۹۰جـ۲)

اھل بیت پر وقف

اگر کسی نے کہا کہ میں نے اپنی اراضی اپنے اھل بیت پر وقف کیا تو وقف صحیح ہے مگر اھل بیت کے دو مطلب ہوتے ہیں (۱) بیت السکنی (۲) بیت النسب، وقف کنندہ سے پوچھا جائے گا کہ آپ کی مراد کیا ہے۔ اگر بیت السکنی مراد لیا ہے تو اس میں وہ لوگ داخل ہوں گے جو گھر میں ساتھ رہتے ہوں جن کی وہ پرورش کرتا ہو اور ان کو اپنے گھر میں نفقہ دیتا ہو اگر چہ ان سے قرابت نہ ہو گویا اس وقف میں واقف کے زیر پرورش لوگ شامل ہوں گے اس کے علاوہ شامل نہ ہوں گے اگر چہ قرابت والے ہوں،

اور اگر بیت النسب مراد لیا ہے تو اس میں اس کے تمام خاندان یعنی ہر وہ شخص داخل ہے جو واقف کے اجداد کی طرف سے اونچے اور اوپر درجہ کے جد تک اسلام میں داخل تھا متصل ہو جس میں مسلمان، کافر مذکر، مؤنث، محرم، غیر محرم، قریب، بعید، سب داخل ہیں مگر سب سے اونچا باپ شامل نہ ہوگا اور اس وقف کرنے والے کا باپ اور اس کی اولاد داخل ہوں گے مگر اس کی بیٹی اور بہنوں کی اولاد داخل نہیں ہوں گی اور دیگر عورتوں کی اولاد بھی داخل نہیں ہوگی، لیکن اگر ان عورتوں کے شوہر اس وقف کرنے والے کے بنی اعمام ہوں یعنی اس کے چچا و دادا وغیرہ کی اولاد میں سے ہو تو یہ بھی خاندانی لوگ ہیں اس لئے یہ سب داخل ہوں گے اور اس میں موجودہ اور آئندہ جو اولاد پیدا ہوں گی وہ سب شامل ہوں گی۔ نیز اس میں مالدار اور فقیر سب داخل ہوں گے، البتہ وقف کنندہ نے اھل بیت میں فقیر کی قید لگادی ہے تو مالدار داخل نہیں ہوں گے [۱]

ع[۱] اذاوقف ارضه علی اهل بیته دخل تحت الوقف کل من یتصل به من قبل آبائه الی اقصی اب له فی الاسلام یستوی فیه المسلم والکافر والذکر والانثی والمحرم وغیر المحرم والقریب والبعید (بقیہ اگلے صفحہ پر)

فقیروں پر وقف کے بعد خود محتاج ہوجائے

اگر زمین یا کوئی چیز فقراء ومساکین پر صدقہ موقوفہ کردی پھر واقف خود محتاج ہوگیا تو اس کو اس غلہ میں سے کچھ نہیں ملے گا۔[۱]

فقیروں پر وقف کرنے کے بعد بعض قریب محتاج ہوجائے

اگر واقف نے اپنی صحت کی حالت میں کہا کہ میری یہ زمین وقف ہے تو اسکے تحت چند احکام ہیں۔

(گذشتہ صفحہ کا بقیہ) ولایدخل الاب الاقصی ویدخل فیه ولد الواقف وولده ولایدخل اولادالبنات واولاد الاخوات وکذالک لایدخل اولاد من سواهن من الاناث الااذاکان ازواجهن من بنی اعمام الواقف کذافی الظهیریة وذکرشمس الائمة السرخسی رحمة اللّٰه تعالیٰ فی شرح السیر الکبیر اذاذکر اهل البیت فی الوقف اوالوصیة یرجع الی مراده ان اراد بیت السکنی فاهل بیته من یعوله وینفق علیه فی بیته وان لم تکن بینهما قرابة وان اراد بیت النسب فاهل بیته جمیع اولادابیه المعروفین به وذکر القاضی الامام علی الغدی ان الواقف ان کان له بیت نسب مثل بیوت العرب فاهل بیته جمیع اولاد ابیه وان لم یکونوا فی عیاله وان لم یکن له بیت نسب فاهل بیته من یعوله فی بیته وینفق علیه ولایدخل غیرهم فیه وان کان بینهما قرابة والمختار هذاکذا فی الغیاثیة واذاوقف علی اهل بیته دخل تحت الوقف من کان موجود من اهل بیته ومن یأتی بعد هؤلاء من اولادهم واولاد اولادهم کذافی المحیط (عالمگیری صـ ۳۹۱/۳۹۲جـ۲)

عـ۱ رفی الفتاویٰ اذاجعل ارضا صدقة موقوفة علی الفقراء والمساکین فاحتاج بعض قرابته اواحتاج الواقف ان احتاج الواقف لایعطی له من تلک الغلة شیء عندالکل کذافی الخلاصة(عالمگیری صـ۳۹۵جـ۲)

(۱) وقف کا غلہ قرابتی فقیروں پر صرف کرنا اولیٰ ہے پھر اگر کچھ باقی رہے تو اجنبی فقیروں پر تقسیم ہو

(۲) غلہ کے پیدا ہونے کے وقت کے محتاج کا اعتبار نہیں بلکہ غلہ کی تقسیم کے دن کے محتاجوں کو ملے گا

(۳) واقف سے قرابت میں ترتیب وار سب سے قریب پھر سب سے قریب اس طرح کہ جو اس کے نسب سے پیدا ہے وہ اول ہے پھر اس کے لڑکے کی اولاد پھر تیسری پشت، پھر چوتھی پشت کے ساتھ پانچویں و چھٹی جس قدر نیچے تک ہو، داخل ہوگی، پھر اگر ان میں سے کوئی نہ ہو، یا ہو اور اس کے بعد غلہ بچ رہا ہو تو قرابت کے فقیروں پر اسی مذکورہ ترتیب سے تقسیم ہوگا، اس کے بعد وقف کرنے والے کے آزاد کئے ہوئے کا مرتبہ ہے پھر وقف کرنیوالے کے پڑوسیوں کا پھر واقف کے شہر والوں کا اس میں بھی وہ ہوں گے جو سکونت کے اعتبار سے واقف کے قریب ہوں۔

(۴) اور جن لوگوں کو غلہ یا وقف کی پیداوار سے مال دیا جائے گا ان میں سے ہر ایک کو دو سو درھم سے کم دیا جائے گا مگر یہ حکم جب ہے جبکہ اس نے فقیروں پر وقف کیا تھا اور وقف کرتے وقت اپنے قرابتی فقیروں کی قید لگا دی تھی تو پھر سب آمدنی انہیں پر تقسیم ہوگی اگر چہ ان قریبوں کو دو سو درھم سے زیادہ پہونچے۔[۱]

ع[۱] وان قال فی الصحة ارضی صدقة موقوفة علی الفقراء بعدی وهو یخرج من الثلث او کان ذلک فی المرض ومات وله ابنة صغیرة لایجوز الصرف الیها وهذاالتفصیل مذکور عن ابی القاسم قال الصدر الشهید حسام الدین رحمة الله تعالیٰ وبه یفتی کذا فی الغیاثیة فان احتاج بعض قرابته او بعض ولده الی ذلک و الوقف فی الصحة (فههنا احکام) احدها ان صرف الغلة الی فقراء (بقیہ اگلے صفحہ پر)

جملہ امور خیر پر وقف کرنا جو شرعاً کار ثواب ہو

کسی شخص کا اپنی کسی ایسی غیر منقولہ چیز کو جس سے شرعاً انتفاع جائز ہے یا ایسی منقولہ چیز کو جس کے وقف کا رواج ہے جیسے مسجد، مدرسہ، مقبرہ، دینی یا فلاحی ادارہ اور دیگر کار خیر پر وقف کرنا صحیح ہے اور اگر موقوف علیہ کسی ایسی چیز کو قرار دیا جس پر وقف کرنا شرعاً کار ثواب نہ ہو یا واقف اس کو کار ثواب یقین نہ کرتا ہو تو وقف صحیح نہیں ہوگا۔[۱]

(بقیہ گذشتہ صفحہ) القرابة اولیٰ فان فضل منها شیء یصرف الی الاجانب والثانی أن لا ینظر الی المحتاجین یوم خلقت الغلة وانما ینظر الی المحتاجین یوم قسمت الغلة والثالث ان ینظر الی الاقرب فالاقرب منه فی القرابة وهوولد الصلب اولاثم ولدا لولدثم البطن الثالث ثم البطن الرابع وان سفلوفان لم یکن من هؤلآء احد أو فضل اعطی فقراء القرابة ویبدأ فیهم ایضا بالاقرب کذا فی الحاوی ثم الی موالی الواقف ثم الی جیرانه ثم الی اهل مصره ایهم اقرب من الواقف منزلا کذا فی المحیط السرخسی وهکذا فی المحیط وفتاویٰ قاضیخاں والرابع ان یعطی کل واحد ممن یعطی اقل من مأتی درهم وهذا قول هلال کذا فی الحاوی هذااذا وقف علی الفقراء واحتاج الیه بعض قرابته واما اذا وقف علی فقراء قرابته فیصرف جمیع الغلة الیهم وان کان نصیب کل واحد منهم اکثر من مأتی درهم واما اذاوقف علی الافقر فالا فقر من قرابته فههنا لایعطی الکل انما یعطی اقل من مأتی درهم کذا فی الذخیرة (فتاویٰ الهندیه صـ۳۹۵،۳۹۶ جـ۲)

[۱] وکما صح ایضا وقف کل منقول قصدا فیه تعامل للناس کفأس وقدوم بل ودراهم ودنانیر (درمختار) قال الرملی لکن فی الحاقها بمنقول فیه تعامل نظراذهی ممالاینتفع بهامع بقاء عینها علی ملک الواقف وافتاء صاحب البحر بجواز وقفها بلاحکایة خلاف لایدل علی انه داخل تحت قول محمد المفتی به فی وقف المنقول فیه تعامل (بقیہ اگلے صفحہ پر)

اشیاء موقوفہ کے اصل کو باقی رکھتے ہوئے اس کی آمدنی یا منفعت صرف ہوگی

اشیاء موقوفہ غیر منقولہ جیسے زمین، مکان، دکان، وغیرہ ہوتو اس کی اصل کو باقی رکھتے ہوئے اس کی آمدنی یعنی کرایہ زمین کی پیداوار وغیرہ موقوف علیھم پر صرف کئے جائیں گے زمین مکان وغیرہ بیچا نہیں جائے گا۔

اسی طرح اشیاء منقولہ جیسے روپئے پیسے، سونا چاندی وغیرہ یعنی جن کے بقاء اصل کے ساتھ انتفاع ممکن ہوتو ان چیزوں کو تجارت وغیرہ کے کام میں لگا کر اس کی منفعت سے فائدہ اٹھایا جائے گا اور اصل رأس المال کو باقی رکھا جائیگا۔[1]

(بقیہ گذشتہ صفحہ) (شامی ص۵۵۵ ج۶ زکریا) (بشرط کونہ قربة عندنا وعندهم) الظاهر ان هذاشرط فی وقف الذی فقط یخرج مالو کان قربة عندنا فقط کوقفه علی الحج والمساجد وماکان قربة عندهم فقط کالوقف علی البیعة بخلاف الوقف عی المسجد القدس فانه قربة عندنا وعندهم فیصح (منحة الخالق علی البحر الرائق ص ۳۱۵/۳۱۶ ج۵)

[1] وکما صح ایضا وقف کل منقول قصدا فیه تعامل للناس کفأس وقدوم بل دراهم ودنانیر مکیل وموزون فیباع ویدفع ثمنه مضاربة اوبضاعة فعلی هذاالووقف کراعلی شرط ان یقرضه لمن لا بذرله لیزرعه لنفسه فاذا ادرک اخذ مقداره ثم اقرضه لغیره وهکذا جاز خلاصه (درمختار) قوله ویدفع ثمنه مضاربة اوبضاعة وکذا یفعل فی وقف الدراهم والدنانیر وماخرج من الربح یتصدق به فی جهة الوقف وهذا هو المراد فی قوله الفتح عن الخلاصة ثم یتصدق بها فهو علی تقدیر مضاف ای بربحها وعبارة الاسعاف ثم یتصدق بالفضل (فتاوی شامی ص۵۵۵ تا ۵۵۶ ج۶)

وقف کی آمدنی سے خریدی ہوئی جائداد

موقوف علیھم پر خرچ کرنے کے بعد وقف کی آمدنی زائد ہو کر بچ گئی اور اس آمدنی سے کوئی جائداد (مکان، دکان، وغیرہ) خریدی گئی تو اس جائداد کی آمدنی (کرایہ وغیرہ) مصارف وقف پر خرچ ہوگی اور وقف کی مصلحتوں کے پیش نظر ضرورت پڑنے پر وقف کی آمدنی سے خرید کردہ جائداد کو فروخت کیا جا سکتا ہے۔[۱]

مال موقوفہ کے بدلہ دوسری جائداد کا خریدنا

اگر اشیاء موقوفہ کے ناقابل انتفاع یا خطرے میں پڑنے کی وجہ سے دوسری جائداد سے تبادلہ کیا گیا یا فروخت کر کے دوسری جائداد خریدی گئی تو یہ دوسری جائداد کی جگہ قرار پائی گئی اور اس تبادلہ شدہ جائداد کے بھی صرف منافع ہی مصارف وقف میں خرچ ہوں گے اصل جائداد کا بیچنا جائز نہیں ہوگا۔[۲]

اشیاء موقوفہ کے ناقابل انتفاع ہونے کی صورت میں دوسری جائداد سے تبادلہ یا فروخت کر کے دوسری جائداد خریدنا۔

اگر موقوف علیھم کے براہ راست استفادہ کیلئے کوئی جائداد وقف کی گئی تھی

ع[۱،۲] (اشتری المتولی بمال الوقف دارا) للوقف لاتلحق بالمنازل الموقوفة ویجوز بیعها فی الاصح لان للزومه کلاما کثیرا له اولم یوجد ههنا (درمختار) قوله اشتری بمال الواقف ای بغلة الوقف کما عبربه فی الخافیه وهواولی احتراز اعما لواشتری ببدل الوقف فانه یصیر وقفا کالاول علی مشروطه وان لم یذکر شیئا کما مر فی بحث الاستبدال وقیده فی الفتح بما اذالم یحتج الوقف الی العمارة وهو ظاهر اذلیس له الشراء وکما لیس له الصرف الی المستحقین (شامی ص۷۶۲ ج۶)

اوراب وہ نا قابل انتفاع ہوچکی ہے تو خدا ترس قاضی کی اجازت سے اسی طرح کی دوسری جائداد سے اس کا تبادلہ، یا نقد کے عوض اسے فروخت کر کے اسی طرح کی دوسری جائداد خریدنا صحیح ہے اور یہ دوسری جائداد پہلی جائداد کی جگہ وقف قرار پائیگی، اوراگر واقف نے جائداد موقوفہ کی آمدنی موقوف علیہم پر صرف کرنے کی شرط لگائی تھی اور جائداد موقوفہ نا قابل انتفاع ہوچکی ہے تو کم خرچ اور زیادہ نفع بخش دوسری نوع کی جائداد سے اس کا تبادلہ یا نقد کے عوض اسے فروخت کر کے دوسری نوع کی جائداد بھی خریدنا جائز ہے اور دوسری جائداد پہلی جائداد کی طرح قرار پائے گی۔[1]

اشیاء موقوفہ خطرے میں پڑ جائے تو اس کی اصلاح کی جائے

اشیاء موقوفہ خراب ہونے کی وجہ سے خطرے میں پڑ جائے کہ فوری اس کی اصلاح ضروری ہو تو شیٴ موقوفہ کی آمدنی سے اس کے وجود کو برقرار رکھا جائے گا اور دوسرے مصارف وقف کو عارضی طور سے ملتوی کر دیا جائے گا۔

ع[1] وجاز شرط الاستبدال به ارضا اخری حینئذ او شرط بیعه ویشتری بثمنه ارضا اخری اذاشاء فاذافعل صارت الثانیة کالاولیٰ فی شرائطها ...... وان لم یذکرها ثم لایستبدلها بثالثة لانه حکم ثبت بالشرط والشرط وجد فی الاولی لاالثانیة واما الاستبدال ولوللمساکین آل بدون الشرط فلایملکه الاالقاضی درروشرط فی البحر خروجه عن الانتفاع بالکلیة وکون البدل عقارا والمستبدل قاضی الحنة المفسر بذی العلم والعمل وفی النهر ان المستبدل قاضی الحنة فالنفس به مطمئنة فلایخشی ضیاعه ولوبالدراهم وهی احدالمسائل السبع التی یخالف فیها شرط الواقف کما بسطه فی الاشباه (درمختار علی هامش شامی ص۵۸۳ تا۵۸۷ج۶)

اوراگرشیٔ موقوف زیادہ خراب نہ ہونے کی وجہ سے اس کا وجود خطرہ میں نہ ہو بلکہ صرف اصلاح طلب ہو تو متولی اور قاضی کو اختیار ہوگا کہ جو مناسب سمجھے کرے یا تو مصارف پر خرچ کرے یا شئی موقوفہ کی اصلاح کرائے جو زیادہ ضروری ہو اس پر عمل کرے۔[1]

اصلاح کرنے اور کرانے کا حق صرف واقف یا متولی کو ہوگا

وقف کی اصلاح یا وقف کو دوسری چیز سے بدلنے کا حق اولاً واقف کو ہوگا واقف نہ ہو تو واقف کا مقرر کردہ متولی یا قاضی کا مقرر کردہ متولی کو حاصل ہوگا، متولی اور واقف کے علاوہ کسی کے لئے حق تصرف درست نہیں ہے، متولی کو مشورہ دے سکتا ہے اور اس کے کام میں تعاون کرسکتا ہے مگر دخیل بن کر متولی کی اجازت کے بغیر کوئی کام انجام نہیں دے سکتا۔[1]

ع[1] (یبدأ من غلته بعمارته) ثم هو اقرب لعمارته كامام مسجد ومدرس مدرسة يعطون بقدر كفايتهم ثم السراج والبساط كذالک الى اخر المصالح وتمامه فى البحر وان لم يشترطه الواقف لثبوته اقتضاء وتقطع الجهات للعمارة ان لم يخف ضرربين فتح فان خيف كامام وخطيب وفراش قدموا فيعطى المشروط لهم (درمختار) والحاصل مما تقرر وتحرر انه يبدأ بالتعمير الضرورى حتى لو استغرق جميع الغلة صرفت كلها اليه ولايعطى احد ولو اماما اومؤذنا فان فضل عن التعمير شئ يعطى ماكان اقرب اليه مما فى قطعه ضرربين وكذا لوكان التعمير غير ضرورى بأن كان لايؤدى تركه الى خراب العين لواخرالى غلة السنة لقابلة فيقدم الأهم فالأهم (درمختار مع الشامى صـ۵۵۹ تا ۵۶۲ جـ۶)

ع[1] فى الكبرى مسجد مبنى ارادرجل ان ينقضه ويبنيه ثانيا احكم من البناء الاول ليس له ذلک لانه لاولاية كذافى المضمرات (الفتاوىٰ العالمگيريه صـ۴۵۷ جـ۲)

واقف نے شئ موقوف کے بدلنے یا بیچ کر دوسری جائداد خریدنے کی اپنے لئے شرط کرلی

وقف کرنے والے نے اصل وقف میں یہ شرط کی کہ میں جب چاہوں گا اس زمین یا مکان وغیرہ یعنی اشیاء موقوفہ کی جگہ دوسری جائداد بدل لوں گا اور وہ دوسری جائداد پہلے کی جگہ وقف ہوگی۔

اسی طرح یوں شرط کی کہ جب چاہوں گا اس شئ موقوف کو فروخت کرکے اس کے ثمن کے بدلے دوسری جائداد خریدوں گا جو اس پہلی کی جگہ وقف ہوگی تو یہ تمام شرائط مفتیٰ بہ قول کے مطابق جائز ہے۔

مگر ایک مرتبہ بدلنے یا بیچنے سے اس کا حق استبدال اور حق بیع ختم ہو جائے گا دوبارہ نہیں بدل سکتا اور نہ بیچ سکتا ہے لیکن اگر واقف نے ایسی بات کہی جو ہمیشہ اس کے واسطے بولنے کے اختیار کو مقید ہو (مثلاً یوں کہا کہ جب جب میں مناسب سمجھوں گا بدلتا رہوں گا) تو اس کو یہ اختیار حاصل ہوگا۔[1]

متولی وقف کیلئے بدلنے کی شرط لگائے

اگر وقف کرنے والے نے اشیاء موقوفہ کے بدلنے کا اختیار ہر ایسے شخص کے واسطے شرط کردیا جو اس کا متولی ہو تو صحیح ہے اور جو شخص اس کا متولی ہوگا اس کو اس وقف کی جگہ دوسرا بدلنے کا اختیار رہوگا۔

ع[1] وجاز شرط الاستبدال بہ ارضا اخری حینئذ او شرط بیعه ویشتری بثمنه ارضا اخری اذاشاء فاذا فعل صلوٰۃ الثانیة کالاولی فی شرائطها وان لم یذکرها ثم لایستبدلها بثالثة لانه حکم ثبت بالشرط والشرط وجد فی الاولی لاالثانیة (درمختار علی هامش الشامی صـ۳۸۷، ۳۸۸جـ۳)

اسی طرح اپنے لئے استبدال کا اختیار شرط کر کے کسی کو بدلنے کا وکیل کرلیا تو جائز ہے اس وکیل کو واقف کی طرف سے جائداد کو بدلنے کا حق حاصل ہوگا۔[1]

موقوفہ زمین بیچ کر اسی رقم سے دوسری زمین خریدنا

کسی نے اپنی زمین مسجد کیلئے وقف کی پھر اس زمین کو بیچ کر اسی رقم سے دوسری جگہ زمین خریدی تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر واقف نے وقف کرتے وقت استبدال کی شرط نہیں لگائی تھی تو وقف مکمل ہونے کے بعد اس کا بیچنا کسی کیلئے جائز نہیں اور دوسری زمین خود واقف نے خرید کر وقف کیا تو دوسری زمین بھی وقف ہو جائے گی اور دونوں زمین موقوفہ کہلائے گی اور اگر واقف نے استبدال کی شرط لگادی تھی، تو پہلی زمین بیچ کر دوسری زمین وقف کرنا درست ہوگا۔[2]

واقف کا شرائط وقف میں ردوبدل کرنا

وقف کرنے کے بعد موقوف چیز میں شرائط کا اضافہ اس شرط کے ساتھ کرسکتا ہے جب کہ وقف کرتے وقت شرط میں اضافہ کا حق باقی رکھا ہو اگر باقی نہیں رکھا تھا تو ردوبدل نہیں کرسکتا۔[3]

واقف کے شرائط کی حیثیت

واقف وقف میں جو شرائط لگائے اس کی حیثیت نص جیسی ہے اس لئے وقف سے استفادہ اور وقف کے انتظامات واقف کی شرطوں کے مطابق انجام پائیں گے لیکن

ع[1] ولو وکل وکیلا فی حیاتہ صح ولو شرطہ لکل متولی صح وملکہ کل متولی (بحر الرائق ص ۲۲۲ ج ۵)

ع[2] مستفاد نظام الفتاویٰ ص ۱۶۷ ج ۱)

ع[3] مستفاد فتاوی محمودیہ ص ۳۰۷ ج ۵)

قاضی مصالح کے پیش نظر وقف کے انتظامات اور اس کے مصارف میں ایسی تبدیلی لاسکتا ہے جس سے مقاصد وقف فوت نہ ہوں۔[1]

وقف مکمل ہونے کے بعد منسوخ نہیں ہوگا

وقف جب اپنے تمام شرائط وارکان کے ساتھ مکمل ہوگیا تو اس کو پھر واقف یا کوئی اور منسوخ نہیں کرسکتا۔[2]

سخت مجبوری کی بناء پر ارض موقوفہ کی بیع درست ہے

مسجد کی ایک زمین کسی کاشت کار کے قبضہ میں تھی آزادی کے بعد سرکاری قانون یہ نکلا کہ کوئی زمین پر اپنا قبضہ اور کھیتی کرنے کو ثابت کردے تو زمین اس کو مل جائے گی، چنانچہ اس قانون کی وجہ سے کاشت کار نے سرکاری کاغذات مضبوط کرکے اس موقوفہ زمین پر قبضہ کرلینا چاہا، متولی مسجد کو اس کا علم ہونے پر کاشت کار کو کچھ رشوت وغیرہ دیکر اس کے قبضہ سے نکالنے کیلئے اراضی موقوفہ کو پلاٹ در پلاٹ کرکے فروخت کرنا شروع کیا تو شرعا اس کا فروخت کرنا جائز ہوگیا، کیونکہ موقوفہ جائداد کی بیع اس وقت جائز ہوتی ہے جب شئ موقوفہ بالکل ضائع ہونے لگے، یا بالکل ناقابل انتفاع ہو جائے اور یہاں ضیاع کا خطرہ لاحق تھا اسلئے اس کی بیع درست قرار پائی۔[3]

ع[1] شرط الواقف كنص الشارع وهى احدى المسائل السبع التى يخالف فيها شرط الواقف كما بسطه فى الاشباه وزاد ابن المصنف فى زواهره ثامنة وهى اذا نص الواقف ورأى الحاكم ضم مشارف جاز كالوصى وعزاها لانفع الوسائل (درمختار على هامش شامى صـ۵۸۷ تا ۵۸۸جـ۶)

ع[2] فاذاتم ولزم لايملك ولايماك ولايعارولايرهن فبطل شرط واقف الكتب الرهن (درمختار على هامش شامى صـ۵۳۹جـ۶)

ع[3] نظام الفتاوى صـ۱۵۹جـ۱)

مرض الوفات میں وقف کرنے کا حکم

مرض الموت کا وقف حالت صحت کے وقف کے مانند ہے لہذا اس کو منسوخ نہیں کیا جاسکتا ہے مگر وصیت کی طرح ثلث ترکہ میں وقف نافذ ہوگا جس طرح ھبہ میں ہوتا ہے پس اگر کسی نے اپنے مرض الوفات میں اپنا کوئی گھر یا کوئی جائداد وقف کیا تو جائز ہے جبکہ مذکورہ اشیاء موقوفہ اس کے تہائی ترکہ سے برآمد ہو، اگر تہائی ترکہ سے برآمد نہ ہو مگر وارثوں نے اجازت دیدی تو وقف درست ہو جائے گا اور اگر وارثوں نے اجازت نہیں دی تو جتنے حصے تہائی سے زیادہ ہوں گے اتنے حصہ کا وقف باطل ہو جائے گا اور اگر بعض وارثوں نے اجازت دی ہے اور بعض وارثوں نے اجازت نہیں دی تو جتنے وارثوں نے اجازت دی ہے ان کے تمام حصہ میں وقف جاری ہوگا اور باقی وارثوں نے جو اجازت نہیں دی ہے تو انکے تہائی حصہ میں وقف جاری ہوکر باقی حصے کا وقف باطل ہو جائے گا۔

اگر میت نے کوئی مکان یا جائداد وقف کیا اور موجودہ مال کے تہائی ترکہ سے وقف مکمل نہیں ہو پا رہا تھا کہ میت کا کوئی دوسرا اور مال ظاہر ہوا پھر پہلے اور بعد والے تمام مال کے تہائی ترکہ سے وقف مکمل ہو جاتا ہے تو پورا وقف مذکور نافذ ہوگا۔

اور اگر مال کے ظاہر ہونے سے قبل قاضی نے دو تہائی میں وقف کو باطل کر دیا پھر میت کا ایسا مال ظاہر ہوا کہ پورے مال کے تہائی سے وقف مذکور پورا ہو جاتا ہے تو اگر وہ تہائی مال بقیہ وارثوں کے قبضہ میں موجود ہے تو پورا وقف نافذ ہوگا اور اگر مال ظاہر ہونے سے قبل بعض وارثوں نے اپنا حصہ فروخت کر دیا تو اس کی بیع نہیں توڑی جائیگی لیکن جس قدر اس نے فروخت کیا ہے اس کی قیمت لیکر اس سے دوسری جائداد کو

خرید کر پہلی کی جگہ اسی کو وقف کر دی جائے گی۔[۱]

مرض الوفات میں وقف کیا اور ساتھ میں کچھ قرض بھی چھوڑا

اگر کسی نے اپنے مرض الوفات میں کوئی جائداد وقف کی اور واقف کی وفات کے بعد معلوم ہوا کہ اس پر کچھ قرض بھی ہے تو اس جائداد موقوف کو اس قرضہ کی ادائیگی کیلئے فروخت کیا جائے گا اور وقف کو ختم کر دیا جائے گا۔[۲]

اور اگر جائداد موقوف کے فروخت ہونے کے بعد میت کا اتنا مال ظاہر ہوا کہ جس سے میت کا قرضہ ادا ہوتا ہو اور اس کی تہائی سے یہ جائداد وقف برآمد ہوتی ہو تو بھی مذکور بیع نہیں توڑی جائے گی لیکن میت کے مال سے مذکورہ وقف کے لئے بقدر ثمن مال نکال کر اس سے دوسری جائداد خرید کر فقیروں پر صدقہ موقوفہ کر دی جائے گی۔[۳]

ع[۱] فصل فی وقف المریض وما کان فی حالة المرض فحکمه حکم الوقف فی الصحة وان کان یعتبر من الثلث کالهبة فی المرض یعتبر من الثلث الخ مریض وقف دارا فی مرض موته فهو جائز اذا کان یخرج من ثلث ماله وان لم یخرج فاجازت الورثة فکذلک وان لم یجیزوا بطل فیما زاد علی الثلث وان اجاز البعض دون البعض جاز بقدر ما اجاز وبطل الباقی الاان یظهر للمیت مال غیر ذلک فینفذالوقف فی الکل فان کان الوارث الذی لم یجز الوقف باع نصیبه قبل ان یظهر للمیت مال آخر لایبطل بیعه ویغرم قیمة ذالک یشتری بذلک ارض وتوقف علی ذلک الوجه(قاضی خان علی هامش الهندیه صـ۳۱۶جـ۳)

عـ۲ مریض وقف دارا وعلیه دین محیط بماله فانه یباع الدار وینقض الوقف (فتاویٰ قاضیخاں صـ۳۱۶جـ۳)

ع[۳] وکذالوباع القاضی الارض فی الدین ثم ظهر (بقیہ اگلے صفحہ پر)

ورثہ محتاج ہوں تو وقف کرنا گناہ ہے

کسی شخص نے اپنی پوری زندگی میں جائداد سے فائدہ اٹھالیا اور اخیر وقت میں یا مرض الوفات میں اپنی جائداد کو وقف کر رہا ہے حالانکہ ورثہ محتاج ہیں تو اس کا وقف کرنا گناہ ہوگا مرض الوفات میں کیا ہے تو ثلث میں وقف نافذ ہوگا ورنہ پورے مال میں وقف نافذ ہوجائے گا۔[1]

مرض الوفات میں وقف کی وصیت

اگر مریض نے وصیت کی کہ اس کے مرنے کے بعد اس کا فلاں مکان یا فلاں جائداد فقراء اور مساکین پر وقف کیا جائے، پس اگر وقف مذکور، اس کے تہائی مال سے برآمد ہوا تو ٹھیک ہے، ورنہ اس کے تہائی مال کے بقدر وقف ہوگا اور اگر وارثوں نے اجازت دیدی تو وقف مذکور پورا وقف قرار دیا جائے گا۔[2]

(بقیہ گذشتہ صفحة) للمیت مال فیه وفاء بالدین تخرج الارض من ثلثه لاینقض البیع ولکن یرفع من مال المیت مقدار ثمن الارض وتشتری به ارض اخری وتوقف علی الفقراء کذافی محیط السرخسی(فتاویٰ عالمگیری صـ ۴۵۱ جـ ۲)

ع[1] مستفاد احسن الفتاویٰ صـ ۴۲۲ جـ ۶)

ع[2] ولواوصی بان توقف ارضه بعدموته علی فقراء المسلمین فان خرجت من الثلث اولم تخرج ولکن اجازت الورثة فانها توقف کلها وان لم تجز الورثة فمقدار الثلث یوقف (الفتاویٰ عالمگیریه صـ ۴۵۳، ۴۵۴ جـ ۳)

مرض الوفات میں وقف کی گئی زمین کے پھل کا حکم

اگر کسی مریض نے اپنے مرض الموت میں وقف کے تمام شرائط کیساتھ اپنی زمین صحیح وقف کی (اور وقف کرتے وقت اسمیں پھل نہیں تھا) بعد میں واقف کے مرنے سے قبل اس زمین میں پھل پیدا ہوگیا تو پھل سمیت وہ زمین وقف قرار پائیگی، اور اگر وقف کرتے وقت اس میں پھل موجود تھا اور حالت مرض الوفات میں اس نے وقف کیا ہے تو یہ پھل واقف کے وارثوں میں بطور میراث تقسیم ہوگا۔[1]

قبل الوفات وصیت وقف منسوخ کی جاسکتی ہے

مریض نے مرض الوفات میں وقف کی وصیت کی مگر مرنے سے قبل اس وقف کی وصیت کو اس نے اپنی زندگی ہی میں منسوخ کردیا تو وہ منسوخ ہوجائے گا اور مال وارثوں میں تقسیم ہوگا اور اگر زندگی میں منسوخ نہیں کیا تو اس کی موت کے بعد پورے ترکہ کی ایک تہائی تک وصیت نافذ ہوگی۔[2]

متولی مقرر کئے بغیر موقوف علیہم کے براہ راست استفادہ کیلئے وقف

اگر کوئی جائداد وقف کی گئی اور اس کا کوئی متولی مقرر نہیں کیا گیا بلکہ براہ راست

ع[1] ولو وقف الارض فی مرضه وقفا صحیحا وحدثت فیها ثمرة قبل وفاته فان الثمرة تکون وقفا مع الارض ولو کانت فیها ثمرة یوم وقفها وهو مریض فالثمرة میراث لورثته کذافی المحیط (الفتاویٰ عالمگیریه صـ ۴۵۴ جـ ۲)

ع[2] والحاصل انه اذا علقه بموته فالصحیح انه وصیة لازمة لکن لم یخرج عن ملکه فلا یتصور فیه بیع ونحوه بعدموته لما یلزمه من ابطال الوصیة وله ان یرجع قبل موته کسائر الوصایا وانما یلزم بعدموته (شامی صـ ۴۱۴ جـ ۶) دار الکتاب.

موقوف علیھم کو فائدہ اٹھانے کا اختیار دیا گیا تو اس جائداد موقوف کی نگرانی واصلاح اور اس کے وجود وبقاء کی ذمہ داری موقوف علیھم پر ہوگی، اگر شئی موقوفہ ضروری تعمیر یا اصلاح کے قابل ہے تو موقوف علیھم اس کی تعمیر اور اصلاح کرائیں اور اگر موقوف علیھم نے اس کی تعمیر اور اصلاح سے انکار کر دیا، یا عاجز ہو گئے تو قاضی کو اختیار ہوگا کہ شئی موقوف کو اپنے قبضہ میں لے لے اور تعمیر اور اصلاح کے بعد موقوف علیھم کے حوالہ کر دے۔ ۱

مریض نے اپنی نسل میں ہر اس شخص کے واسطے وقف کیا جو محتاج ہو ورنہ فقیروں کیلئے

اگر کسی شخص نے مرض الوفات میں اپنی جائداد وقف کرتے ہوئے یوں کہا کہ میری یہ زمین صدقہ موقوفہ ہے میری اولاد میں سے ہر اس شخص پر جو محتاج ہو اور میری اولاد و نسل میں سے ہر ایک کو اتنا مال دیا جائے کہ اس کے گذران کیلئے کافی ہو سکے اور اگر

ع۱ ولو کان الموقوف دارا فعمارته علی من له السکنی ولو متعددا من ماله ولم یزد فی الاصح یعنی انما تجب العمارة علیه بقدر الصفة التی وقفها الواقف ولو ابی من له السکنی او عجز لفقره عمر الحاکم الی آجرها الحاکم منه او من غیره وعمرها باجرتها کعمارة الواقف ولم یزد فی الاصح الا برضا من له السکنی زیلعی ولا یجبر الآبی علی العمارة ولا تصح اجارة من له السکنی بل المتولی او القاضی ثم ردها بعد التعمیر الی من له السکنی رعایة للحقین (درمختار) قوله ولا تصح اجازة من له السکنی) ای اذا لم یکن متولیا ولو زدت علی قدر حاجته ولا مستحق غیره (شامی صـ ۵۶۹ تا ۵۷۰ جـ ۶ دار الکتاب)

میری اولاد میں سے کوئی فقیر نہ ہوتو پورا غلہ فقیروں کے لئے وقف ہے،تو اس صورت میں واقف کی محتاج اولاد کی تعداد کے اعتبار سے غلہ اسی طرح تقسیم ہو گا اور ہرایک کو اتنا دیا جائیگا کہ جو اس کے پورے گھر والے (یعنی بچے بیوی، خادم، وغیرہ) کیلئے اسراف اور تنگی سے بچتے ہوئے سالانہ کھانے اور کپڑے اور دیگر خرچ میں کافی ہو سکے، اور جو اولاد مالدار ہو اس کو اس موقوفہ اشیاء میں سے نہیں ملے گا۔[1]

تولیت وقف

اوقاف کی جائداد کی حفاظت اور نگرانی اور ان کے انتظام کے لئے کسی شخص کو منتظم اور متولی بنانا ضروری ہے اس کے بغیر وقف کی جائداد کے ضیاع کا خطرہ ہے۔

متولی اور اس کے حقوق کی وضاحت

متولی اس شخص کو کہتے ہیں جو اشیاء اور جائداد موقوف کی نگرانی اور انتظام کے لئے مقرر کیا جاتا ہے، وہ صرف وقف کی حفاظت وانتظام وآمدنی وخرچہ کا استحقاق رکھتا ہے کوئی مالکانہ حیثیت اسے حاصل نہیں ہوتی، نہ کسی ایسے تصرف کا حق ہوتا ہے جو غرض واقف کے خلاف ہو یا شریعت سے اس کی اجازت نہ ہو، بلکہ ایسے متولی کو جو مالکانہ

ع[1] ولوقال المريض ارضی هذه صدقة موقوفة علی من احتاج من ولدی ونسلی يعطی كل واحد مايسع نفقته وان لم يكن فی ولده ونسله فقير فالغلة كلها للفقراء فان كا ن ولده ونسله فقراء قسمت الغلة بينهم علی عددرؤسهم يقدرلكل واحد منهم مايكفيه لنفقته ونفقة ولده وأمرته وخادمه بالمعروف بطعامهم وادامهم وكسوة سنة ......وان كان فيهم اغنيآء لايعطی من كان غنيامن ولده ونسله شيئا ويقسم بين الفقراء منهم علی عدد رؤسهم كذافی الحاوی(الفتاویٰ عالمگیریه صـ۴۵۲جـ۲)

قبضہ کرے یا غرض واقف کے خلاف کرے یا ناجائز تصرفات کرے، تو تولیت سے معزول اور علیحدہ کیا جاسکتا ہے۔[1]

متولی بننے کے شرائط

(۱) وقف کا متولی مسلمان ہونا چاہئے البتہ ولایت وقف کے صحیح ہونے کے لئے مسلمان ہونا شرط نہیں ہے خدانخواستہ مسلمانوں میں مندرجہ ذیل شرائط نہ پائے جائیں تو غیر مسلم کو بھی عارضی متولی بنایا جاسکتا ہے۔

(۲) متولی کا بالغ ہونا شرط ہے مال موقوف کا متولی بچہ نہیں ہوسکتا، اگر کسی وقف کرنے والے نے یہ شرط کردی ہو کہ اس وقف کی ولایت میری ان اولاد کو حاصل ہوگی جو میرے بعد زندہ رہے اور واقف کا لڑکا نابالغ ہے، تو قاضی اس بچہ کا ایک خلیفہ اس وقت تک کیلئے مقرر کردیگا جب تک کہ وہ بچہ بالغ ہوجائے۔

اسی طرح کسی وقف کرنے والے نے کسی بچہ کو اپنے وقف کا وصی مقرر کیا تو استحساناً اس بچہ کو بھی بلوغ کے بعد ولایت حاصل ہوگی۔

(۳) وقف کے متولی کا عقلمند ہونا شرط ہے، مجنون، پاگل متولی نہیں ہوسکتا۔

(۴) وقف کا متولی وہ شخص ہوگا جس نے ولایت کے واسطے خود درخواست نہ پیش کی ہو۔

(۵) متولی امانت دار ہو خائن متولی نہیں بن سکتا۔

(۶) شرط یہ ہے کہ متولی غیر فاسق ہونا چاہئے (یعنی ایسے گناہ کے کام کرنے والا نہ ہو جس سے مال وقف یا اس کی آمدنی کو خلل پہونچے) اور اگر سابقہ گناہ سے پکی اور سچی توبہ کرلے تو متولی بن سکتا ہے۔

ع[1] (کفایت المفتی ص۱۴۸ ج۷)

(۷) متولی کے اندر انتظام کی صلاحیت ہو بذات خود یا اپنے نائب کے ذریعہ کام کو انجام دینے پر قادر ہو۔[1]

عورت اور نابینا بھی متولی بن سکتا ہے

مال وقف کے متولی ہونے کے لئے مرد اور بینا (آنکھ والا) ہونا شرط نہیں ہے

[1] وينزع وجوبا بزازية لو الواقف درر فغير بالاولى غير مأمون او عاجزا و ظهر به فسق كشرب خمر ونحوه فتح او كان يصرف ماله في الكيمياء نهر وان شرط عدم نزعه اوان لاينزعه قاض ولاسلطان لمخالفته لحكم الشرع فيبطل كالوصى فلومامونا لم تصح تولية غيره اشباه (درمختار) قوله غير مأمون الخ) قال في الاسعاف ولايولى الاامين قادر بنفسه اوبنائبه لان الولاية مقيدة بشرط النظر وليس من النظر تولية الخائن لانه يخل بالمقصود وكذاتوليه العاجز لان المقصود لايحصل به وكذاالمحدود في القذف اذاتاب لانه امين وقالو من طلب التولية على وقف لايعطى له وهو كمن طلب القضاء لايقلد والظاهر انها شرائط الاولوية لاشرائط الصحة وان الناظر اذافسق استحق العزل ولاينعزل كالقاضي اذافسق لاينعزل على الصحيح المفتى به ويشترط للصحة بلوغه وعقله لاحريته واسلامه لما في الاسعاف الخ وفي انفع الوسائل عن وقف هلال لوقال ولايتها الى ولدى وفيهم الصغير والكبير يدخل القاضي مكان الصغير رجلا وان شاء اقام الكبار مقامه ثم نقل عنه مامر عن الاسعاف بهذه النقول صريحة بان الصبى لايصلح ناظرا وأما ما في الاشباه في احكام الصبيان من ان الصبى يصلح وصيا وناظرا ويقيم القاضي مكانه بالغا الى بلوغه كما في منظومة ابن وهبان من الوصايا (شامی ص۵۷۸ تا ۵۸۰ ج۶ دار الكتاب)

عورت اور نابینا شخص کے اندر وقف کے انتظام کی صلاحیت موجود ہو تو ان کو بھی متولی بنایا جاسکتا ہے۔[1]

البتہ متولیہ عورت اپنی نسائیت کی وجہ سے اور نابینا اپنی نگاہ نہ ہونے کی وجہ سے فرائض تولیت کو انجام نہیں دے سکتے، لہذا وہ کسی کو اپنا نائب مقرر کرسکتے ہیں۔[2]

متولی مقرر کرنے کا اختیار کس کو ہے

(۱) متولی مقرر کرنے کا حق اولاً وقف کرنے والے کو ہے

(۲) اگر واقف نہیں ہے تو اس کے بعد واقف کے وصی کو جس کو وقف کرنے والے نے اپنی زندگی میں اس طرح شرط لگادی ہو، کہ ہر وہ شخص میری زندگی میں اور میرے مرنے کے بعد، میرے مال موقوفہ کا متولی رہے گا تو واقف کی زندگی میں ہر شخص واقف کا وکیل رہے گا اور اس کے مرنے کے بعد وصی کہلائے گا۔

(۳) اگر وصی بھی باقی نہ رہا یا وقف کنندہ نے کسی کو وصی مقرر ہی نہیں کیا تھا تو تیسرے درجے میں وقف سے فائدہ اٹھانے والے کو متولی مقرر کرنے کا حق ہے

(۴) چوتھے درجے میں متولی مقرر کرنے کا حق محلّہ وشہر کے ان معاملہ فہم دیندار صالح اور مدقق لوگوں کو ہے جہاں جائداد موقوف ہے۔

(۵) پانچویں درجے میں متولی مقرر کرنے کا حق قاضی شرعی کو ہے۔[3]

ع[1] ویستوی فیہ الذکر والانثی وکذالاعمی والبصیر وکذاالمحدود فی القذف اذاتاب لانہ امین (الفتاوی الشامی صـ۵۷۸ تا ۵۷۹ جـ۶)

ع[2] جامع الاحکام صـ ۲۲۹ جـ۲)

ع[3] ولایة نصب القیم الی الواقف ثم لوصیہ لقیامہ مقامہ ثم اذا مات المشروط لہ بعد موت الواقف ولم یوص لاحد فولایةالنصب للقاضی (بقیہ اگلے صفحہ پر)

متولی بننے کا اولاً حق کس کو ہے

وقف کرتے وقت وقف کنندہ نے اپنے لئے تولیت کی شرط کرلی کہ اس کا متولی میں ہوں گا، تو ظاہر ہے کہ واقف ہی متولی ہوگا اگر مطلقاً وقف کیا اور کسی کیلئے تولیت کی صراحت نہیں کی ہے تو اس وقت بھی تولیت کا اولین حق واقف ہی کو ہے۔

اگر واقف وفات پا جائے اور کسی کو متولی نامزد نہیں کیا ہے، تو اس کی تولیت کا اختیار وصی کو حاصل ہے وصی چاہے تو خود جائداد موقوفہ کا انتظام سنبھالے یا کسی کو متولی نامزد کردے اگر وصی بھی نہیں ہے تو پھر اوپر جن کو متولی بنانے کا اختیار دیا تھا۔

(گذشتہ صفحہ کا بقیہ) اذلاولایة لمستحق الابتولیت کمامر(درمختار) قوله ولایة نصب القیم الی الواقف) قال فی البحر قدمنا ان الولایة للواقف ثابتة مدة حیاته وان لم یشترطها وان له عزل المتولی وان من ولاه لایکون له النظر بعد موته ای موت الواقف الابالشرط علی قول ابی یوسف ثم ذکر عن التتارخانیه ماحاصله ان اهل المسجد لواتفقوا علی نصب رجل متولیا لمصالح المسجد فعندالمتقدمین یصح ولکن الافضل کونه باذن القاضی ثم التفق المتاخرون ان الافضل ان لایعلموا القاضی فی زماننا لماعرف من طمع القضاة فی اموال الاوقاف وکذالک اذاکان الواقف علی ارباب معلومین یحصی عددهم اذانصبوا متولیا وهم من اهل الصلاح اه. قلت ذکروا مثل هذافی وصی الیتیم وانه لوتصرف فی ماله احدمن اهل السکة من بیع اوشراء جاز فی زماننا للضرورة وفی الخانیة انه استحسانا وبه یفتی واما ولایة نصب الامام والمؤذن فسیذکرها المصنف (قوله ثم لوصیة) فلونصب الواقف عند موته وصیا ولم یذکر من امرالوقف شیئا تکون ولایة الوقف الی الوصی بحر(فتاوی شامی صـ ۶۳۳ تا ۶۳۴ جـ۶ دارالکتاب)

وہ ہیں جس کو مناسب سمجھے متولی مقرر کرے مذکورہ ترتیب پر یعنی وصی۔کے نہ ہونے کی صورت میں جائداد موقوفہ سے فائدہ اٹھانے والا متولی مقرر کرلے، یا محلّہ والے یا پھر قاضی یا حاکم ۔[1]

وقف کا متولی امین ہو

وقف کی تولیت کا اولین حق واقف کو ہے مگر اس کا امانت دار ہونا ضروری ہے لہذا اگر واقف نے تولیت کی شرط اپنے لئے کی مگر وقف۔کے حق میں وہ امانت دار نہیں سمجھا جاتا ہے تو قاضی کو اختیار ہوگا کہ وقف کے جائداد کو اس کے قبضہ سے نکال کر کسی امانت دار کو متولی مقرر کرے ۔[2]

اسی طرح اگر وقف کرنے والے نے اپنے واسطے ولایت شرط کی اور یہ بھی شرط لگادی کہ قاضی کو اس کے معزول کرنے کا اختیار نہیں ہوگا، پس اگر واقف ولایت وقف کے واسطے امانتدار نہ ہوتو یہ شرط باطل ہوگی، اور قاضی کو اختیار ہوگا کہ اس کو معزول کرکے دوسرے کو متولی مقرر کردے ۔[3]

ع[1] جعل الواقف الولایة لنفسه جاز بالاجماع و کذا لولم یشترط لاحد فالولایة له عندالثانی وهوظاهر المذهب نهر خلافالما نقله المصنف ثم لوصیه ان کان والافللحاکم فتاوی ابن نجیم وقاری الهدایة وسیجی ء درمختار (قوله وسیجیء) ای فی الفصل الآتی وهو قول المتن" ولایة نصب القیم الی الواقف ثم لوصیه ثم للقاضی" (شامی صـ۵۷۷ جـ۶)

ع[2] ولو ان الواقف شرط ولایته لنفسه وکان الواقف غیر مامون علی الواقف فللقاضی ان ینزعها من یده نظر اللفقراء (هدایه صـ۶۲۴ جـ۲)

ع[3] ولوان الواقف شرط الولایة لنفسه وشرط ان لیس لسلطان اوقاضی عزله فان لم یکن هومامونا فی ولایة وقف کان الشرط باطلا وللقاضی ان یعزله ویولی غیره کذافی فتاویٰ قاضیخان(الفتاوی عالمگیریه صـ۴۰۹ جـ۲)

متولی کن صفات کا ہونا چاہئے اس سلسلے میں واقف کے منشاء کی رعایت کی جائے

جس طرح متولی کی شخصیت کے انتخاب اور متولی کی تعیین کے سلسلے میں واقف کے منشاء کی رعایت کی جاتی ہے اسی طرح متولی کے اوصاف کے متعلق بھی واقف کے منشاء کی رعایت کی جائے گی، جیسے واقف نے کہا کہ میری اولاد میں سے جو سب سے افضل ہوگا وہ متولی ہوگا تو قاضی اس کی اولاد میں سے افضل ترین شخص کا تولیت کیلئے انتخاب کرے گا[۱]

واقف کے مقرر کردہ نا اھل اور خائن متولی کو قاضی معزول کرسکتا ہے

واقف نے ایسا متولی مقرر کیا جو نااہل ہے یا خائن ہے یا گناہ کبیرہ کا مرتکب اور فاسق ہے تو قاضی پر لازم ہے کہ اس کو معزول کر کے دوسرا لائق متولی مقرر کرے۔[۲]

ع۱ قوله ولاية نصب القيم الى الواقف) قال فى البحر قدمنا ان الولاية للواقف ثابتة مدة حياته وان لم يشترطها (شامى صـ۶۳۳ جـ۶) دار الكتاب. ولوقال الواقف ولاية هذاالوقف الى الافضل فالافضل من ولدى وابى الافضل القبول فى الاستحسان الولاية لمن يليه فى الفضل لان اباء الافضل بمنزلةموته كذافى المحيط (الفتاوى عالمگيريه صـ۴۱۱ جـ۲)

ع۲ وينزع وجوبا بزازيه لو الواقف درر فغيره بالاولى غير مامون او عاجز او ظهر به فسق كثير كشرب خمر ونحوه فتح او كان يصرف ماله فى الكيمياء نهربحثا وان شرط عدم نزعه (درمختار) (قوله الواقف) اى لوكان المتولى هو الواقف (قوله فغيره بالاول) قال فى البحر واستفيد منه ان للقاضى عزل المتولى الخائن غير الواقف بالاولىٰ(شامى صـ۵۷۸ جـ۶)

بغیر کسی شرعی وجہ کے واقف یا وصی کے مقرر کردہ متولی کو معزول نہیں کیا جاسکتا

وقف کنندہ یا اس کے وصی نے کسی ایسے لائق شخص کو متولی مقرر کیا جس میں تولیت وقف کے تمام شرائط موجود ہیں، اور بعد میں بھی اس کے اندر خیانت اور ظاہر فسق کا ظہور نہ پایا گیا تو بلا وجہ ایسے متولی کو قاضی یا کوئی شخص معزول نہیں کرسکتا۔[۱]

واقف اپنے مقرر کردہ متولی کو بلا کسی سبب کے بھی معزول کرسکتا ہے

وقف کنندہ نے اپنی جائداد موقوفہ کا کسی کو متولی مقرر کیا تو اس کو معزول کرسکتا ہے اگر چہ متولی کے اندر اہلیت تولیت موجود ہو۔ اور اس سے خیانت اور ظاہری فسق وغیرہ کا ظھور بھی نہ ہوا ہو کیونکہ واقف کی طرف سے یہ متولی أصل میں اس کا وکیل ہے البتہ قاضی نے کسی مصلحت کی وجہ سے اپنے حکم کے ذریعہ اس کی تولیت کو برقرار رکھا تو پھر واقف اپنے مقرر کردہ متولی کو معزول نہیں کرسکتا۔[۲]

ع[۱] فلو مأمون لم تصح تولية غيره اشباه (درمختار) اذا كان للوقف متول من جهة الواقف او من جهة غيره من القضاة لايملك القاضي نصب متول آخر بلاسبب موجب لذلك وهو ظهور خيانة الأول اوشيء اخر (شامی صـ ۵۸۰ تا ۵۸۱ جـ ۶ دارلكتاب)

ع[۲] وفيها للواقف عزل الناظر مطلقا به يفتى ولولم يجعل ناظرا فنصب القاضي لم يملك الواقف اخراجه (درمختار) (قوله وفيها) اى فى الاشباه (قوله للواقف عزل الناظر مطلقا) اى سواء كان بجنحة اولا و سواء كان شرط له العزل اولا وهذا عند ابى يوسف لانه وكيل عنه الخ وذكر البيرى ان منصوب الواقف كذالك اذاقضى القاضى بقوامته لايملك الواقف اخراجه وعزاه للاجناس (الفتاوى شامى صـ ۶۴۱ تا ۶۴۲ جـ ۶)

کسی قاضی کے مقرر کردہ متولی کو بعد والا قاضی معزول نہیں کرسکتا

قاضی نے مال وقف پر کسی کو متولی مقرر کیا اور قاضی مرگیا یا اس کو معزول کردیا گیا تو جس کو وقف پر متولی مقرر کیا تھا وہ اپنے حال پر متولی رہے گا بعد میں آنے والا قاضی بلا کسی سبب کے اس متولی کو معزول کرکے دوسرا متولی مقرر نہیں کرسکتا۔[۱]

موقوفہ جائداد کے وصی کیلئے حدود اور دائرہ کار

(۱) وقف کرنے والا کسی شخص کو خاص کر جائداد وقف کا وصی کر گیا تو یہ شخص اس کے جملہ اموال کا وصی ہوگا۔[۲]

واقف کی جانب سے موقوفہ جائداد اور اولاد کا وصی اور اس کا حکم

(۲) اسی طرح ایک شخص کو خاص کر وقف کے واسطے وصی کیا اور دوسرے شخص کو اپنی اولاد کے واسطے وصی کیا یا ایک کو ایک وقف خاص کا وصی کیا اور دوسرے کو دوسرے وقف معین کا وصی کیا تو دونوں ان دونوں چیزوں کے واسطے وصی قرار پائیں گے۔[۳]

ع[۱] لومات القاضی اوعزل یبقی منه نصبه علی حاله کذا فی القنیه (الفتاوی عالمگیریه صـ۲۱۴جـ۳) وفی مجموع النوازل المتولی من جهة القاضی اذاامتنع من العمل فی ذلک بنفسه ولم یرفع الامر الی القاضی لیعزله ویقیم غیره مقامه هل یخرج عن کونه متولیا (الفتاوی الهندیه صـ۴۲۷جـ۲)

ع[۲] لواوصی الیه فی الوقف خاصة فهووصی فی الاشیاء کلها فی قول ابی حنیفة وابی یوسف رحمة الله تعالیٰ فی ظاهر الروایة وهوالصحیح کذا فی الغیاثیة (الفتاوی الهندیه صـ۴۰۹جـ۲)

ع[۳] وعلی هذالو اوصی الی رجل فی الوقف واوصی الی اخرفی ولده اوصی الی رجل فی وقف بعینه واوصی الی آخر فی وقف آخربعینه کانا وصیین فیهما جمیعا کذالک فی الذخیرة(الفتاوی الهندیه صـ۴۰۹جـ۲)

وصی متولی کے ساتھ شریک رہے گا مگر دوالگ الگ متولی ایک دوسرے کے شریک نہیں ہوں گے

اگر کسی واقف نے اپنے وقف کی ولایت کسی شخص کے واسطے کردی اور پھر دوسرے شخص کو وصی مقرر کیا تو وصی وقف کے معاملے میں متولی کے شریک ہوگا،

لیکن اگراس نے اس طور سے کہا کہ میں نے اپنی فلاں زمین فلاں شخص (مثلا میرے گھر سے پورب کی زمین زید پر) وقف کر کے اس کا متولی فلاں (خالد) کو مقرر کردیا اور دوسرے فلاں (عمرو) کو میں نے اپنے اموال ترکہ اور جمیع امور کے واسطے وصی مقرر کیا تو اس صورت میں دونوں (خالد اور عمرو) میں سے ہر ایک فقط اسی چیز کا تنہا متولی ہوگا جو اس کو سپرد کی گئی ہے[1]

اور اگر کسی شخص نے کہا میں نے فلاں (زید) کو وصی کیا اور پھر وصیت سے رجوع کیا تو وقف کا بھی متولی یہ ہی زید ہوگا یہ صورت جائز ہے (تو زید کے علاوہ جو شخص) متولی تھا وہ متولی ہونے سے خارج ہوجائے گا[2]

ع[۲] لو جعل ولاية وقفه لرجل ثم جعل رجلا آخر وصيا يكون شريكا للمتولي في امر الوقف الاان يقول وقفت ارضي على كذاوكذا وجعلت ولايتها لفلان وجعلت فلانا وصيا في تركاتي وجميع أموري فحينئذ يتفرد كل منهما بما فوض اليه كذا في البحر الرائق ناقلا عن الاسعاف (الفتاوى الهنديه صـ ۴۱۰ جـ ۲)

عـ[۱] واذا قال اوصيت الى فلان ورجعت عن كل وصية لي كانت ولاية الوقف اليه وخرج المتولي من ان يكون متوليا (الفتاوى الهنديه صـ ۴۱۰ جـ ۲)

(۳) اگر کسی نے اپنی وقف کی جائداداور اس کی ولایت اپنی زندگی اور بعد وفات کے ایک شخص کو دی پھر اپنی وفات کے وقت اس نے ایک اور شخص کو وصی مقرر کیا تو وصی مذکور متولی کے ساتھ امر وقف میں شریک ہوگا گویا اس نے ان دونوں کو وقف کا متولی مقرر کیا ہے۔ [۱]

دو علاحدہ موقوفہ جائداد کے دو متولی کا دائرہ کار

(۴) کسی وقف کرنے والے کی وقف کی جائداد دو ہیں، اور دونوں کے لئے الگ الگ دو شخص کو متولی مقرر کیا تو ان میں سے کوئی متولی دوسرے کے ساتھ شریک نہیں ہوگا۔ [۲]

واقف یکے بعد دیگرے متولیوں کی ترتیب قائم کرسکتا ہے

(۵) وقف کرنے والے نے شرط لگادی کہ میرے مرنے کے بعد میری جائداد موقوفہ کا فلاں متولی ہوگا پھر اس کے بعد فلاں ہوگا پھر اس کے بعد فلاں ہوگا تو یہ شرط جائز ہے اس ترتیب سے متولی ہوتا رہے گا۔ [۳]

ع[۱] ولو وقف ارضہ وجعل ولایتھا الی رجل حال حیاتہ وبعد وفاتہ فلما حضرتہ الوفاۃ اوصی الی رجل الی رجل ذکر ھلال عن محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ ان الوصی یشارک القیم فی امر الواقف کانہ جعل ولایۃ الوقف الیھما کذافی المحیط (الفتاوی الھندیہ ۴۰۹، ۴۱۰ جـ ۲)

ع[۲] ولو وقف ارضین وجعل لکل متولیا لایشارک احدھما الاخر (الفتاوی الھندیہ صـ ۴۱۰ جـ ۲)

ع[۳] وان شرط ان یلیہ فلان بعد موتی ثم بعدہ یلیہ فلان ثم بعدہ یلیہ فلاں فھذالشرط جائز کذا فی المحیط السرخسی (بقیہ اگلے صفحہ پر)

دومتولی یادووصی کےتصرف کاحکم

(٦) وقف کنندہ نے دو شخصوں کومتولی بنایا، یاوصی اور متولی دونوں کے اختیار میں وقف کی ولایت ہوگئی توان دونوں میں سے فقط ایک کو جائداد وقف میں تنہا تصرف کرنے اور غلۂ وقف کو فروخت کرنے کا اختیار نہ ہوگا، اور اگر دونوں میں سے کسی ایک نے غلۂ وقف فروخت کیا اور دوسرے نے اجازت دیدی یا ایک نے دوسرے کو اپنی طرف سے اس کا وکیل بنادیا تو بیع جائز ہوجائے گی ورنہ نہیں [1]

واقف نے متولی بناتے وقت شرط کردی کہ وہ کسی کووصی مقرر نہ کریگا

(٧) وقف کنندہ نے ایک شخص کو متولی مقرر کیا اور اس پر یہ شرط کرلی کہ اس کو یہ اختیار نہیں ہے کہ دوسرے کو اپنی طرف سے وصی مقرر کرے تو یہ شرط جائز ہے لہذا متولی مذکور کسی کو اپنا وصی مقرر نہیں کرسکتا [2]

(گزشتہ صفحہ کا بقیہ)(الفتاوی الھندیه صـ ١٠٤ جـ ٢) اذاشرط الواقف ولاية هذه الصدقة الى عبدالله ومن بعد عبدالله الى زيد فمات عبدالله واوصى الى رجل ان يكون الوصى ولاية مع زيد قال لايجوز له ولاية مع زيد (الفتاوى، الشامى صـ ٦٤٠ جـ ٦)

ع[1] واذاجعل الواقف الولاية الى اثنين اوصارت الولاية الى الوصى والمتولى لم يكن لاحدهما بيع غلة الوقف وينبغى على قول ابى حنيفة رحمة الله عليه تعالى ان يكون له ذلک فان باع احدهما واجاز الاخر اووكل احدهما صاحبه به جاز وكذافى الحاوى (الفتاوى الهنديه جـ ١٠٤ جـ ٢)

ع[2] وان اوصى الى رجل فى وقفه واشترط عليه انه ليس له ان يوصى الى غيره جاز الشرط كذا فى الظهيريه (الفتاوى الهنديه صـ ١٠٤ جـ ٢)

دومقرر کردہ وصی میں سے ایک نے مرتے وقت ایک جماعت کو وصی کیا

وقف کرنے والے نے دو شخص کو وصی مقرر کیا تھا مگر ان میں سے ایک وصی مرگیا مگر مرنے سے قبل اس نے ایک جماعت کو وصی مقرر کر دیا تو ان میں سے کوئی تنہا تصرف کا مختار نہیں ہوگا اور نصف غلہ اس جماعت کے قبضہ میں رہے گا جو فوت شدہ وصی کے قائم مقام ہے۔[1]

واقف اور متولی کی تولیت اور وصیت دم آخر میں اور تصرف

اگر وقف کرنے والے نے کہا کہ میری موت کے بعد فلاں فلاں دو شخص اس کے متولی ہیں پھر دونوں میں سے ایک مرگیا مگر مرتے وقت دوسرے متولی کو اپنی طرف سے امر وقف کا وصی نامزد کر گیا تو زندہ متولی کا تصرف دونوں کی طرف سے تمام وقف میں جائز ہوگا۔[2]

واقف دو آدمیوں کو اپنا وصی مقرر کر گیا پھر ان میں سے ایک نے قبول کیا اور دسرے نے تولیت سے انکار کر دیا تو قاضی منکر کی جگہ کسی دوسرے شخص کو متولی بنادے گا تاکہ واقف کی منشاء کے مطابق دو شخص کی رائے سے وقف کا انتظام انجام پائے اور اگر قاضی نے تمام ولایت اسی متولی کو جس نے قبول کیا ہے دیدی تو جائز ہے۔[3]

ع[1] وان مات احدالوصین واوصی الی جماعة لم یتفرد واحد بالتصرف ویجعل نصف الغلة فی یدالجماعه الذین قاموا مقام الوصی لها کذافی الحاوی (الفتاوی الهندیه صـ ۴۱۰ جـ ۲)

ع[2] ولوان الواقف جعل ولایة الوقف الی رجلین بعد موته ثم ان احد الرجلین اوصی الی صاحبه فی امر الوقف ومات جاز تصرف الحی منهما فی جمیع الوقف کذا فی فتاوی قاضیخاں (الفتاوی الهندیه صـ ۴۱۰ جـ ۲)

ع[3] ولواوصی الی رجلین فقبل احدهما وابی الاخر فالقاضی یقیم مکانه لرجل آخر حتی یجتمع رأی الرجلین کماقصدالواقف ولوفوض القاضی الولایة تمامها الی هذاالذی قبل جاز وهذایجب ان یکون بلاخلاف کذافی الظهیریة (الفتاوی الهندیه ۴۱۰ جـ ۲)

واقف نے ایک مرد اور ایک بچہ کو وصی مقرر کیا

اگر وقف کنندہ نے ایک مرد اور ایک نابالغ بچہ کو وصی مقرر کیا تو قاضی اس بچہ کی جگہ کسی دوسرے مرد کو متولی مقرر کرے گا۔[1]

واقف کا اپنی اولاد کو متولی بنانے کی مختلف صورتیں

اگر وقف کنندہ نے اصل وقف میں اپنے اور اپنی اولاد کے واسطے ولایت شرط کردی تو یہ بالاجماع جائز ہے اولاد کے لئے تولیت شرط لگانے کی مختلف صورتیں ہیں۔

واقف نے شرط لگائی کہ میری اولاد میں سے جو افضل ہو وہ متولی ہوگا

(۱) وقف کرنے والے نے ولایت وقف کی شرط، اس شرط پر کی کہ اولاد میں سے جو افضل ہو وہ متولی ہوگا پھر اس کے بعد جو افضل ہو وہ متولی ہوگا، تو اس ترتیب سے وقف کی ولایت واقف کی اولاد میں سے افضل ہی کو ہوگی پھر اگر افضل مذکور بعد میں فاسق ہوگیا تو ولایت اس شخص کو ہوگی جو فضیلت میں اس کے مثل بالترتیب قریب ہے پھر اگر افضل مذکور بعد میں فاسق ہوگیا تو ولایت اس شخص کو ہوگی جو فضیلت میں اس کے مثل بالترتیب قریب ہے پھر اگر افضل نے فسق چھوڑ کر توبہ کرلی اور دوسرے کی نسبت اعدل و افضل ہوگیا تو ولایت وقف اس کی طرف منتقل ہو جائے گی۔[2]

ع[1] ولو اوصی الی رجل وصبی اقام القاضی بدل الصبی رجلا کذافی الحاوی (الفتاوی الهندیه ۴۱۰ صـ۲)

ع[2] لو شرط الولایة لولده علی ان یلیها الافضل فالافضل من ولده تکون الولایة الی افضل اولاده فان صار افضلهم فاسقافالولایة ممن یلیه فی الفضل فان ترک الافضل الفسق وصار اعدل وافضل من الثانی فالولایة تنتقل الیه فی ظاهر الروایة کذا فی محیط السرخسی(الفتاوی الهندیه صـ۴۱۱ جـ۲)

واقف کی تمام اولاد افضلیت میں برابر ہوتو بڑا متولی ہوگا

(۲) وقف کرنے والے ولایت وقف اپنی افضل اولاد کے واسطے قرار دی اور تمام اولاد فضیلت میں برابر ہے تو ولایت اس شخص کو حاصل ہوگی جو ان میں سب سے بڑا ہو خواہ مذکر ہو یا مؤنث اور اگر ان سب میں کوئی ولایت کے لائق نہیں ہے تو قاضی کسی اجنبی کو متولی مقرر کردے گا یہاں تک کہ ان میں سے کوئی اس کے لائق ہو جائے تو اس کو واپس کردے گا۔[۲]

واقف کی مؤنث اولاد بھی تولیت کی مستحق ہے

اگر وقف کرنے والے نے ولایت وقف اپنی اولاد میں سے دو آمیوں کے واسطے قرار دی، حالانکہ ان میں سے ایک مذکر اور ایک مؤنث دونوں لائق ولایت ہیں تو مؤنث اس کے ساتھ ولایت میں شریک ہوگی، کیونکہ فرزند کا اطلاق لڑکی پر بھی ہوتا ہے اور اگر واقف نے صراحت کردی کہ ولایت میری اولاد میں سے دو مذکر کو ہے تو ایسی صورت میں لڑکی کا کچھ حق نہیں ہے۔[۱]

فضیلت میں مساوات کی صورت میں واقف کی تجربہ کار اولاد مستحق تولیت ہے

واقف نے ولایت وقف کیلئے افضل ترین اولاد کے واسطے شرط کی اور ان اولاد

ع[۲] ولو جعل الولاية لافضل اولاده وكانوا فى الفضل سواء تكون لاكبرهم سناذكرا كان او انثى ولولم يكن فيهم احد اهلالها فالقاضى يقيم اجنبيا الى ان يصير احدمنهم اهلالها فتردااليه (الفتاوى الهنديه صـ ۴۱۱ جـ ۲)

ع[۱] ولو جعلها لاثنين من اولاده وكان منهم ذكر وانثى صالحان للولاية تشاركا فيها لصدق الولد عليها ايضا بخلاف مالو قال لرجلين من اولادى فانه لاحق لها حينئذ كذا فى البحر الرائق (الفتاوى الهنديه صـ ۴۱۱ جـ ۲)

میں سے دو باقی اولاد سے افضل ہیں اور افضلیت میں دونوں برابر ہیں تو ان میں سے جو شخص وقف کے معاملہ میں زیادہ تجربہ کار اور دانا ہو، وہی متولی ہوگا اور اگر ان دونوں میں سے ایک پرہیزگاری اور صلاحیت میں زیادہ ہو، اور دوسرا امور وقف میں زیادہ تجربہ کار ہو اور دانا ہو تو دانا ہی ولایت کا مستحق ہوگا بشرطیکہ اس کی جانب سے امن حاصل ہو۔[۱]

واقف کے نابالغ اور قاضی کے بالغ وصی مقرر کرنے کا حکم

واقف نے اپنے نابالغ لڑکے کو وصی مقرر کیا پھر اس پر قاضی نے ایک بالغ مرد کو وصی مقرر کیا تو جب یہ لڑکا بالغ ہو جائے تو اس کو اختیار نہیں ہوگا کہ وصی کو بغیر قاضی کے حکم کے خارج کر دے قاضی کے حکم سے خارج کر سکتا ہے۔[۲]

ولایت وقف کو معلق کرنے کا حکم

کسی نے کہا کہ میرے اس وقف کا ولی اس وقت تک عبداللہ رہے گا جب تک زید نہ آجائے تو جب تک زید نہ آجائے عبداللہ ولی رہے گا زید کے آنے کے بعد حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دونوں متولی ہوں گے۔

ع[۱] ولو ولی القاضی افضلهم ثم صار فی ولده من هو افضل منه فالولاية اليه واذااستوی الاثنان فی الصلاح فالاعلم بامر الوقف اولی ولو كان احدهما اكثر ورعا وصلاحا والآخر اعلم بامور الوقف فالاعلم اولی بعد ان يكون بحال تؤمن خيانته كذافی الذخيرة فی الحاوی (الفتاوی الهنديه صفحه ۴۱۱ جلد ۲)

ع[۲] اذااوصی الی ابنه الصغير جعل القاضی له وصيا فاذابلغ لم يكن له ان يخرج الوصی الابامر القاضی كذافی التتارخانيه (الفتاوی الهنديه صـ ۴۱۱ جـ ۲)

اگر یوں کہا کہ پھر جب زید آجائے تو ولایت وقف صرف اسی کو ہوگی تو اس صورت میں زید کے آنے کے بعد ولایت وقف عبداللہ سے منقطع ہوجائے گی اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ پہلی صورت میں بھی ولایت وقف زید کی طرف منتقل ہوگی۔

اور اگر یوں کہا کہ ولایت وقف عبداللہ کے واسطے جب تک وہ بصرہ میں ہے یاولایت وقف میری بیوی کے واسطے جب تک وہ میرے مرنے کے بعد شادی نہ کرلے تو ان صورتوں میں ولایت وقف شرط پر معلق رہے گی شرط کے ختم ہونے کے پر ولایت ختم ہوجائے گی۔[1]

واقف نے اپنی اولاد کیلئے ولایت شرط کی تو قاضی اس کے خلاف دوسرے کو متولی نہیں بنا سکتا

اگر وقف کنندہ نے یہ شرط لگائی کہ متولی میری اولاد یا اولاد کی اولاد میں سے ہوگا تو قاضی کو اختیار نہیں ہوگا کہ بلاظہور خیانت کسی دوسرے کو متولی بنادے اگر واقف کی اولاد کے علاوہ کسی کو متولی نامزد کردیا تو وہ دوسرا شخص متولی نہیں ہوگا۔[2]

ع[1] ولوجعل الولاية الى عبدالله حتى يقدم زيد فهو كما قال فاذا قدم زيد فكلاهما واليان عند ابى حنيفةؒ كذافى الظهيريه الاان يقول فاذاقدم فلان فالولاية اليه فحينئذ لايكون للحاضر ولاية اذاقدم الغائب وقال ابويوسف وهلالؒ الولاية تنقل الى القادم وزالت ولاية الحاضر كذا فى محيط السرخسى ولوقال ولايتها الى عبدالله مادام بالبصره فهو على ماشرط وكذالك لوقال الى امرأتى مالم تتزوج فاذاتزوجت فلاولاية لها (الفتاوى الهنديه صـ ۴۱۱ جـ ۲)

ع[2] قال فى جامع الفصولين لوشرط الواقف ان يكون المتولى من اولاده واولاداولاده هل للقاضى ان يولى غيره بلاخيانة ولوولاه هل يكون متوليا قال شيخ الاسلام برهان الدين فى فوائده لا كذا فى النهر الفائق (الفتاوى الهنديه صـ ۴۱۲ جـ ۲)

قاضی کی وفات وعزل کے بعد بھی اس کا قائم کیا ہوا متولی رہے گا

اور اگر قاضی وفات پا گیا یا معزول کر دیا گیا تو جس وقف پر قاضی نے متولی مقرر کیا تھا وہ اپنے حال پر متولی رہے گا کوئی اس کو ہٹا نہیں سکتا۔[۲]

واقف کے گھرانہ میں جب کوئی متولی ہونے کے لائق ہو تو قاضی دوسرے کو متولی نہیں بنا سکتا

واقف نے کسی کو متولی نہیں بنایا مگر اس کے گھرانہ اور خاندان میں سے کوئی شخص متولی وقف ہونے کے لائق موجود ہو تو قاضی کسی اجنبی کو متولی نہیں بنا سکتا اور اگر کوئی لائق موجود نہیں تھا پھر قاضی نے کسی اجنبی کو متولی بنا دیا پھر اس کے خاندان میں سے کسی کے اندر اہلیت تولیت پیدا ہو گئی تو اجنبی شخص سے خاندان کے اہل شخص کو ولایت وقف واپس کر دی جائے گی۔[۳]

واقف نے اپنی بیوی کے لئے تولیت کی

اگر واقف نے یہ شرط لگا دی کہ میری جائداد موقوفہ کی متولیہ میری بیوی ہو گی تو

ع[۲] ولومات القاضی اوعزل یبقی من نصبه علی حاله کذافی القنیة(الفتاوی الهندیه صـ۴۱۲ جـ۲)

ع[۳] ومادام احد یصلح للتولیة من اقارب الواقف لایجعل المتولی من الاجانب لانه اشفق ومن قصده نسبة الواقف الیهم (درمختار) قوله مادام احدالخ)المسئلة فی کافی الحاکم ونصها ولایجعل القیم فیه من الاجانب ماوجد فی ولدالواقف واهل بیته من یصلح لذلک فان لم یجد فیهم من یصلح لذلک فجعله الی اجنبی ثم صار فیهم من یصلح له صرفه الیه(الفتاوی الشامی صـ۶۳۷ تا ۶۳۸ جـ۶)

اگر بیوی کے اندر اھلیت موجود ہو تو بیوی متولیہ ہوگی ورنہ قاضی کسی اور کو متولی بنادے گا۔[1]

بیوی کی تولیت کے لئے معلق شرط لگائی

اگر وقف کرنے والے نے یہ شرط لگادی کہ میری بیوی کیلئے ولایت وقف ہے جب تک وہ کسی سے نکاح نہ کرلے، اور اگر وہ نکاح کرلے گی تو اس کے واسطے ولایت نہیں ہوگی تو واقف کے قول کے مطابق اس کی بیوی متولیہ ہوگی، اور اگر کسی سے نکاح کرلیا تو پھر وہ واقف کے مال موقوفہ کی متولیہ نہیں بن سکتی۔[2]

واقف کی لڑکی بھی متولی بننے کی مستحق ہے

وقف کنندہ نے اپنی اولاد دراولاد متولی ہونے کی شرط لگادی تو واقف کے لڑکوں کی اولاد کیساتھ لڑکیوں کی اولاد بھی ولایت وقف کی مستحق ہوگی، مگر لڑکوں کی اولاد میں تولیت کے قابل اشخاص موجود ہوں، تو اس کو مقدم رکھنا مناسب ہے لازم اور فرض نہیں ہے، لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کی اولاد میں تولیت وقف کے قابل ہیں تو لڑکیوں کی اولاد کو بھی لڑکوں کی اولاد کیساتھ ٹرسٹ میں شامل کرنا چاہیئے۔[3]

ع[1] فتاوی ابن نجیم وفیها سئل عمن شرط السکنی لزوجته فلانه بعد وفاته مادامت عزباء فمات وتزوجت وطلقت هل ینقطع حقها بالتزویج؟ اجاب : نعم (درمختار) الاان یشترط ان من مات زوجها او طلقها عادحقها(الفتاوی شامی صـ۶۷۵ جـ۶)

ع[2] وکذالک لوقال الی امرأتی مالم تتزوج فاذاتزوجت فلاولایة لها(الفتاوی الهندیه صـ۴۱۱ جـ۲)

ع[3] کفایت المفتی صـ۱۶۸ جـ۷)

خاندان کی تولیت کی شرط میں خاندان کی لڑکیاں بھی شامل ہوں گی

وقف کنندہ نے تولیت وقف میں یہ شرط لگائی کہ میرے خاندان کا آدمی متولی ہوگا اور خاندان میں لڑکوں کی اولاد قابل ہیں تو وہ مقدم ہوں گے مگر لازم وفرض نہیں ہے اور اگر لڑکوں کی اولاد میں سے کوئی قابل نہیں مگر لڑکیوں کی اولاد میں کوئی قابل تولیت ہے تو وہ متولی ہوگا۔[1]

واقف کی اولاد کو انتظام میں دخل دینے کی ایک صورت

کسی نے اپنی حمیت اور دینی فکر وقوت سے ایک مدرسہ اپنے مکان میں قائم کیا اور ایک کمیٹی تشکیل دیکر ادارہ کو مضبوط ومستحکم بنانے کی ہمہ تن توجہ ومحنت کی اور کافی جائداد موقوفہ کا انتظام ہوگیا پرانے ممبران کے ختم ہونے کے بعد نئے ممبران تشکیل دیئے گئے اور واقف کا بھی انتقال ہوگیا اور کچھ ممبران کی وجہ سے ترقی رک گئی تو واقف کی اولاد دخیل بن کر مدرسہ کو ترقی دینا چاہیں تو حضرت مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہیؒ فرماتے ہیں صورت مسئولہ میں موجودہ ممبران اصل متولی مرحوم کے مقرر کردہ ہیں اور ان کو حق تھا کہ جس کو متولی مقرر کریں اور اب ان کی اولاد کو دخل دینے کا حق نہیں ہے تاوقتیکہ ممبران کی طرف سے کوئی خیانت ظاہر ہو، البتہ ممبران خیانت کریں تو واقفین کو حق حاصل ہے کہ قاضی کے یہاں دعوی کر کے ممبران کی تولیت ختم کردے نیز موجودہ متولیوں کو اس وقف کو اپنی ملکیت قرار دینا درست نہیں ہے۔[2]

ع[1] کفایت المفتی ص۱٦٨ ج ٧)

ع[2] وللمتولی ان یفوض لغیرہ عندموتہ کالوصی لہ ان یوصی الی غیرہ (الفتاوی العالمگیریہ ص۴١٢ ج۲ رشیدیہ) المتولی اذاارادان یفوض الی غیرہ عندالموت الولایۃ بالوصیۃ یجوز (الفتاوی التتارخانیہ ص۴۴٧ ج۵ ادارۃ القرآن کراچی) رجل وقف ارضا او دارہ او دفعھا (بقیہ اگلے صفحہ پر)

عاق اولاد کی تولیت کا حکم

واقف نے اپنی اولاد کیلئے اپنے وقف کی تولیت شرط کردی مگر اپنی زندگی ہی میں بعض لڑکے کو اس کی بدسلوکی کی وجہ سے عاق کردیا تو یہ عاق شدہ لڑکا متولی نہیں ہوگا مگر اس عاق شدہ لڑکے کی اولاد قابل ہے تو وہ متولی بن سکتی ہے عاق ہونے کا اثر اس عاق کی اولاد میں نہیں آئے گا۔[1]

واقف کا اپنے بیٹے کی تولیت کا حق ساقط کرنا

واقف نے اپنی کوئی جائداد وقف کی اور یہ شرط لگادی کہ میرے بعد میرا بیٹا اس موقوفہ جائداد کا متولی نہیں ہوسکتا ہے تو واقف کی شرط کے مطابق اس کے بیٹے کی تولیت کا جو اولاً حق تھا وہ ختم ہوگیا اب اگر واقف نے کسی کو متولی بنادیا ہے تو وہی رہے گا اور اگر کسی کو متولی نامزد نہیں کیا ہے تو اہل محلّہ یا قاضی جس کو مناسب سمجھے متولی بنادے اگر واقف کے بیٹے کو ہی مناسب سمجھے تو متولی بنا سکتا ہے۔[2]

(بقیہ گذشتہ صفحہ) الی رجل وولاه القیام بذالک فجحد المدفوع الیه فهو غاصب یخرج الارض من یده والخصم فیه الواقف (الفتاوی العالمگیریه صـ۴۴۷ جـ۲ رشیدیه) اذاانکر والی الواقف ای قیم الواقف فهو غاصب فیخرج من یده فان نقص منها شیء بعد الجحود فهو ضامن (الفتاوی التتارخانیه صـ۸۲۱ جـ۵) اذاصح الوقف لم یجز بیعه ولاتملیکه (هدایه صـ۶۷۰ جـ۲) ماخوذومستفاد فتاوی محمودیه صـ۳۸۰، ۳۸۱ جـ۲)

ع[1] کفایة المفتی صـ۱۶۳ جـ۷)

ع[2] مستفاد کفایت المفتی صـ۱۵۷ جلد۷)

واقف کا مقرر کردہ متولی خود سے معزول نہیں ہوسکتا

وقف کنندہ کی طرف سے کوئی شخص متولی مقرر ہوا تھا پھر اگر مذکور متولی یہ کہے کہ میں تولیت سے دست بردار اور معزول ہوتا ہوں تو وہ خود سے معزول نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ وقف کنندہ یا قاضی کے پاس استعفاء پیش نہ کرے پھر واقف اور قاضی متولی کو خارج کردے تو خارج ہوسکتا ہے، کیونکہ واقف کی طرف سے مقرر کردہ متولی وکیل ہے جو خود مستعفی نہیں ہوسکتا ہے۔[۲]

اگر متولی مرگیا تو دوسرا متولی مقرر کرنے کا اختیار واقف کو ہے

واقف نے کسی کو متولی مقرر کیا مگر متولی وقف واقف کی موجودگی ہی میں انتقال کرگیا تو دوسرے کو متولی مقرر کرنے کا اختیار واقف کو ہے نہ کہ قاضی یا کسی اور کو[۳]

ع[۲] ولوعزل الناظر نفسه ان علم الواقف او القاضی صح والالا (درمختار) (قوله ان علم الواقف اولقاضی) فهو كالوكيل اذاعزل نفسه وقدمنا تمام الكلام علی عزل نفسه وفراغه لآخر وظاهر هذاانه ينعزل بلاعزل لكن فی الاشباه فی بحث ما يقبل الاسقاط قال وفی القنيه الناظر المشروط له النظر اذاعزل نفسه لاينعزل الاان يخرجه الواقف او القاضی (شامی صـ ۶۴۱ تا ۶۴۲ جـ ۶)

ع[۳] ثم اذامات المشروط له بعدموت الواقف ولم يوص لاحد فولاية النصب للقاضی (درمختار) قوله بعدموت الواقف الخ)قيد به لانه لومات قبله قال فی المجتبی: ولاية النصب للواقف وفی السير الكبير قال محمدالنصب للقاضی اه وفی الفتاوی الصغری الرأی للواقف لاللقاضی اه (الفتاوی الشامی صـ ۶۳۶ جـ ۶)

متولی زندگی میں کسی کو متولی نہیں بنا سکتا البتہ مرتے وقت کسی کو متولی بنا سکتا ہے

متولی وقف اگر اپنی زندگی ہی میں اپنے علاوہ کسی کو متولی بنانا چاہے تو وہ نہیں بنا سکتا، ہاں اگر واقف نے اس کو تمام اختیارات دیدیئے تھے تو پھر جائز ہے۔

لیکن متولی مرنے کے وقت علی الاطلاق کسی کو متولی بنا سکتا ہے خواہ واقف نے اس کو متولی بنانے وغیرہ کا اختیار دیا ہو یا نہ دیا ہو۔[۱]

متولی وقف مرتے وقت کسی کو وقف سپرد کردے تو کیا اس دوسرے متولی کو بھی سابق کی طرح مال ملے گا

متولی وقف کو اختیار ہے کہ اپنی موت کے وقت کسی اور کو وقف سپرد کر کے متولی بنادے جیسے کہ وصی کیلئے جائز ہے کہ وہ مرتے وقت دوسرے کو بھی وصی بنادے۔ لیکن متولی اول کیلئے واقف نے سالانہ یا ماہانہ کچھ مال لینا طے کیا تھا وہ مال اس متولی ثانی کو فوری نہیں ملیگا بلکہ قاضی کے پاس اس معاملہ کے سلسلے میں مقدمہ پیش کرنا ہوگا تا کہ قاضی اس کے واسطے اجرت مثل مقرر کردے۔ لیکن اگر واقف نے خود یہ اختیار ہر

ع[۱] اراد المتولی اقامة غیره مقامه فی حیاته وصحته ان کان التفویض له بالشرط عاما صح ولایملک عزله الااذکان الواقف جعل له التفویض والعزل والافان فوض فی صحته لایصح وان فی مرض موته صح (درمختار) قوله والا ای وان لم یکن التفویض له عاما لایصح وقوله فان فوض فی صحته الاولی حذفه لان الکلام فی الصحة وحینئذ فقوله وان فی مرض موته مقابل لقوله فی حیاته وانما صح اذافوض فی مرض موته وان لم یکن التفویض له عاما لمافی الخانیة من انه بمنزلة الوصی وللوصی ان یوصی الی غیره اه (الفتاوی الشامی ص۶۳۸ تا ۶۳۹ ج۶)

متولی کو دیدیا ہو تو بغیر قضاء قاضی کے صرف متولی اول کے پاس تولیت سپرد کرتے ہی متولی ثانی کیلئے اجرت معلومہ مقرر ہو جائے گی، اور قاضی کو یہ اختیار نہیں ہوگا کہ متولی ثانی کیلئے وہی اجرت قرار دے جو واقف نے اپنے متولی اول کیلئے قرار دیا تھا۔[1]

واقف کی وفات کے بعد متولی بھی بغیر کسی کو متولی مقرر کئے مر گیا

وقف کرنے والے کے انتقال کے بعد اس کا مقرر کردہ متولی بھی وفات پا گیا اور کسی کو متولی مقرر نہیں کر گیا اور واقف کا کوئی وصی نہیں ہے تو پھر متولی مقرر کرنے کا حق قاضی کو ہوگا۔[2]

تولیت میں شرعاً وراثت درست نہیں

واقف نے کسی کو متولی نامزد نہیں کیا اور متولی مختلف خاندانوں کے لوگ ہوتے رہے بعد میں ایسے متولی مقرر ہوئے جس نے اس میں وراثت جاری کردی کہ میرے بعد میری اولاد در اولاد متولی ہو یا متولی مذکور نے کسی کو متولی نہیں بنایا مگر اسکی اولاد نے خود سے متولی ہونے کا استحقاق ظاہر کر دیا تو یہ سب ناجائز ہے مسلمان اور قاضی جس کو چاہے

ع[1] وللمتولی ان یفوض لغیرہ عند موتہ کالوصی لہ ان یوصی الی غیرہ الاانہ ان کان الواقف جعل لذلک المتولی مالا مسمی لم یکن ذلک لمن اوصی الیہ بل یرفع الامر الی القاضی اذاتبرع بعملہ لیفرض لہ اجر مثلہ الاان یکون الواقف جعل ذلک لکل متولی ولیس للقاضی ان یجعل للذی کان ادخلہ ما کان الواقف جعلہ للذی کان ادخلہ کذافی فتح القدیر (لفتاوی الھندیہ ص۴۱۲ ج۲)

ع[2] ثم اذا مات المشروط لہ بعدموت الواقف ولم یوص لاحد فولایۃ النصب للقاضی (درمختار علی ھامش الشامی ص۶۳۶ ج۶)

متولی بنائے تولیت میں وراثت نہیں ہے البتہ واقف کی اولاد میں قابلیت ہو تو وہ متولی ہونے کی زیادہ حقدار ہے۔[۱]

وقف میں شرعاً سجادہ نشیں کوئی چیز نہیں

واقف نے یا مسلمانوں نے کسی کو بغیر قیود وشرائط کے متولی بنایا تو اس کی وفات کے بعد عام مسلمانوں کو یا قاضی کو اختیار ہے کہ وہ کسی کو متولی بنائے متولی اپنی زندگی میں اپنے بیٹے کو یا متولی کی وفات کے بعد اس کا بیٹا خود سے متولی نہیں بن سکتا، بعض شیخ کی وفات کے بعد مریدین اس کے بیٹے کو جائداد موقوفہ متولی بنا دیا کرتے ہیں بلکہ بنانے کی بھی ضرورت نہیں ہے خود ہی باپ اور شیخ کے تمام املاک پر قابض ہو جاتے ہیں اب یہی حال پیری مریدی میں بھی ہے کہ پیر کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا ہی مریدوں کا شیخ ہوتا ہے خواہ کتنا ہی نااہل اور عورت پرست اور امرد پرست ہو۔[۲]

کیا قاضی ایک متولی کو ہٹا کر دوسرا مقرر کر سکتا ہے

اگر قاضی نے وقف کے لئے ایک متولی اور قیم نے دوسرا متولی مقرر کیا تو پہلا معزول نہیں ہوگا بشرطیکہ واقف کی طرف سے مقرر کردہ ہو اور اگر خود قاضی کا مقرر کردہ ہے اور دوسرے کے مقرر کرنے پر اس کو آگاہ کر دیا تو معزول ہو جائیگا۔[۳]

واقف یا اس کے وصی نے متولی کی تولیت کو اپنی وفات کے بعد تک عام نہیں کیا

واقف جتنی مدت تک کیلئے چاہے ایک یا کئی متولی مقرر کر سکتا ہے اگر واقف یا

ع[۱] مستفاد کفایت المفتی صـ۱۵۰ جـ۷)

ع[۲] مستفاد فتاوی مفتاح العلوم غیر مطبوعہ)

ع[۳] نصب القاضی قیماً آخر لاینعزل لاول ان کا ن منصوب الواقف وان کان منصوبه ویعمله عند نصب الثانی ینعزل (الفتاوی الهندیه صـ۴۱۳ جـ۲)

اس کے وصی نے متولی کی تولیت کو اپنے موت کے بعد تک عام نہیں کیا تو واقف یا وصی کی موت کیساتھ متولی کی تولیت ختم ہو جائے گی۔

معزول کیے ہوئے متولی نے وقف کی چیز اجارہ پر دی تھی تو اجرت کون وصول کرے

اگر متولی وقف نے وقف کی کوئی چیز کرایہ پر دی تھی اور پھر وہ معزول ہو گیا اور اس کے بعد دوسرا قیم مقرر ہوا تو اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ اجرت اور کرایہ کون وصول کریگا مگر صحیح یہ ہے کہ نیا مقرر کیا ہوا متولی ہی وصول کریگا۔[1]

واقف نے ایک وقف پر متولی بنایا پھر دوسرا وقف کیا

کسی شخص نے اپنی ایک جائداد وقف کر کے اس پر کسی کو متولی بنادیا پھر دوسری جائداد وقف کی اور اس پر کسی کو متولی نہیں بنایا تو متولی مذکور وقف دوم کا متولی نہیں ہوگا، ہاں اگر واقف نے متولی سے یوں کہدیا ہو کہ تو میرا وصی بھی ہے تو پھر یہ متولی وقف دوم کا بھی متولی ہوگا۔[2]

متولی واقف کی قوم سے ہونا ضروری نہیں

اگر واقف نے صراحت کردی کہ میری جائداد موقوفہ کا متولی میری قوم سے ہوگا تو واقف کی شرط کے خلاف دوسری قوم کا آدمی متولی نہیں ہوسکتا اور اگر واقف نے کوئی صراحت نہیں کی ہے تو قاضی جس کو مناسب سمجھے متولی مقرر کرسکتا ہے واقف کی

ع[1] اجر القیم ثم عزل ونصب قیم آخر فقبل اخذ الاجرا للمعزول والاصح انه للمنصوب لان المعزول آجرها الوقف لا لنفسه (الفتاوی الهندیه صـ ۴۱۳ جـ ۲)

ع[2] ولو نصب متولیا علی وقف ثم وقف وقفا آخر ولم یجعل له متولیا لایکون المتولی الاول متولیا علی الثانی الاان یقول انت وصی کذا فی البحر الرائق (الفتاوی الهندیه صـ ۴۱۰ جـ ۲)

قوم کا آدمی ہی متولی ہو ضروری نہیں۔[1]

واقف کے مقرر کردہ متولیان ایک دوسرے کو معزول نہیں کر سکتے

واقف نے اپنی جائداد موقوفہ کا دو شخص کو متولی بنایا تو دونوں متولی باہم مشورہ سے کاروقف انجام دیں گے ایک متولی دوسرے متولی کو حق تولیت سے معزول کرنا چاہے تو وہ معزول نہیں کر سکتا۔[2]

کن صورتوں میں قاضی کو متولی مقرر کرنے کا حق ہے

درج ذیل صورتوں میں سے کوئی صورت نہ ہو تو قاضی متولی مقرر کرے گا

(۱) واقف زندہ ہے مگر وہ اپنی جائداد موقوفہ کے انتظامات سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتا اور نہ کسی کو متولی مقرر کرتا ہے۔

(۲) واقف کا وصی زندہ ہے مگر وہ بھی جائداد وقف کے انتظامات سے دلچسپی نہیں رکھتا اور نہ کسی کو متولی مقرر کرتا ہے۔

(۳) واقف کا وصی مر گیا اور کسی کو متولی مقرر نہیں کیا۔

(۴) واقف یا اس کے وصی کے مقرر کردہ متولی نے مرتے وقت کسی کو متولی نہیں بنایا

(۵) واقف یا اس کے وصی کے مقرر کردہ متولی میں اہلیت وقف نہیں تو قاضی کو ان تمام صورتوں میں کسی اہل اور امانتدار شخص کو متولی مقرر کرنے کا حق ہے۔[3]

ع[1] مستفاد فتاوی محمودیه صـ۲۷۹ جـ۶)

ع[2] مستفاد کفایة المفتی صـ۲۲۶ جـ۷)

ع[3] ولایة نصب القیم الی الواقف ثم لوصیه ثم اذامات المشروط له بعدموت الواقف ولم یوصی لاحد فولایة النصب للقاضی (درمختار) (باقی اگلے صفحہ پر)

کسی مسجد کا متولی نہ ہو تو امام ومؤذن کے نصب وعزل کا حکم کس کو ہے

کسی مسجد کے مؤذن وامام وغیرہ کی تنخواہ اور مسجد کے دیگر اخراجات محلّہ والوں سے لئے جاتے ہیں اور مسجد کا متولی بھی نہیں ہے اور کوئی منتظمہ کمیٹی بھی نہیں ہے تو اہل محلّہ کو امام ومؤذن کے نصب وعزل کا حق ہے اگر آپس میں اختلاف ہو تو اہل تقوی کی رائے پر فیصلہ ہوگا، اہل تقوی بھی باہم متفق نہ ہوں تو اہل تقوی کی اکثریت رائے پر فیصلہ ہوگا۔[1]

(بقیہ صفحہ گذشتہ) قوله ثم لوصيه) فلونصب الواقف عند موته وصيا ولم يذكر من امر الواقف شيئا تكون ولاية الوقف الى الوصى بحر ومقتضى قولهم وصى القاضى كوصى الميت الافى مسائل: ان وصيى القاضى هنا كذالك لعدم استثنائه من الضابط المذكورافادة الرملى قلت ووصى الوصى كاالوصى كماياً تى (صـ ٦٣٣ تا ٦٣٤ جلد ٦) (فان كان الواقف ميتا فوصيه اول من القاضى فان لم يكن اوصى فالرأى للقاضى الخ)

ع[1] (قوله اراد المتولى اقامة غيره مقامه) اى بطريق استقلال اما بطريق التوكيل فلايتقيد بمرض الموت وفى الفتح للناظر ان يوكل من يقوم بما كان اليه من امر الوقف و يجعل له من جعله شيئا وله ان يعزله ويستبدل به أولا يستبدل ولوجن انعزل وكيله ويرجع الى القاضى فى النصب وشمل كلام المصنف المتولى من جهة القاضى اوالواقف كما فى انفع الوسائل عن التتمة وقال وهو اعم من قوله فى القنية للمتولى ان يفوض فيما فوض اليه ان عمّم القاضى التفويض اليه والافلافان ظاهره ان هذاالحكم فى المتولى من جهة القاضى فقط. واماعزل القاضى للناظر قدمنا الكلام عليه عند قوله وينزع لوغير مامون (الفتاوى الشامى(صـ٦ ٩ ٤تاصـ ٥٠٠ جـ٦ ملخص)

ع[1] (المستفاد كفاية المفتى صـ١٦٨ جـ٧)

کن صورتوں میں مسجد کے مصلیوں کو متولی مقرر کرنے کا حق ہے

اگر کسی مسجد کا باضابطہ کوئی وقف نامہ نہیں ہے یا وقف نامہ میں تولیت اور اس کی ترتیب مقرر نہیں کی گئی ہے تو اس مسجد کے مصلیوں کو متولی مقرر کرنے کا حق حاصل ہوگا۔[1]

موقوف علیہم کے متولی بننے و بنانے کی صورت

واقف نے جائداد موقوفہ کسی خاص افراد پر وقف کیا یا خاص غرباء ومساکین پر وقف کیا اور اس پر کسی کو متولی بھی نہیں بنایا، یا واقف کا مقرر کردہ متولی مرتے وقت کسی کو متولی بنائے بغیر وفات پا گیا اب اس جائداد کا کوئی متولی نہیں ہے تو جس پر وقف کیا گیا وہ یا اس کی اولاد و اقارب میں سے جب تک کوئی ایسا پایا جائے جو متولی بننے کے لائق ہے وہی متولی ہوں گے یا موقوف علیہم اپنے اختیار سے لائق شخص کو متولی مقرر کریں۔[2]

ع[1] البانی للمسجد اولی من القوم بنصب الامام والمؤذن فی المختار الااذا عین القوم اصلح ممن عینه البانی (درمختار)(قوله البانی اولی)وکذا ولده وعشیرته اولی من غیرهم اشباه (قوله بنصب الامام والمؤذن امافی العمارةفنقل فی انفع الوسائل ان البانی اولی ای بلاتفصیل (قوله الا اذا عین القوم اصلح ممن عینه لان منفعة ذالک ترجع الیهم انفع الوسائل (الفتاویٰ الشامی صـ۵۴۳ جـ۶)

ع[2] الواقف جعل للوقف فیما فلومات القیم له ان ینصب آخر وبعدموته للقاضی ان ینصب والافضل ان ینصب من اولاد الموقوف علیه اوأقاربه مادام یوجد منه احد یصلح لذالک فی التهذیب (الفتاوی الهندیه صـ۴۱۳جـ۲)

جس وقف کا کوئی متولی نہ ہواور قاضی شرعی کا بھی انتظام نہ ہو

جس وقف کا کوئی متولی نہ ہواور نہ کوئی منتظمہ کمیٹی ہواور نہ قاضی شرعی کا کوئی انتظام ہوتو محلّہ والے کو وقف کا انتظام چلانے کا حق اور امام ومؤذن رکھنے کا اختیار ہے اگر باہم اختلاف ہوتو اھل تقوی وصلاح کی رائے مقدم ہوگی اور اگر اہل تقوی باہم متفق نہ ہوں تو ان کی اکثریت کی رائے قابل ترجیح ہوگی۔[1]

کسی متولی پر نگراں بنایا جائے

قاضی کے پاس کسی نے متولی کی خیانت کی شکایت کی اور خیانت ثابت ہو جائے تو قاضی ایسے متولی کو معزول کردے گا جیسا کہ تفصیل گزر چکی، اور اگر خیانت ثابت نہیں ہوئی تو قاضی متولی کو معزول نہیں کرے گا، البتہ اس پر کسی دیانتدار شخص کو نگران بنا سکتا ہے اور جب اس کے خیانت کی بنیاد پر قاضی نے اس پر نگراں مقرر کیا تو پھر متولی اپنے عمل میں آزاد نہیں ہوگا اور اگر بغیر خیانت کے یونہی اس پر نگراں بنایا گیا ہے تو پھر متولی عمل میں آزاد ہوگا۔[2]

عـ[1] المستفاد کفایت المفتی صـ۱٦۸ جـ۷)

عـ[2] ولوضم القاضی للقیم ثقة أی ناظر حسبة ، هل للاصیل ان یستقل بالتصرف؟ لم أره وافتی الشیخ الاخ انه ان ضم الیه الخیانة لم یستقل والا فله ذلک وهو حسن نهر(درمختار) (قوله ولوضم القاضی للقیم ثقة) تقدم عند قول الشارح لیس للقاضی عزل الناظر بمجرد شکایة المستحقین انه یضمه الیه ذاطعن فی امانته بدون اثبات خیانة والاعزله وتقدم الکلام علیه هناک (لفتاوی الشامی صـ۲۸۲جـ٦)

مسجد کا متولی بے نمازی ہو تو اس کو معزول کر دیا جائے

وقف کی تمام جائداد میں متولی دین دار ہونا چاہئے خصوصاً مسجد کے متولی کیلئے نمازی ہونا ضروری ہے اگر متولی نماز نہیں پڑھتا ہے تو اس کو ترغیب کی لائن سے نمازی بنانا چاہئے مگر وہ کسی طرح بھی نماز پر پابند نہ ہو سکے تو ایسے شخص کو تولیت سے علیحدہ کر دینا لازم ہے، اس کے بعد نمازی یا اہل محلّہ باہم مشورہ سے کسی دین دار کو متولی چن لیں یا نہیں تو محلّہ کے نمازیان باہم مشورہ سے اہتمام تولیت کے اختیارات برت سکتے ہیں۔[۱]

متولی کا قاضی کو معزول کرنا

کسی جامع مسجد یا موقوفہ عامہ کے کسی متولی کو کسی شہر یا محلّہ کے قاضی کو معزول کرنے کا اختیار ہو پھر اس نے معزول کر دیا تو قاضی معزول ہو سکتا ہے لیکن اگر اس نے بلا سبب معزول کیا ہے تو مؤاخذہ دار ہوگا اور اگر معزول کرنے کا اختیار نہیں ہے تو اس کے معزول کرنے سے قاضی معزول نہیں ہو سکتا۔[۲]

متولیوں اور منتظمہ شوریٰ کا امام کو امامت سے معزول کرنا

کسی مسجد کے متولیان یا مسجد کے منتظمہ شوریٰ کے اختیارات میں امام ومؤذن وملازمین رکھنے اور ہٹانے کا حق ہے تو وہ امام ومؤذن وغیرہ کو معزول کر سکتے ہیں عام لوگوں کو شوریٰ کے اختیارات میں مداخلت کا اختیار نہیں البتہ شوریٰ امام وغیرہ کے معزول کرنے میں ظلم کے مرتکب ہوں تو محلّہ کے عامۃ المسلمین شوریٰ کو بدل کر جدید منتظمہ شوری منتخب کر سکتے ہیں۔[۳]

ع[۲] مستفاد کفایۃ المفتی صـ۱۷٦ جـ۷)

ع[۱] مستفاد کفایۃ المفتی صـ۱۵۸ جـ۷

ع[۲] مستفاد کفایۃ المفتی صـ۱۴۴ جـ۷

بلا وجہ وقف کو فروخت کرنے والا متولی مستحق عزل ہے، کسی وقف جائداد وعمارت میں کوئی نقص پیدا ہو گیا یا وہ پرانی ہونیکی وجہ سے قابل مرمت ہوگئی ہو تو متولی کو اس وقف کے ایک حصہ کو بیچ کر مرمت میں لگانا درست نہیں ہے، وقف کی آمدنی سے مرمت کیا جائے وقف میں ناجائز تصرف کرنے والے کو معزول کردیا جائے گا اگر حاکم مسلم کے ذریعہ وعلیحدہ کرنا دشوار ہو تو قصبہ کے ارباب حل وعقد علیحدہ کردیں۔ ع۳

متولیوں کے اختیارات کو اگر حکومت سلب کرنا چاہے

اسلامی اوقاف جو اس وقت ہندوستان میں متولیوں کے ہاتھ میں ہیں اظہار شکایت کے بعد حکومت کا اپنے قبضہ میں لینا اور ہر چیز میں حکومت کی اجازت شرط قرار دینا درست نہیں متولیوں کی بے اعتدالی کو رد کرنے کیلئے حساب فہمی تو حکومت کرسکتی ہے مگر متولیوں کو واقف یا قاضی نے جو اختیارات دیئے ہیں مسلمان ان کو حکومت کو تفویض کردے اور حکومت کا اس پر قبضہ دیدے یہ شرعاً جائز نہیں ہے حکومت جبراً لینا چاہے تو مسلمان اس کے لئے حکومت سے عدالت کے ذریعہ لڑ سکتے ہیں۔ ع۱

شیعہ آغا خانی کو وقف کا منتظم بنانا

سنی واقف کسی شیعہ کو متولی یا منتظم بنائے تو یہ درست ہے اگر اس کی وجہ سے وقف کو نقصان پہنچتا ہو یا وہ شریعت کے اور مسلک اہل سنت کے خلاف کوئی کام کرتا ہو تو اس کو بدلا جاسکتا ہے اور کئی منتظمین میں سے صرف ایک شیعہ ہے تو اس کی رائے کا اعتبار نہیں ہوگا سنی کی اکثریت کی رائے کا اعتبار ہوگا۔ ع۲

ع۱ مسفاد فتاوی محمودیہ ص ۲۶۲ ج ۷)

ع۲ مستفاد کفایت المفتی ص ۱۵۷ ج ۷)

ع۳ فتاوی رحیمیہ ص ۷۴ ج ۶)

بدعتی کومتولی بنانا

کسی جائداد کا خاص کر مسجد اور قبرستان کا متولی بدعتی کو بنانا درست نہیں ہے کیونکہ اپنے تسلط کی وجہ سے وہ بدعت کوفروغ دے گا جو جائز نہیں ہے (کوثر علی سبحانی)

جائداد وقف میں متولی کی مخالفت کرنا

جائداد موقوفہ جس کو واقف نے عام مسلمانوں کیلئے وقف کیا ہو جیسے مسجد اور قبرستان، عیدگاہ وغیرہ میں تمام مسلمانوں کا حق یکساں ہے مگر انتظام چلانے کیلئے جس کو متولی مقرر کیا ہے اس کی خلاف ورزی کرنا جائز نہیں ہے جب تک کہ وہ خیانت نہ کرتا ہو بنابریں وقف کے جائداد کو ذاتی کاشت میں یا دیگر کاموں میں استعمال کرنا جائز نہیں، متولی کے چارہ جوئی پر اس کی مخالفت کرنا جائز نہیں۔[1]

متولی کے لئے اجرت مقرر کرنا

متولی اگر بغیر تنخواہ اور اجرت لئے کام کرے تو عنداللہ ماجور ہوگا، لیکن اگر متولی وقف کے انتظام سنبھالنے اور کار وقف کو انجام دینے کیلئے اجرت لیتا ہے تو جائز ہے اس کی اجرت واقف یا اسکا قائم مقام یا قاضی مقرر کریگا۔[2]

متولی کے علاوہ کسی غیر کا وقف میں تصرف کرنا

جب واقف نے کسی زمین و جائداد کو کسی محلہ والے کے قبرستان (یا مدرسہ، مسجد، مکتب وغیرہ) کیلئے وقف کر کے اسی محلہ والے میں سے ایک شخص کو متولی نامزد کر دیا

ع[1] امدادالمفتین ص ۷۷۳)

ع[2] وفی البیری عن حاوی الحصیری عن وقف الانصاری انه اذا لم یکن من یتولی الوقف من جیران الواقف وقرابته الابرزق ویقبل واحد من غیرهم بلارزق فا القاضی أن ینظر فیما هو الاصلح لاهل الوقف (الفتاویٰ الشامی ص ۶۳۸ ج ۶ زکریا)

اورقریب کے محلّہ والے اس قبرستان سے فائدہ اٹھاتے رہے اوراپنی میت کودفن کرتے رہے لیکن بعد میں اس جائداد موقوفہ میں اپنا حق جتا کراس کے درختوں کوکاٹ دیا تو یہ فعل درست نہیں ہے، جب واقف نے متولی نام زد کردیا تو اسی کی تولیت چلے گی غیرکو اس میں تصرف کرنا درست نہیں ہے چاہے قاضی ہی کیوں نہ ہو، البتہ متولی سے خیانت ظاہر ہوتو قاضی معزول کرسکتا ہے۔[1]

واقف کے قرابت داراور پڑوسیوں کے مقابلے دیگر مفت کام کرنے والےکومتولی بنانا

وقف کنندہ کے رشتے داروں یا پھر پڑوسیوں کو اولاً حق ہوتا ہے کہ وہ متولی بنے مگر قرابت داروں اور پڑوسیوں میں سے کوئی ایسا نہیں کہ بغیر اجرت لئے وقف کا متولی بنے اور دیگر اجنبیوں میں بعض لوگ ایسے ملتے ہیں کہ بغیر اجرت لئے تولیت وقف اور کاروقف کوانجام دینے کوقبول کرنے کوتیار ہیں تو قاضی حالات واشخاص کودیکھ کر جومناسب سمجھے وہ کرے، اجنبی سے وقف کے انتظام میں کوئی خلل ونقصان نہیں پہنچتا ہے اور وقف کا فائدہ ہے تو اجنبی کومقرر کرے، اور اگر قرابت داروں وپڑوسیوں سے اجنبی کے مقابلے وقف کا زیادہ فائدہ ہورہا ہو، اور اجنبی کے مقابلے ان سے زیادہ اچھا نظام چلتا ہو، تو اجرت کے ساتھ واقف کے رشتہ داروں کوہی متولی نام زد کرے۔[2]

ع[1] (مستفاد فتاوی باقیات صالحات صـ ۲۵۰)

ع[2] فان لم يكن من يتولاه من جيران الواقف وقراباته الابرزق ويفعل واحد من غيرهم بغيررزق قال ذلك الى القاضي ينظر في ذلك ماهو الافضل لاهل الوقف واصلح للصدقة كذافي التتارخانيه (الفتاوى الهنديه صـ ۲ ۱ ۴صـ ۲)

متولی پر وقف کا حساب عندالطلب ضروری ہے

متولی وقف کا حساب صاف ستھرا لکھ کر رکھے واقف یا وقف سے فائدہ اٹھا نے والے یا معاملہ فہم دیانتدار محلّہ والے یا قاضی یعنی جس نے اس کو متولی بنایا ہے جب حساب طلب کرے تو ان کے سامنے پیش کر دے اگر متولی امانت میں مشہور ہے تو محاسب پر لازم نہیں ہے کہ ہر سال ریزہ ریزہ کا تفصیلی حساب طلب کرے۔

بلکہ اجمالی حساب پر اکتفاء کرے اور اگر متولی مہتمم ہے تو محاسب متولی کو مجبور کریگا کہ ہر چیز کا تفصیلی حساب پیش کرے۔[1]

خائن متولی کا بائکاٹ کرنا

کوئی شخص مسجد یا مدرسہ یا قبرستان یا کسی جائداد وقف کا متولی تھا مگر وہ خائن نکلا جسکی وجہ سے اسکو معزول کر دیا گیا مگر اسکے پاس وقف کی کچھ رقم بطور امانت وغیرہ کے موجود ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ فوراً ادا کرے اگر بار بار مطالبہ کے بعد بھی ادا نہیں کرتا ہے بلکہ لیت ولعل کے علاوہ گالی گلوج بھی کرتا ہے اور وقف کی رقم واپس کرنے سے انکار کرتا ہے تو ایسا شخص فاسق اور خائن ہے مسلمانوں کے لئے جائز ہے کہ بذریعہ عدالت اس سے رقم واپس لے لیں اور اسکی اس ناشائستہ حرکت پر اس کو برادری سے نکال سکتے ہیں جب تک توبہ نہ کرلے برادری سے اسکا بائکاٹ کیا جائے۔[2]

ع[1] لاتلزم المحاسبة فی کل عام ویکتفی القاضی منه بالاجمال لو معروفا بالامانة ولو متهما یجبره علی التعیین شیئا فشیئا ولایحسبه بل یهدده ولو اتهمه یحلفه قنیه وقدمنا فی الشرکة ان الشریک والمضارب والوصی والمتولی لایلزم بالتفصیل (الفتاوی الشامی صـ ۶۹۶ جـ ۶)

ع[2] مستفاد کفایت المفتی صـ ۱۷۷ جـ ۷)

وقف کوفروخت کرنے والایارھن رکھنے والامتولی مستحق عزل ہے

اگرمتولی نے وقف کی کل یابعض جائداد کوفروخت کیا، یاکسی کورھن رکھاتو یہ بیع اور رہن درست نہیں ہے۔ مشتری اس کا مالک نہیں ہوگاایسامتولی خائن ہے قاضی اور حاکم کے ذریعہ اس کومعزول کردیاجائے اوراگرقاضی وحاکم کے ذریعہ اس کوعلیحدہ کرنادشوار ہوتو محلّہ کے ارباب حل وعقد علیحدہ کرسکتے ہیں یانہیں تواس کے ساتھ صالح اور قابل اعتمادآدمی کوساتھ کردیاجائے۔[1]

وقف کرنے کاایک طریقہ

کسی کاایک مکان ہواوراس کی اولادمیں لڑکے ولڑکیاں بھی ہوں اوراس کے ذمہ قرض بھی ہووہ وارثوں کواپنی زندگی میں مال تقسیم کئے بغیر مال کومسجد کیلئے وقف کرے اور قرض کی ادائیگی اور ایک اولاد کی ذمہ داری مسجد پرڈالے تواس کاطریقہ یہ ہے کہ اسطرح وقف کرے۔

میرامکان میری وفات کے بعدفلاں مسجد کے لئے ان شرائط کے ساتھ وقف ہے، (۱) اس مکان کے سلسلے میں مجھ پر جوقرض ہےاس کی آمدنی سے پہلے وہ قرض اداکیاجائے (۲) فلاں لڑکے شاہد یافلاں لڑکی ہندہ کے مصارف مکان کے کرائے سے اداکیاجائے اور زائدرقم مسجدکودی جائے (۳) اورمیرے لڑکے شاہد یالڑکی ہندہ کے انتقال کے بعداس مکان کی پوری آمدنی مسجد پرخرچ کی جائے۔[1]

ورثہ محتاج ہوں تو واقف وقف کرنے سے گناہ گارہوگا

بکرنے اپنی زندگی میں ایک مکان مسجد کے نام اسٹامپ پرلکھ کردیااورشرط

ع[1] مستفادفتاویٰ محمودیہ ۲۶۲ جـ ۶)

ع[1] مستفاد احسن الفتاوی صـ ۴۱۹جـ ۶)

لگادی کہ جب تک میں اور میری بیوی زندہ رہیں اس مکان میں رہیں گے اور جب انتقال کر جائیں تو مکان مسجد کے حوالہ کردیا جائے، حالانکہ اس کے دوسرے ورثاء ابھی موجود نہیں تو اگر بکر کے ورثاء محتاج ہیں تو بکر کا وقف صحیح تو ہو جائے گا مگر بکر گناہ گار ہوگا کیونکہ اس نے وقف کر کے وارثوں کو محروم کر دیا ہے اور اگر کوئی وارث محتاج نہ ہو تو بکر گناہ گار نہیں ہوگا۔[1]

اجارہ یا اعارہ پر لی ہوئی سرکاری زمین کو وقف کرنا

ایک سرکاری زمین کو کسی نے سرکار سے بوقت ضرورت شدید واپس دینے کی شرط پر لے کر اور اس پر مکان بنا کر مسجد کو وقف کیا تو یہ وقف درست نہیں ہوا کیونکہ وقف کیلئے واقف کی ملکیت شرط ہے وہ نہیں پائی گئی، کیونکہ سرکار سے بمعاوضہ لی گئی ہے تو اجارہ ہوا اگر بغیر معاوضہ ہے تو عاریت ہے اور عاریت و اجارہ کی زمین پر عمارت کا وقف صحیح نہیں ہے اگر چہ بعض روایات میں سلطان سے بطور اجارہ کے لی ہوئی زمین پر دکانیں بنا کر وقف کرنے کا جواز معلوم ہوتا ہے مگر اس میں بھی یہ شرط لگادی گئی ہے کہ سلطان نے زمین سے مستاجر کو بے دخل نہ کرنے کا اقرار کرلیا ہو اور یہاں ایسا نہیں ہے۔

اور اگر حکومت سے واپسی کی شرط پر خریدی گئی ہے تو یہ بیع فاسد ہے اور بیع فاسد کے طور پر خریدی ہوئی چیز کا وقف بھی درست نہیں البتہ اس پر مکان بنانے سے بیع تام ہوگئی اور واپسی کی شرط باطل ہو جائے گی اب زمین کو مکان سمیت وقف کردیا تو وقف درست ہو جائے گا۔[2]

ع[1] مستفاد احسن الفتاوی ۴۲۲ ج۔۶)

ع[2] مستفاد فتاوی محمودیہ ۲۵۶ ج۔۱۵)

صاحب نصاب کیلئے کوئی چیز وقف کرنا

واقف اپنی چیز چاہے فقراء ومساکین کو وقف کرے یا مالدار اور صاحب نصاب کو راجح قول کے مطابق جائز ہے مگر فقراء ومساکین کو شامل کرنا بہتر ہے البتہ ورثاء کو محروم کرنے کی نیت سے وقف کرنا ظلم ہے۔[۱]

(وقف مشاع) یعنی مشترک جائداد کا وقف

مشاع کے معنی:- مشاع کا ملطب یہ ہے کہ وقف پورے مال میں پھیلا ہو کوئی حصہ منقسم اور متعین نہ ہو، پھر اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) قابل تقسیم (۲) غیر قابل تقیم

قابل تقسیم سے مراد یہ ہے کہ علیحدہ کرنے کے بعد اس کا وہی فائدہ ہو جو تقسیم سے قبل تھا یعنی کوئی نقصان نہ ہو۔ جیسے زمین اور بڑا مکان وغیرہ

اور غیر قابل تقسیم سے مراد یہ ہے کہ علیحدہ کرنے کے بعد وہ فائدہ حاصل نہ ہو جو تقسیم سے قبل تھا، جیسے غسل خانہ، کنواں وغیرہ۔

حکم:- مقبرہ اور مسجد کا وقف مشاع مشترک ہونے کی حالت میں بالاتفاق احناف کے نزدیک صحیح نہیں ہوتا ہے خواہ شئی موقوف قابل تقسیم ہو یا غیر قابل تقسیم (ہاں اپنا حصہ علیحدہ کرنے کے بعد وقف کرسکتا ہے) اور مقبرہ ومسجد کے علاوہ کو وقف کرنے کے سلسلے میں اس کی دو صورتیں ہیں (۱) جو چیز غیر قابل تقسیم ہے اس میں سے اپنا حصہ علیحدہ نہیں کیا ہے بلکہ شئی موقوف تمام میں شائع اور پھیلا ہے تو بالاتفاق جائز ہے، جیسے آدھا حمام وقف کیا تو جائز ہے اگر چہ مشاع ہے (۲) اور جو چیز قابل تقسیم ہے اس میں وقف مشاع یعنی غیر مقسوم وغیر معین امام محمدؒ کے نزدیک جائز نہیں مشائخ بخارا نے اسی قول کو لیا ہے

---

[۱] مستفاد کفایت المفتی ۲۳۲ ج۔۷)

اور اس پر فتویٰ بھی دیا ہے، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے متاخرین مشائخ نے اسی پر فتویٰ دیا ہے اور یہی مختار ہے۔[1]

لہٰذا کسی زمین و مکان میں کئی بھائی شریک ہوں یا کئی حصہ دار شریک ہوں اور ایک اپنا حصہ وقف کرنا چاہے تو کرسکتا ہے کسی کو اعتراض کا حق نہیں اور وقف تام ہونے کے بعد توڑا بھی نہیں جاسکتا ہے۔

مشترک زمین کو بلا دوسرے شریک کی اجازت کے وقف کرنا

ایک شخص کا انتقال ہوگیا اس نے کئی لڑکے اور لڑکیاں چھوڑیں جن میں سے بعض نابالغ بھی ہیں، بڑے لڑکے نے مشترک ایک بیگھا زمین کو مسجد کیلئے وقف کردیا اور کہا کہ چھوٹے بھائیوں کو اپنے حصہ میں سے دیدونگا تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اگرچہ وقف مشاع جائز ہے مگر اس طرح وقف کرنا درست نہیں ہوا کیونکہ اس زمین میں سب کا حصہ تھا بغیر اس کی اجازت کے وقف کرنا درست نہیں ہے۔

خصوصاً نابالغ کی اجازت بھی شرعاً معتبر نہیں، لہٰذا اگر اس پر مسجد کی تعمیر نہیں

ع[1] کماصح وقف مشاع قضی بجوازه لانه مجتهد فيه فللحنفی المقلد ان يحكم بصحته وقف المشاع وبطلانه (درمختار) (قوله كما صح وقف مشاع قضى بجوازه) ويصير بالقضاء متفقا عليه والخلاف فی وقف المشاع مبنی علی اشتراط التسليم وعدمه لان القسمة من تمامه فابويوسف اجازه لانه لم يشترط التسليم ومحمد لم يجزه لاشتراطه التسليم كمامر عندقوله ويفرز وقدمنا أن محل الخلاف فيما يقبل القسمة بخلاف مالايقبلها فيجوز اتفاقا الافی المسجد والمقبرة(الفتاوى الشامی صـ۵۵۳جـ۶)

ہوئی ہے تو نابالغ کا حصہ علیحدہ کر کے محفوظ کرلیا جائے اور اس سے ایک بیگھا کے رقبہ میں کمی کو وقف کرنے والے کے حصہ سے پورا کر کے مسجد کیلئے وقف تسلیم کیا جائے گا۔

اور اگر اس جگہ مسجد کی تعمیر ہو چکی ہے تو مسجد شمار نہ ہوگی، بلکہ نابالغین کے حصہ کے بقدر واقف کے حصہ میں سے لے کر نابالغین کیلئے محفوظ کرلیا جائے گا، اور واقف سے اس کی اجازت لے لینی ہوگی۔ اگر واقف نے اجازت نہیں دی تو گنہگار ہوگا اور اس مسجد میں نماز بہرصورت درست ہے۔[1]

اپنا حصہ وقف کیا تو واقف خود بٹوارہ کرلے گا

کسی جائداد میں دو آدمی شریک ہوں ان میں سے ایک نے اپنا حصہ وقف کردیا تو صحیح ہے واقف اپنے شریک سے اپنا حصہ بٹوارہ کر کے موقوف کے حوالے کردے، واقف کی موت کے بعد اس کا وصی بٹوارہ کرانے کا حقدار ہوتا ہے۔[2]

اپنی جائداد میں سے آدھا وقف کیا تو بٹوارہ کون کرے گا۔

واقف نے اپنی جائداد میں سے نصف وقف کیا تو اس سے بٹوارہ کرنے والا قاضی ہوگا، اور اگر واقف نے باقی حصہ کو فروخت کیا کسی کے ہاتھ پر تو مشتری اس سے بٹوارہ کرلے گا۔[3]

دو شریکوں میں سے ہر ایک نے وقف کیا تو دونوں متولی ہوں گے

کوئی جائداد دو آدمیوں کے درمیان مشترک تھی دونوں میں سے ہر ایک نے

ع۱ (مستفاد نظام الفتاوی صـ۱۱۸ جـ۱)

ع۲ ع۳ ثم ان وقف نصیبه من عقار مشترک فهو الذی یقاسم شریکه وبعد الموت الی وصیه وان وقف نصف عقاره فالذی یقاسمه هو القاضی او هو یبیع نصیبه الباقی من رجل ثم یقاسم المشتری ذلک منه کذافی الهدایة (الفتاوی الهندیه صـ ۳۶۵ جـ۲)

اپنا حصہ ایک قوم پر جو معلوم ہے وقف کر دیا تو جائز ہے، پس دونوں کو اختیار ہے کہ باہم اس زمین کا بٹوارہ کریں اور اپنا حصہ علاحدہ کر کے خود سے اس کا متولی ہو جائے۔

اور اگر دونوں نے اپنا اپنا حصہ علاحدہ وقف کیا یا صدقہ موقوفہ مسکینوں پر کیا اور دونوں نے ایک ہی متولی مقرر کیا پس متولی مذکور نے دونوں کے حصہ پر ایک ساتھ یا جدا جدا قبضہ کر لیا تو بھی جائز ہے۔

اور اگر دونوں نے ایک ہی ساتھ وقف کر کے ایک ساتھ ہی دو شخصوں کو متولی مقرر کیا تو یہ بھی جائز ہے۔

اسی طرح وقف کی جہت مختلف ہو مثلاً ایک نے اپنی اولاد پر نسلاً بعد نسل وقف کیا اور کہا کہ جب اولاد میں کوئی نہ رہے تو مساکین پر وقف ہے، اور دوسرے نے حج پر وقف کیا کہ اس سے ہر سال حج کیا جائے پھر دونوں نے ایک ساتھ ایک ہی شخص متولی بنا کر سپرد کیا تو جائز ہے۔

اور اگر متولی نے دونوں میں سے ایک کے حصہ پر قبضہ کیا اور دوسرے کے حصہ پر قبضہ نہیں کیا تو وقف صحیح نہیں ہوگا حتی کہ جس کے حصہ پر قبضہ کیا ہے اس کو اس سے رجوع کر لینے کا اختیار ہوگا کہ واپس لے لے یا فروخت کر دے اور اگر دو شریکوں میں سے ہر ایک نے نصف زمین مشاع غیر مقسوم حالت میں صدقہ موقوفہ کر دی اور ہر ایک نے اپنے وقف کے واسطے جدا جدا دو متولی مقرر کئے تو جائز نہیں ہے کیونکہ عقد کے وقت شیوع پایا گیا ہے اسلئے کہ ہر ایک علاحدہ عقد کا مباشر ہوا ہے اور قبضہ کے وقت بھی شیوع ممکن تھا اسلئے کہ ہر ایک متولی نے نصف مشاع پر قبضہ کیا اور دونوں میں سے ہر ایک نے اپنے متولی سے قبضہ کے وقت کہا تھا کہ تم میرے حصہ مع میرے شریک کے حصہ پر قبضہ کر لو تو وقف جائز ہوگا، اور یہ تمام تفصیل امام محمد کے قول کے مطابق ہے اور امام ابو یوسف کے نزدیک تمام

صورتوں میں وقف جائز ہے، اسلئے امام یوسف کے نزدیک بقیہ قبضہ کرانے کے وقت وقف جائز ہے، پس غیر مقسوم کا وقف بھی درست ہے۔[۱]

---

[۱] لوان رجلين كانت بينهما ارض وقف كل واحد منهما نصيبه على قوم معلومين فهذاجائز ولهما ان يتقاسما هذه الارض فيفرز كل واحد منهما ماوقف فيكون فى يده يتولاه كذافى الظهيرية ولووقف الكل ثم استحق الجزء منه بطل الباقى عند محمدؒ لان الشيوع مقارن ولواستحق جزء مميز بعينه لم يبطل فى الباقى كذافى الهداية ولوان رجلا وقف جميع ارضه ثم استحق نصفها شائعا وقضى القاضى للمستحق بالنصف وبقى النصف الباقى وقفا على حاله عندابى يوسفؒ كان للوقف ان يقاسم المستحق كذافى المحيط ثم على قول محمدؒ لوكانت الارض بين رجلين فتصدقا بها صدقة موقوفة على المساكين اوعلى وجه من وجوه البر التى يجوز الوقف عليها ودفعها الى قيم يقوم عليها كان جائزا لان على قول محمدؒ المانع من الجواز هوالشيوع وقت القبض لاوقت العقد وههنا لم يوجد الشيوع وقت العقد لانهما تصدقا بالارض جملة ولاوقت القبض لانهما سلماالارض جملة كذافى فتاوى قاضيخان. وكذالک ان تصدق كل واحد بنصيبه صدقة موقوفة على المساكين ونصبا قيما واحدا فقبض نصيبها جميعا اومتفرقا وكذافى محيط السرخسى وكذالک لوجعلاالتولية الى رجلين معا كذافى الوجيز وكذالک لواختلف جهة الوقف بأن وقف احدهما على ولده وولدولدابداماتناسلوا فاذا انقرضوا كانت غلتها للمساكين والاخرفى الحج يحج بها فى كل سنة وسلماها الى رجل واحد جاز وكذالوكان الواقف واحد اوجعل نصف الارض وقفا على الفقراء والمساكين مشاعا والنصف الاخر على (بقیہ اگلے صفحہ پر)

اگر واقف نے اپنی کل جائداد سے متعین مقدار وقف کی

واقف نے اپنے مکان یا زمین سے ہزار گز وقف کیا تو امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے، پس تمام دار یا زمین ناپا جائے گا پس اگر وہ ہزار گز سے کم نکلا تو سب وقف ہو جائیگا اگر دو ہزار گز ہو تو نصف وقف ہوگا اگر ڈیڑھ ہزار نکلا تو دو تہائی وقف ہوگا۔

اور اگر اس میں سے بعض حصہ میں درخت وغیرہ لگے ہوں اور بعض خالی ہوں تو وقف کے واسطے درخت والی زمین سے حصہ ہوگا۔

اسی طرح ایک شخص نے ایک زمین سے ایک جریب مشاع وقف کی پھر تقسیم واقع ہوئی اور بٹوارہ وقف میں ایک جریب سے کم پڑا اس وجہ سے کہ وقف کے ٹکرے کی زمین عمدہ تھی پس دوسرے ٹکڑے میں بڑھوتری کی گئی۔

یعنی رقبہ میں بڑھا دیا گیا یا اس کے برعکس واقع ہوا ہے تو جائز ہے، اسی طرح

(گذشتہ صفحہ کا بقیہ) امر آخر جاز کذا فی فتاویٰ قاضیخاں وان قبض احدهما ولم يقبض نصيب الاخر لايصح الوقف حتى كان للذى قبض نصيبه ان يرجع عنه وبينه كذافي محيط السرخسي ولوتصدق كل واحد منهما بنصف الارض مشاعا صدقة موقوفة وجعل كل واحد منهما لوقفه متوليا على حدة لايجوز لوجود الشيوع وقت العقد لان كل واحدمنهما باشر عقدا على حدة وتمكن الشيوع وقت القبض ايضا لان كل واحد من المتولين قبض نصفا شائعا)فان قال كل واحد منهما للذى جعله متوليا فى نصيبه اقبض نصيبي مع نصيب صاحبيى جاز وهذا كله قول محمدؒ واما على قول ابى يوسف رحمه الله تعالى) فيجوز الوقف فى جميع هذه الوجوه) لان عنده يجوز الوقف غير مقبوض فيجوز غيرمقسوم كذافى فتاوى قاضيخاں(الفتاوى الهنديه صـ ٣٦٦ جـ٢)

کسی نے کہا کہ میں نے اپنا حصہ اس گھر میں سے وقف کیا اور اس گھر میں میرا حصہ تہائی ہے پھر اس کا حصہ اس تمام دار کا آدھا یا دو تہائی نکلا تو یہ سب وقف ہو جائے گا۔[1]

غصہ میں آکر مشترک جائداد وقف کر دیا اب اس سے رجوع کرنا چاہے

ایک مکان میں دو بھائی تھے ایک نیچے دوسرا اوپر، اوپر والے نے اپنا فوقانی حصہ مسجد کے نام وقف کر دیا، کیونکہ اسکے بیوی بچے نہیں تھے اور بھائی سے تعلقات خراب تھے، چھوٹے بھائی کی بیوی کے مرنے کے بعد تعلقات ہموار ہو گئے اب مسجد کو وقف کردہ اوپر والے حصہ کو باطل کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا ہے۔ اور واقف نے وقف میں یہ شرط لگا دی ہے کہ متولی حضرات اس کو تقسیم کرنے کی صورت میں بیچنا چاہے تو بیچ کر اس سے جو رقم ملے اس کو وقف شمار کیا جائے تو اس تصریح کے مطابق یہ شرط جائز ہے اور اس سے منقولہ چیز خرید کر وقف کے قائم مقام شمار کیا جائے گا۔[2]

ع[1] ولو وقف من داره اوارضه الف ذراع جاز عند ابی یوسفؒ ثم یذرع الارض والدور فان کانت الف ذراع او اقل کان کلها وقفا وان کانت الفی ذراع کان الوقف منها النصف وان کانت الفاوخمسمائة کان والوقف منها ثلثین وان کان فی بعضها نخیل وبعضها لانخیل فیه یکون للوقف حصة من النخیل کذافی المحیط رجل وقف جریبا شائعا من ارض ثم وقعت القسمة فاصاب الوقف اقل من جریب لجودةهذه الطائفة التی وقعت فی الوقف فزید فی ذرعان الطائفة الاخری او علی العکس جاز کذافی الظهیریة ولوقال جعلت نصبی من هذه الدار وقفا وهوثلث جمیع الدار فوجد من حصته نصف الدار اوثلثی الدار کان جمیع ذلک وقفا کذافی فتاوی قاضیخان (الفتاوی الهندیه صـ۳۶۶،۳۶۷جـ۲)

ع[2] کماصح وقف مشاع قضا بجوازه لانه مجتهد فیه فللحنفی المقلدان یحکم بصحة وقف المشاع وبطلانه لاختلاف التوجیه واذاکان فی المسئلة قولان مصححان جاز الافتاء والقضاء باحدهما بحرومصنف (درمختارمع الشامی صـ۵۱۶،۵۱۷جـ۳) مستفاد فتاوی رحیمیه صـ۵۷تا۵۹جـ۹)

مشترک دکانوں میں سے اپنا حصہ وقف کر کے وقف کا تختہ لگانا

ایک دکان دو شریکوں میں مشترک تھی جن میں سے ایک نے اپنا حصہ وقف کیا پھر وقف کرنے والے نے چاہا کہ اس حصہ کے دروازہ پر وقف کا بورڈ لگا دے، دوسرے شریک نے اس کو روکا تو وہ وقف کا تختہ نہیں لگا سکتا، البتہ اگر قاضی نے وقف کی حفاظت کی غرض سے تختہ لگانے کی اجازت دیدی ہو تو لگا سکتا ہے۔[1]

مشترک زمین کو مقبرہ بنانے کی غرض سے بٹوارہ کرنا

ایک گاؤں میں کچھ وقف ہے کچھ بادشاہت کی زمین ہے کچھ دوسروں کی ملک ہے پھر ایک شخص نے اپنے حصہ میں سے تھوڑی زمین کو مقبرہ بنانے کی غرض سے بٹوارہ کرنا چاہا تو اس کو اختیار نہیں ہوگا اور اگر کل کی تقسیم چاہی تو جائز ہے۔

بغیر تفصیل بیان کئے اپنی کل جائداد وقف کی

ایک شخص نے لکھ دیا کہ میری تمام مملوکہ دیہات وغیرہ وقف ہیں مگر تفصیل بیان نہیں کیا اور اس کے منافع کے بارے میں لکھتا ہے کہ اس میں سے اتنی مقدار میری بیویوں و باندیوں اور اتنی مقدار غلاموں کیلئے ہے اور اس قدر اس کے متعلقین کا ہوگا تو یہ وقف صحیح ہے اس کی تمام مملوکہ جائداد وقف ہو کر اس کی ہدایت کے مطابق منافع صرف ہوں گے۔[2]

ع[1] حانوت بین شریکین وقف احدھما نصیبه و اراد ان یضرب لوح الوقف علی بابه فمنعه الشریک الاخر لیس له الضرب الااذا اذن له القاضی بذلک صیانة لوقف وھذه المسئلة تاتی علی قول ابی یوسفؒ علی مااختاره مشایخ بلخ کذافی المضمرات قریة بعضھا وقف وبعضھا مملکة وبعضھاملک ارادوقسمة بعضھا لیجعلوھا مقبرة لیس لھم ذلک وان ارادوا قسمة الکل جاز کذا فی الوجیز (الفتاوی الھندیه صـ٣٦٧ جـ٢)

ع[2] (مستفاد فتاوی عبدالحی صـ٢٩٥)

دوادارے پر وقف مشترک کو صرف ایک پر خرچ کرنا

کسی جائداد کو واقف نے مدینہ منورہ اور ہندوستانی اداروں کیلئے وقف مشترک کیا تھا، بعد کا متولی بعض دشواریوں کے پیش نظر مدینہ منورہ کے ادارے کے حصہ کو بھی ہندوستانی ادارے ہی پر خرچ کرنا چاہے تو نہیں کرسکتا، کیونکہ فقہ کے ضابطہ شرط الواقف کنص الشارع الاما استثنی کے تحت اس کو کوئی تبدیل نہیں کرسکتا اور ایک مسجد کی اشیاء دوسری مسجد میں منتقل کرنے کا جواز ان صورتوں میں ہے کہ اس مسجد کی حاجت باقی نہ رہی ہو خواہ اس لئے کہ وہاں کی آبادی ختم ہوگئی ہو لوگ اجڑ کر دوسری جگہ چلے گئے ہوں یا اس لئے کہ اب وہاں نماز پڑھنے والے نہیں رہے، یہ مسجد پرانی ہو کر خود گر گئی اور دوسری مسجد تعمیر ہوئی اور لوگ اس دوسری نئی مسجد میں نماز پڑھنے آتے ہیں پہلی مسجد میں کوئی نہیں آتا اور مدینہ منورہ کا ادارہ باقی ہے اور وہاں سے منتفع ہونا بھی موجود ہے لہذا ہندوستانی ادارہ امین ہے مدینہ منورہ کے ادارے کو امانت پہنچانے کی ہر ممکن کوشش کرے۔[1]

نذر کی طرح وقف میں تخصیص مکان لغو نہیں ہے

نذر میں تخصیص مکان کہ مکہ میں اتنا، مدینہ میں اتنا اور بغداد میں اتنا خرچ کروں گا تو لغو ہو جائے گا، مگر وقف کرتے ہوئے مکان کی تخصیص کردی کہ فلاں جگہ اتنا خرچ کیا جائے گا (یعنی میری اس موقوفہ جائداد سے مکہ میں دس حصہ، مدینہ میں دس حصہ، اور بغداد میں دس حصہ خرچ کئے جائیں تو یہ لغو نہیں ہوگا اور اگر واقف نے اپنی حیات میں ان مقامات کو نہ بھیجا تو اس کے اپنے عمل کی وجہ سے منسوخ سمجھ لینے کی گنجائش ہے۔[2]

ع[1] مستفاد فتاوی محمودیه صـ٧٦ جـ١)

ع[2] مستفاد کفایت المفتی صـ٣٢٦ جـ٧)

کسی انجمن یا کاروبار میں کئی شریکوں میں سے کسی کے علاحدہ ہونے پر اس کے حصہ کو وقف کرنیکی شرط

خالد ولید عمر وغیرہ نے اپنے مفاد کیلئے انجمن بنائی (یا کوئی اور کاروبار کیلئے) رقم جمع کر کے کچھ قوانین مرتب کئے جن میں سے ایک قانون یہ بنایا کہ کوئی شریک بغیر عذر معقول کے درمیان سال میں خارج نہیں ہو سکے گا، اگر خارج ہوا تو اس کی رقم واپس نہیں ہوگی، ہاں اگر عذر معقول ہو تو خارج ہوسکتا ہے اور رقم دیدی جائیگی، نیز وعدہ لیا گیا کہ کوئی شخص اپنی مرضی کے مطابق انجمن سے نکل جائیگا تو اس کی رقم مناسب جگہ پر وقف کردی جائیگی، اب ایک شریک اپنی مرضی سے نکلنا چاہتا ہے، اور قانون کے مطابق رقم کے وقف ہونے پر راضی نہیں ہوتا تو اس کا حکم یہ ہے کہ شروع میں مالک نے اپنی رضاء سے رقم کو اپنی ملکیت سے خارج کر کے وقف کر دیا تھا، تو وقف درست ہے لیکن یہاں ایسا نہیں اسلئے وقف کئی وجہ سے صحیح نہیں۔

١۔ شروع شرکت کے وقت جو کچھ شرط لگائی وہ صرف وعدہ ہے اور وعدہ سے وقف صحیح نہیں ہوتا۔

٢۔ نفس رقم ہی میں وقف کی صلاحیت نہیں کیونکہ وقف اصلا غیر منقول کا ہوتا ہے منقول کا وقف صحیح نہیں ہے۔

٣۔ وقف معلق نہ ہو منجز جاری رہنے والا ہو اور یہاں علاحدگی کی شرط پر معلق ہے

٤۔ موقوف علیہ کی تعیین ضروری ہے یہاں مطلق ہے۔

٥۔ واقف کی رضامندی ضروری ہے اور یہاں رضامندی نہیں لھذا ایں وجوھات وقف صحیح نہیں ہوا مالک اپنی رقم واپس لینے کا حقدار ہے۔[1]

ع[1] مستفاد فتاوی محمودیہ صفحہ ٢٦٠ جلد ٦)

وقف کیے ہوئے قرآن کی جلد یا غلاف دوسرے قرآن پر منتقل کرنا

قرآن مجید پھٹا ہوا ہے تو اس کے جلد اور غلاف کو دوسرے قرآن مجید پر منتقل کرنا اس وقت جائز ہوگا جبکہ پھٹا ہوا قرآن وقف نہیں کسی کی ملک ہے تو مالک کو اختیار ہے کہ منتقل کردے، اور اگر پھٹا ہوا قرآن وقف ہے تو اسکی جلد و غلاف بھی وقف ہے، وقف شدہ قرآن سے بے نیازی کی صورت میں اس کی تمام چیزیں مالک کی طرف عود کردی جائے گی لھذا مالک کی اجازت سے دوسری جگہ منتقل کرنا جائز ہوگا۔[۱]

ھبہ کی ہوئی زمین موہوب لہ کی وفات کے بعد واہب نے وقف کی

ایک عورت نے عرصہ قبل کچھ زمین زمیندار سے لگان پر لی اور اپنی لڑکی کے نام ہبہ کردیا وہ لڑکی برابر لگان زمیندار کو ادا کرتی رہی پھر اس لڑکی کا انتقال ہوگیا تو کچھ لوگوں کے بہکانے سے اس عورت نے زمین مسجد کے نام ھبہ کردیا تو اس کا شرعی حکم یہ ہے کہ عورت زمین کی مالک نہیں تو اس کا ھبہ کرنا بھی درست نہیں ہوا اور نہ وقف کرنا اور اگر مالکہ ہے تو ھبہ کرکے لڑکی کے قبضہ کرادینے سے اس کی ملک سے نکل جائیگی پھر اس کا وقف درست نہیں ہوگا بلکہ اس زمین میں لڑکی کی وراثت جاری ہوگی لڑکی کے مال میں سے ماں کا جتنا حصہ نکلے گا۔ اتنے ہی حصہ کو وقف کرسکتی ہے۔ باقی کو نہیں۔[۲]

ننانوے سال تک بٹے پر لی گئی زمین کو وقف کرنا

سرکاری محکمہ نزول کی زمین ننانوے سالہ ٹھیکہ اور بٹہ پر کسی نے لی حکومت کی طرف سے یہ شرط لگائی گئی کہ میعاد بٹہ ختم ہونے پر یا اس سے قبل اگر سرکار کو ضرورت ہو تو زمین واپس لے لی جائے گی اور عمارت بنانے والا اپنے خرچہ سے منتقل کریگا یا سرکار

ع۱ مستفاد احسن الفتاوی ص۔ ۴۰۸ ج۔٦)

ع۲ مستفاد فتاوی محمودیه ص۔ ۱۸۴ ج۔٦)

قیمت مشخصہ اگر سرکار کو ضرورت ہو تو دیدے گی نیز میعاد ختم ہونے پر مزید توسیع ہو سکتی ہے جو فاضل مقدار خاص وغیرہ کے تو اس کا شرعی حکم یہ ہے کہ وقف مذکور صحیح ہوگا زمین اگرچہ وقف نہیں ہے مگر نزول کی زمین کا اول تو پٹہ ننانوے سال کا ہی اس قدر طویل ہوتا ہے کہ وہ ارض محتکر میں شامل ہو جاتی ہے پھر ختم مدت کے بعد بھی مزید توسیع ہو جاتی ہے اور شرائط انخلاء جو پٹہ میں مذکور ہے ان کا شاذ و نادر ہی وقوع ہوتا ہے اسلئے قابل اعتناء نہیں ہے۔[1]

وفات کے بعد وقف معلق پر مالک کی ملکیت کا حکم

ایک بوڑھی عورت نے اپنا مکان مسجد کے نام لکھتے ہوئے شرط لگائی کہ میں اپنی زندگی میں اس کی مالکہ ہوں میرے مرنے کے بعد یہ مکان مسجد کیلئے وقف ہے تو ضرورت پڑنے پر عورت اپنا مکان بیچ سکتی ہے یا کسی کو دے سکتی ہے کیونکہ مرنے کے بعد وقف کو معلق کیا ہے یہ وقف کے حکم میں نہیں ہے بلکہ وصیت ہے اور زندگی میں اپنی وصیت سے رجوع کرنے کا حق باقی رہتا ہے۔ لہٰذا مکان مالک کی ملک میں علیٰ حالہ باقی ہے مسجد میں اس کو عوض دینا بھی لازم نہیں اور نہ دینے سے آئندہ بھی نہیں ہوگا البتہ ثواب کی نیت سے دینا چاہے تو دے سکتی ہے۔[2]

کافروں کا وقف کرنا

وقف کے صحیح ہونے کیلئے واقف کا مسلمان ہونا شرط نہیں ہے، مگر جس کام کیلئے وقف کیا جائے اس کا فی نفسہ اور واقف کے اعتقاد میں کار ثواب ہو، فقہ کی اس عبارت سے چار شکلیں نکلتی ہیں۔

ع[1] مستفاد کفایت المفتی ص ۲۴۰ ج ۶.

ع[2] مستفاد فتاوی مفتاح العلوم غیر مطبوع.

ا۔اول یہ ہے کہ اسلام اور واقف کے اعتقاد و مذہب دونوں میں قربت اور کارثواب ہو، جیسے کافر کا سرائے تعمیر کرنا، کنواں کھودنا، فقراء اور محتاجوں کی خوراک اور امداد کیلئے جائداد وقف کرنا صحیح ہے، اسی طرح کسی کافر نے کہا کہ اس رقم سے بیت المقدس کی مرمت یا اس کی روشنی کے واسطے خرچ کئے جائیں تو درست ہے۔

اسی طرح کہا کہ میری یہ چیز وقف ہے اس کی آمدنی سے ہر سال غلام خرید کر آزاد کئے جائیں تو یہ جائز ہے۔

۲۔دوم یہ ہے کہ جس چیز کیلئے وقف کیا ہے نہ اس کے اعتقاد میں اور نہ مذہب اسلام میں کارثواب ہو جیسے کسی کافر نے اپنی جائداد کو وقف کیا جو اس کے اعتقاد میں بھی گناہ کا اڈا ہو۔

۳۔سوم یہ ہے کہ جس چیز کو وقف کیا ہے وہ مذہب اسلام میں تو قربت ہو مگر کافروں کے مذہب کے اعتقادی اصول کے مطابق کارثواب نہ ہو، جیسے کافر کا مسجد ،عیدگاہ اور قبرستان وغیرہ کیلئے زمین یا کوئی چیز وقف کرنا، یہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس میں ایک جز پایا گیا ہے، جس سے وقف صحیح نہیں ہوا۔

۴۔ چہارم یہ ہے کہ جس چیز کو وقف کیا ہے وہ کافروں کے اعتقاد میں تو کارثواب ہو مگر مذہب اسلام۔کے اصول کے مطابق وہ قربت نہ ہو، جیسے کسی کافر یا ذمی اور ہندو نے بیعہ، کنیسہ ، پر یا مندر یا آتش خانہ پر وقف کیا یا ان چیزوں کی درستگی یا اس کے چراغ کے تیل وغیرہ کیلئے وقف کیا تو یہ درست نہیں ہے، کیونکہ یہ چیز فی ذاتہ قربت نہیں اگر چہ کافروں کی نیت میں قربت ہو۔[۱]

ع[۱] (قولہ بشرط کونہ قربة عندنا وعندھم) الظاھر ان ھذاشرط فی وقف الذمی فقط لیخرج مالو کان قربة عندنا فقط کوقفه (بقیہ اگلے صفحہ پر)

غیر مسلم نے ابواب خیر پر وقف کیا

کسی غیر مسلم نے کہا کہ میری یہ جائداد ابواب خیر پر وقف ہے تو ابواب خیر میں اسکے یہاں بعض ایسی چیزیں شامل ہیں جو مذہب اسلام میں قربت نہیں جیسے گرجا گھر اور مندر یا آتش خانہ وغیرہ کی تعمیرات اور بعض چیزیں ان کے یہاں اور مذہب اسلام میں بھی قربت ہے جیسے مسکینوں پر صدقہ کرنا تو وقف صحیح ہو جائیگا مگر وقف کا مصرف یہ دوسرا جز مسکینوں پر صدقہ کرنا جاری رہے گا اور باقی پہلا جز بالکل باطل ہو جائیگا[1]۔

غیر مسلم نے کہا کہ وقف کی آمدنی میرے پڑوسیوں پر وقف ہے

کسی غیر مسلم نے کہا کہ میری جائداد وقف ہے اس کی آمدنی میرے پڑوسیوں کو بانٹ

(گزشتہ صفحہ کا بقیہ) علی الحج والمسجد وماکان قربة عندهم فقط کالوقف علی البیعة بخلاف الوقف علی مسجد القدس فانه قربة عندنا وعندهم فیصح ولو کان ذلک شرطاً الکل وقف لزم ان لایصح وقف المسلم علی الحج والمساجد لانه قربة عندنا فقط ولذا قیده بقوله فصح وقف الذی بشرط الخ فجعل الشرط المذکور لوقف الذی لامطلقا(قوله لم یصح وکان میراثا) یخالفه ما فی الخصاف ونصه قلت وکل وقف وقفه الذی فجعل غله ذلک فیما لایجوز مثل قوله فی عمارة البیع والکنائس وبیوت النیران والاسراج فیها ومرمتها الیس ذلک باطلا قال بلیٰ منحة الخالق علی البحر الرائق صـ ۳۱۵،۳۱۶ جـ ۵)

ع[1] فان وقف علی ابواب البر فابواب البر عنده عمارة البیع وبیوت النیران والصدقة علی المساکین فاجیز من ذلک الصدقة وابطل غیرهما کذافی الحاوی (الفتاوی الهندیه صـ ۳۵۳ جـ ۲)

دی جائے اوراس کے پڑوسیوں میں مسلمان یہودونصاری مجوس اور ہندوبھی ہیں تو وقف جائز ہےاورواقف کی شرط کے مطابق آمدنی اس کے پڑوسی مسلم وغیر مسلم سب پر تقسیم ہوگی۔[۱]

غیر مسلم کی طرف سے مسجد کیلئے کوئی چیز جائز ہونے کی شکل

غیر مسلم ہندووغیرہ کی طرف سے براہ راست کوئی چیز مسجد کیلئے وقف درست نہیں ہے البتہ غیر مسلم وہ چیز مسلمان کو ہبہ کردے اور مسلمان مسجد کیلئے وقف کردے تو جائز ہے۔[۲]

قادیانی کی طرف سے وقف

قادیانی بالاجماع مرتد اور کافر ہے اسکا کوئی عمل معتبر نہیں ہے اس کے اعتقاد میں اور مذہب اسلام میں جو چیز کارثواب ہے اس کیلئے وقف درست ہے جو اس کے یہاں قربت نہیں اور نہ مذہب اسلام میں قربت ہے تو وقف درست نہیں ہے۔[۳]

واقف اپنا قرض جو کسی کے یہاں ہو وقف کرے

واقف وہ قرض جو کسی کے یہاں ہو وہ یہ کہے کہ میرا جو اتنے روپے یا فلاں سامان فلاں کے یہاں بطور قرض ہے وہ وقف ہے تو وقف صحیح ہوجائیگا مگر وقف کی تکمیل اوراس کا اہتمام اس قرض کے قبضہ پر موقوف رہے گا۔[۴]

ع[۱] فان قال تفرق غلتها فی جیرانه وله جیران مسلمون وجیران نصاری ویهود ومجوس وجعل اخره للفقراء فالوقف جائز وتفرق غلة الوقف فی جیرانه المسلمین والنصری وغیرهم (الفتاوی الهندیه صـ ۳۵۳جـ۲)

ع[۲] (مستفاد کفایت المفتی صـ ۲۴۳جـ۷)

ع[۳] مستفاد فتاوی محمودیه صـ ۳۲۰جـ۱۵)

ع[۴] مستفاد امداد الفتاوی صـ ۵۷۴جـ۴)

کسی غیر مسلم نے اپنا گھر مسلمانوں کیلئے مسجد کر دیا

اگر کسی غیر مسلم نے اپنا گھر مسلمانوں کیلئے مسجد کر دیا اور مسجد ہی کی طرح اس نے عمارت بنائی اور مسلمانوں کو اس میں نماز پڑھنے کی اجازت دیدی، لوگوں نے اس میں اذان دی اور نماز پڑھی پھر وہ شخص مرگیا تو یہ دار مسجد نہیں ہوگی بلکہ وارثوں میں بطور میراث جاری ہوگا۔[1]

مسجد کا بصورت مسجد ہونا وقف کیلئے کافی ہے

مسجد کا مسجد ہونا اور اس میں بلا روک ٹوک نماز ہونا ہی اس کے وقف ہونے کیلئے کافی ہے اس کے علاوہ کسی اور ثبوت کی ضرورت نہیں ہے اور جب ایک جگہ مسجد ہوجائے، پھر وہ کسی کی ملک میں نہیں آسکتی وہ خداوند تعالیٰ کے ملک میں ہے۔[2]

شیعہ کا مسجد وغیرہ کیلئے وقف کرنا

جیسا کہ گزر چکا ہے کہ واقف کے اعتقاد اور قواعد اسلامیہ کی رو سے وہ کام ہو جس پر وقف کیا جائے اور مسجد یا مدرسہ وغیرہ کی تعمیر قواعد اسلامیہ کی اور شیعوں کے اعتقاد میں بھی ثواب ہے، لہذا اس کا وقف درست ہے ایسی تعمیر کو منہدم کرنا بھی جائز نہیں۔ البتہ شیعہ کے نام کا کتبہ موجب فساد ہوتا ہے تو علاحدہ کر دینا چاہئے، یہ اخلاص کے منافی بھی ہے اور خلاف سنت بھی ہے صحابہؓ کے تمام اوقاف اس سے خالی ہیں۔[3]

ع[1] ولو جعل ذمی داره مسجداللمسلمين وبناه كمابنى المسلمون واذن لهم بالصلوة فيه فصلوافيه ثم مات يصير ميراث لورثته وهذاقول الكل كذا في جواهر الاخلاطي (الفتاوى الهنديه صـ۳۵۳جـ۲)

ع[2] مستفا كفاية المفتى صـ۲۲۸جـ۷

ع[3] مستفاد امدادالفتاوى صـ۵۹۷)

دینی تعلیم کیلئے وقف کی گئی کسی چیز میں انگریزی وغیرہ جاری کرنا

عام طور پر لوگ اپنی جائداد دینی تعلیم کے لئے وقف کردیتے ہیں اور دینی تعلیم تو اصل قرآن وحدیث اور اس کے متعلقات علوم ہوتے ہیں متعلقات علوم ہیں منطق، فلسفہ، جغرافیہ، ادب وغیرہ اگرچہ مقصود بالذات نہیں معین اور آلہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اسی طرح آج کے اس دور میں انگریزی بھی دینی تعلیم کو عام کرنے اور انگریزی داں کو پہچاننے کیلئے دینی تعلیم کیلئے معاون ہوتا ہے تو اس کا داخل کرنا کیونکر درست نہیں ہوگا، البتہ اس بات کا خیال رکھا جائے کہ وہ مقصود بالذات بن کر غالب نہ آجائے اور انگریزی، ہندی، گجراتی، وغیرہ کو مقصود بننے کیلئے ہرگز داخل نہ کیا جائے وقف کیلئے ورثاء کو اس میں جدوجہد کا پورا پورا حق ہوگا کہ وہ منع کردے۔[۱]

وقف کے مصارف میں مقدم کون کونسی چیز ہے

حاصلات اور وقف کی آمدنی کو اولاً وقف کی تعمیر میں صرف کیا جائے گا خواہ وقف کرنیوالے نے یہ شرط کی ہو یا نہ کی ہو پھر جو چیز اس عمارت سے قریب ہو، اور مصلحت میں سب سے عام ہو جیسے مسجد کے واسطے اس کا امام اور مدرسہ کے واسطے اسکا مدرس، پس بقدر ان کی کفایت کے دیا جائیگا پھر چراغ، مصلی، فرش، اور مسجد ومدرسہ کے دیگر مصارف و مصلحتوں کا لحاظ کیا جائیگا، لیکن یہ ترتیب اس وقت ہے جب کہ وقف کا کوئی مصرف معین نہ ہو، اور اگر وقف کو کسی چیز پر معین کیا گیا ہے تو اولاً وقف کی تعمیر واصلاح میں صرف کرنے کے بعد اسی مصرف معین کی طرف خرچ کیا جائیگا۔[۲]

ع[۱] مستفاد فتاوی محمودیہ ص ۲۱۴ ج ۱۸)

ع[۲] من ارتفاع الوقف عمارتہ شرط الوقف ام لاثم الی ماھو اقرب الی العمارۃ واعم للمصلحۃ کالامام :لمسجد والمدرس یصرف الیھم بقدر کفایتھم ثم السراج والبسط کذالک الی آخر المصالح ھذااذلم یکن معینا فان کان الوقف معینا علی شیء یصرف الیہ بعد عمارۃ البناء کذافی الحاوی القدسی (الفتاوی الھندیہ ص ۳۶۸ ج ۲)

واقف نے اپنا مکان اولاد کی سکونت کیلئے وقف کیا تو اس پر تعمیر واجب ہے

کسی نے اپنا مکان اپنی اولاد کے رہنے کیلئے وقف کیا تو جو اس میں رہے اس پر اس کی تعمیر و مرمت واجب ہے اور اگر اس نے اس سے انکار کیا یا اولاد کی تعمیر ہے تو قاضی اس کو اجارہ پر دے کر اس کی اجرت سے تعمیر و مرمت کا حکم دے گا پھر جب اس کی مرمت ہو جائے گی تو جس پر وقف تھا پھر اسی کو واپس دیدے گا۔[1]

سکونت کے حقدار نے اپنے خالص مال سے وقف میں کچھ عمارت بنائی اور اس عمارت میں بعینہ کچھ قائم ہو تو وہ عمارت اس بنانے والے کے وارثوں کی ہوگی چنانچہ ان لوگوں کو اختیار ہوگا کہ اس کو لے لیں، بشرطیکہ اس سے واقف کو کوئی ضرر نہ پہونچے اور اس کے وارثوں سے کہا جائیگا کہ اپنی اس عمارت کو یہاں سے دور کر کے جائیں، پس اگر وہ لے گئے تو خیر ورنہ ان پر جبر کیا جائیگا اور اگر انہوں نے عمارت کا اس شخص کو مالک کر دیا جس پر ان کے مورث کے بعد وقف ہے اور قیمت اس کے عوض لے لی تو دونوں فریق کی باہمی رضامندی سے جائز ہے اور اگر دونوں فریق میں سے ایک نے اس سے انکار کیا تو اس پر اس چیز کیواسطے جبر نہیں کیا جائے گا اور اگر اسی عمارت میں سے بقیہ کچھ قائم نہ ہو تو بنانے والوں کے وارثوں کو کچھ نہیں ملے گا۔[2]

ع[1] ان وقف دارا علی سکنی ولده فالعمارة علی من له السکنی فان امتنع من ذلک او کان فقیرا آجرها الحاکم وعمرها باجرتها واذاعمرها ردها الی من له السکنی ولایجبر الممتنع علی العمارة ولاتصح اجارة من له السکنی کذافی الهدایة (الفتاوی الهندیه صـ ۳۶۸ جـ ۲)

ع[2] فان انفق صاحب السکنی من خالص ماله فی عمارة الوقف فما کان من العمارة شیئا قائما بعینه فهو لورثته ولهم ان یأخذاان (بقیہ اگلے صفحہ پر)

سکونت کے حقدار نے اپنے ذاتی مال سے پکے مکانات بنائے

کسی نے اپنی اولاد کی سکونت کے واسطے مکان وقف کیا تو اوپر آچکا ہے کہ اس کی مرمت اور تعمیر کی ذمہ داری رہنے والے پر ہے اور اگر انکار کر دے تو قاضی مکان موقوفہ کو کرایہ پر دے کر اس کے کرایہ سے مرمت اور تعمیر کرائے اور اگر اس شخص نے جس کے واسطے سکونت شرط کی گئی تھی مکان موقوفہ کی دیوار میں پکی اینٹیں لگائیں یا اس میں گچ یا اس مکان میں شہتیر ڈالے اور ان چیزوں میں سے کوئی چیز بغیر ضرر عمارت وقف سے جدا نہیں ہو سکتی تو اس کے وارثوں کو اسمیں سے کوئی چیز جدا کر کے لینے کا اختیار نہیں ہوگا، لیکن اب جسکو سکونت کا استحقاق بوجہ شرط وقف کے حاصل ہوا ہے اس سے کہا جائے گا کہ وارثوں کو ان کی عمارت کی قیمت دیدے اور تجھ کو سکونت کا استحاق حاصل ہوگا، پھر اگر اس نے انکار کیا تو مکان مذکورہ اجارۃ پر دیدیا جائیگا اور اس کا کرایہ ان وارثوں کو اس وقت تک دیا جائے گا جب تک عمارت کی پوری قیمت ان کو مل جائے پھر جب ان کو پوری قیمت پہنچ گئی تو مکان مذکورہ اس شخص کو دیدیا جائے گا، جس کو سکونت کا استحقاق حاصل ہے اور ایسی صورتوں میں جس کو اب استحقاق سکونت حاصل ہے اختیار نہیں ہے کہ ان وارثوں کے ساتھ اس امر پر راضی ہو جائے کہ اپنی عمارت کو کھود کر توڑے [1]

(گذشتہ صفحہ کا بقیہ) لم يضر ذلك الوقف كذافي الحاوي ويقال لورثته ارفعوا بنائكم فان رفعوا ولايجبروا وان ملكوه الموقوف عليه بعد ذلك بالقيمة جاز بتراضيهم وان ابى احد الفريقين ذلك لايجبر عليه كذافي المحيط ومالايكون قائما بعينه فلاشيء لورثته كذافي الحاوي (الفتاوى لاهنديه صـ ٣٦٨ جـ ٢)

ع [1] وان كان المشروط له السكنى آزر حيطان الدار الموقوفة بالآجر وجصصها اوادخل فيها اجذاعا ثم مات ولم يكن نزع (بقیہ اگلے صفحہ پر)

مدرسہ کی تعمیر کی غرض سے چندہ کیا گیا اور تعمیر ملتوی ہوگئی

کسی مدرسہ کی تعمیر کہہ کر لوگوں سے چندہ وصول کیا گیا مگر تعمیر نہ ہوسکی اور آئندہ اس کی امید بھی نہیں کی جاسکتی ہے تو چندہ وصول کرنے وکرانے والے مہتمم وذمہ دار مدرسہ کیلئے لازم ہے کہ جس سے چندہ لیا ہے، واپس کرے، دوسری جگہ استعمال کرنا درست نہیں ہے کیونکہ چندہ لینے والے مہتمم ومتولی چندہ دینے والے واقف کا وکیل ہے اور وکیل کو بغیر مؤکل کی اجازت کے صرف کرنا درست نہیں ہوتا ہے البتہ چندہ دینے والے کسی اور جگہ صرف کرنے کی اجازت دیدے تو دوسری جگہ صرف کرسکتے ہیں۔[۱]

عمارت وقف میں سے کوئی چیز ٹوٹ کر علیحدہ ہوجائے

وقف کی عمارت میں کوئی چیز منہدم ہوگئی اور ٹوٹ کر گر گئی تو قاضی اس کو وقف کی عمارت میں صرف کرے گا، اگر وقف کو اس کی ضرورت ہو ورنہ اس کو محفوظ رکھے گا اور جب وقف میں اس کی ضرورت پیش آئے تو اس کی عمارت میں صرف کریگا اور اگر بعینہ اس کا عمارت میں صرف کرنا متعذر ہو تو اس کو فروخت کرکے اس کی قیمت مرمت

(گذشتہ اگلے صفحہ پر) شیء من ذلک الابضرر بالبناء فلیس للورثۃ اخذ شیء من ذلک ولکن یقال للمشروط لہ السکنی بعدہ اضمن لورثتہ المیت قیمۃ البناء ولک السکنی فان ابی اجرت الدار وصرفت الغلۃ الی لورثۃ المیت بقدر قیمۃ البناء واذا رفعت علیہ بقیمۃ البناء اعیدت السکنی الی من لہ السکنی ولیس لصاحب السکنی ان یرضی بقلع ذلک وھدمہ کذافی الظھیریۃ (الفتاویٰ الھندیہ صـ۴۶۹ جـ۲)

[۱] مستفاد کفایت المفتی (صـ۱۲۶ جـ۷)

میں صرف کرے گا اور قاضی کیلئے جائز نہیں ہوگا کہ وہ مستحقوں میں صرف کر دے۔[۱]

صرف مالداروں پر وقف صحیح نہیں ہوگا الا یہ کہ فقیروں پر بھی ہو

کسی نے اپنی جائداد وقف کرتے ہوئے یوں کہا کہ میری یہ چیز مالداروں پر وقف ہے۔ یہ وقف درست نہیں ہوگا، اور اگر مالداروں پر متعین طور پر وقف کے بعد فقیر پر کیا تو درست ہے، مثلاً یوں کہا کہ یہ جائداد فلاں مالداروں، اور پھر غرباء پر تو یہ درست ہے اور حق پہلے مالداروں کا ہوگا اور پھر فقراء کا۔[۲]

کسی نے اپنی زمین اس شرط پر وقف کی کہ اس کے متعین مقدار سے حج کرایا جائے

اگر کسی شخص نے اپنی زمین کو اس شرط پر وقف کی کہ ہر سال میری طرف سے ایک پورا حج پانچ ہزار درہم سے کرایا جائے جبکہ زادسفر اور کرایہ وغیرہ سمیت صرف ایک ہزار درھم میں حج پورا ہو جائے تو اسی ایک ہزار درہم سے حج کرایا جائے اور باقی مسکینوں کو دیا جائیگا۔[۳]

ع[۱] وما انهدم من بناء الوقف وآلته صرفه الحاكم فى عمارة الوقف ان احتاج اليه وان استغنى عنه امسكه حتى يحتاج الى عمارته فيصرف فيها وان تعذر اعادة عينه الى موضعه يبيع ويصرف ثمنه الى المرمة ولايجوز ان يصرف بين مستحق الوقف كذافى الهداية (الفتاوىٰ الهنديه صـ ۳۶۹ جـ ۲)

ع[۲] لايجوز الوقف على الاغنياء وحدهم ولووقف على الاغنياء وهم يحصون ثم بعدهم على الفقراء يجوز ويكون الحق للاغنياء ثم للفقراء كذافى محيط السرخسى (الفتاوى الهنديه صـ ۳۶۹ جـ ۲)

ع[۳] وان وقف ارضا على ان يحج عنه كل سنة بخمسة الآف درهم حجة ومبلغ نفقة الحج للراكب الف درهم صرف الف درهم الى الحج والباقى الى المساكين كذافى الحاوى (الفتاوى الهنديه ۳۷۰ جـ ۲)

فقیر اور محتاج کس کو کہا جاتا ہے

جو شخص زکوۃ کے باب میں فقیر قرار دیا جائے وہ وقف میں بھی فقیر شمار ہوگا زکوٰۃ کے باب میں فقیر اس شخص کو کہا جاتا ہے جو نصاب سے کم مال کا مالک ہو یا مال نصاب کا مالک تو ہو لیکن وہ مال غیر نامی ہو (یعنی بڑھنے والا مال، سونا، چاندی، نقد روپے اور مال تجارت نہ ہو) نامی بھی ہو لیکن وہ اس کی حاجت اصلیہ یعنی مکان، کھانا کپڑے وغیرہ سے فاضل نہ ہوں۔

لہٰذا جس شخص کے پاس رہنے کا ٹھکانہ مکان، غلام، باندی، یا ضرورت اصلیہ مثلاً کھانے، کپڑے، سواری، خانہ داری، کے ضروری سامان کے علاوہ ساڑھے باون تولہ چاندی یعنی ۵۹۰رگرام چاندی اور ساڑھے سات تولہ یعنی ۸۵رگرام سونا، یا اس کی قیمت نقد روپئے، پیسے یا اس کے بقدر مال تجارت نہ ہو تو وہ شخص فقیر ہے فقیروں پر وقف کئے گئے مال میں سے یہ بھی لے سکتا ہے، اگر کسی قرابتی کی ملکیت میں متاع خانہ داری یا کپڑوں میں قدر کفایت سے زائد ہو اور زائد اس قدر ہو کہ کم سے کم اس کی قیمت دوسو درہم یعنی ساڑے باون تولہ چاندی ہے تو ایسا شخص مالدار ہے اس کو زکوٰۃ اور وقف کا لینا حلال نہیں ہے۔

اگر کسی کی ملکیت میں دو مکان ہو، ایک مکان حاجت اصلیہ سے فاضل ہو چکا ہو جس کی قیمت دوسو درہم یعنی نصاب کے بقدر ہو تو ایسا شخص مالدار ہے اس کو زکوٰۃ اور وقف لینا جائز نہیں ہے۔[1]

ع[1] والفقیر فی ھذا الباب من یعد فقیرا فی باب الزکوۃ ھذا ھو المشھور کذا فی الحاوی من لہ المسکن لاغیر او کان لہ مسکن و خادم فھو فقیر فی حق الزکوۃ و الوقف و کذالک اذا کان لہ مع ذلک (بقیہ اگلے صفحہ پر)

اسی طرح کسی کی ملک میں کپڑوں میں سے کچھ حاجت سے زائد ہواور کچھ گھر کے سامان حاجت سے زائد ہوں اور کچھ مکان زائد ہوں اوران زیادتیوں میں سے ہر ایک زیادتی کی قیمت بقدر نصاب کوپہونچتی ہے مگر سب کے مجموعہ کم سے کم دوسودرھم یعنی نصاب کے بقدر ہے تو ایسا شخص بھی مالدار ہے اس کے لئے بھی زکوۃ اور وقف لینا درست نہیں ہے۔

اوراگرکسی کی ملکیت میں دوسودرھم چاندی کی قیمت کی زمین ہو اگر چہ اس میں سے غلہ اس قدر حاصل نہ ہوتا ہو جو اس کے واسطے کافی ہو تو مختار قول کے مطابق ایسا شخص بھی غنی ہے اس کے لیے وقف لینا درست نہیں۔

اوراگرکسی کی ملکیت میں بہت سارے مال جمع ہوں، وہ سب غائب ہوں یا اس کا مال لوگوں کے پاس قرضہ ہو جس کے وصول کرنے پر قادر نہ ہو تو ایسے شخص کو زکوۃ اوروقف دونوں لینا درست ہے اسلئے کہ وہ بمنزلہ ابن السبیل کے ہے۔

اوراگرکسی کا مال اس سے غائب ہو یا لوگوں کے پاس قرضہ ہو جس کو وصول

(گذشتہ صفحہ کا بقیہ) ثياب كفاف ولافضل فيها وكذلك اذاكان له مع ذلك من متاع البيت مالاغناء عنه كذافي الذخيرة وان كان له مائتا درهم اوعشرون مثقال ذهب فلاحظ له من الوقف كذافي المحيط وان كان له فضل من متاع اوالثياب وذلك الفضل يساوى مأتى درهم فهو غنى لاتحل له الزكوة واخذالوقف كذافي فتاوئ قاضيخاں وان كان له سكنان وخادمان والمسكن الفاضل والخادم الفاضل يساوى مأتى درهم فهو غنى فى حق حرمة اخذ الزكوة والوقف وان لم يكن غنيا فى حق وجوب الزكوة وهذا مذهب اصحابنا رحمهم الله تعالىٰ كذا فى المحيط (الفتاوى الهنديه صـ۳۸۵جـ۲)

کرنے پر قدرت نہ ہو مگر وہ قرض لے سکتا ہے تو صدقہ قبول کرنے سے اس کو قرضہ لینا بہتر ہے، لیکن اگر اس نے قرضہ نہ لیا اور زکوۃ لے لی تو مضائقہ نہیں ہے اور یہ شخص فقیر ہے وقف کا مال اس کیلئے لینا درست ہے۔[1]

اور اگر ایسا شخص جو فقیر ہے مگر کمائی کر کے گزر کر لیتا ہے تو زکوۃ اسکے لئے لینا مکروہ ہے مگر وقف کا مال لینا درست ہے۔

اگر کسی کا مال ایسے شخص کے پاس قرضہ ہے جو مفلس ہے ادا کرنے پر قادر نہیں ،تو ایسا شخص فقہ کی اصطلاح میں فقیر ہے وقف لے سکتا ہے اور اگر اس کا مال کسی مالدار پر ہے اور وہ اقرار کرتا ہے تو یہ غنی ہے وقف نہیں لے سکتا اور اگر انکار کرتا ہے اور اس کے گواہ موجود ہوں تو بھی غنی ہے اور اگر گواہ نہ ہوں تو فقیر ہے وقف لے سکتا ہے۔[2]

ع[1] وان کان له فضل من الثیاب وفضل من متاع البیت وفضل مسکن وفضل کل صنف بانفراده لایساوی مأتی دراهم واذا اجتمعت بلغت مأتی درهم کان غنیا کذافی فتاوی قاضیخاں وان کانت له ارض تساوی مأتی درهم ولاتخرج غلتها مایکفیه فهو غنی علی المختار کذا فی خزانة المفتین وان کان له مال کثیر غائب اومال یکون له دینا علی الناس لایقدر علی اخذه یعطی له من الوقف والزکوة جمیعا لانه بمنزلة ابن السبیل (الفتاوی الهندیه صـ۳۸۵،۳۸٦جـ۲)

ع[2] وان کان ماله غائبا عنه او کان دینا علی الناس لایقدر علی اخذه الاانه یقدر علی الاستقراض کان الاستقراض خیرا من قبول الصدقة فلوانه لم یستقرض واخذ الزکوة فلابأس به ویعطی الوقف للفقیر الکسوب ولابأس به ویکره له اخذ الزکوة کذافی فتاویٰ قاضیخاں، وان کان له دین علی مفلس فهو فقیر وان کان علی ملئی وهو مقربه فهو غنی وان کان منکرا وله بینه فکذالک وان لم تکن بینة فهو فقیر کذافی الذخیرة (الفتاوی الهندیه صـ۳۸٦جـ۲)

قرابتی فقیروں پر وقف کرنے کی صورتیں جسمیں بعض مستحق بعض محروم ہوں

اگر کسی نے اپنی زمین اپنے قرابتی فقیروں پر وقف کیا اور حال یہ ہے کہ اس کا قریب شخص غنی ہے جس کی اولاد فقیر ہیں اگرچہ یہ اولاد صغیر ہوں مذکر، یا مؤنث، یا بالغ عورتیں ایسی ہوں جن کے شوہر نہیں ہیں یا بالغ مرد ایسے ہوں، جو مجنون ہوں تو اس کو اس وقت تک حصہ نہیں ملے گا اسلئے کہ اس کا نفقہ اس غنی پر ہے اور یہ سب اس غنی کی وجہ سے غنی ہیں۔ اور اگر اس مالدار مذکور کے بھائی یا بہن فقیر ہوں، یا کوئی اولاد بالغ فقیر کمائی کرتا ہے تو ان کو اس وقت حصہ ملے گا۔

اگر عورت فقیر ہو اور اسکا شوہر مالدار ہو تو اس عورت کو وقف سے نہیں دیا جائے گا، اور اگر شوہر فقیر ہو تو اس کو وقف سے دیا جائے گا اگرچہ اس کی بیوی مالدار ہو۔[1]

اگر وقف کرنے والے قریب کا فرزند بالغ ہو اور آپاہج بھی نہیں ہے مگر وہ فقیر ہے فرزند کی اولاد موجود ہیں کہ وہ بھی فقیر ہیں تو اس فرزند کی اولاد کو اس وقت وقف کا حصہ نہیں دیا جائے گا اس لئے کہ قاضی اس کا نفقہ اس کے دادا کے مال میں فرض کرے گا اور اس اولاد کا باپ یعنی دادا کا لڑکا اس وقف میں سے حصہ پائے گا اس لئے کہ اس کا نفقہ اس کے باپ پر نہیں ہے کیونکہ وہ بالغ ہے اور آپاہج نہیں ہے۔

---

[1] اذا وقف ارضه علی فقراء قرابته وله قریب غنی ولهذا الغنی اولادفقراء فان کانوا اصغارا ذکورا او اناثا او کانوا کبارا اناثا لاازواج لهن اوذکور ازمنی او مجانین فلاحظ لهم فی هذاالوقف وان کان لهذاالغنی اخوة او اخواة فقراء اوولد له کبیر فقیر مکتسب فلهم حظ فی هذاالوقف کذافی محیط السرخسی واذاکانت امرأة فقیرة ولها زوج غنی لاتعطی من الوقف والزوج اذاکان فقیرا یعطی من الوقف وان کانت امرأته غنیة (الفتاوی الهندیه صـ۳۸٦جـ۲)

اور اگر واقف کے قرابت میں سے کوئی خود فقیر ہو مگر اس کا لڑکا مالدار ہو تو ان دونوں کو اسمیں سے حصہ نہیں ملے گا۔

واقف نے کہا کہ میری یہ جائداد میرے قرابتی فقیروں پر وقف ہے اور ان کے قرابتی میں سے ایک شخص اس وقت اور غلہ پیدا کرنے تک فقیر تھا مگر حصہ لینے سے قبل مالدار ہو گیا تو اپنے حصہ کا مستحق ہوگا، اور اگر اس کے رشتہ دار میں کسی عورت نے غلہ کے حاصل ہونے کے بعد چھ مہینہ سے کم کی مدت حمل سے بچہ جن دیا تو اس غلہ میں سے اس بچہ کو کچھ بھی نہیں ملے گا، البتہ آئندہ حاصلات میں سے یہ بچہ بھی مستحق حصہ ہوگا۔[۱]

کسی قرابت میں سے ایک شخص فقیر ہو

کسی نے کہا میری یہ زمین صدقہ موقوفہ ہر اس شخص پر ہے جو فلاں کی نسل یا فلاں کے آل اولاد میں سے ہوں، حالانکہ فلاں مذکور کی نسل یا آل میں سے ایک کے سواء کوئی فقیر نہیں ہے تو تمام تر غلہ اسی کا ہوگا بخلاف اس کے کہ اگر کہا کہ صدقہ موقوفہ فلاں کے اولاد کے فقراء پر ہے تو اس صورت میں نصف ملے گا۔

ع[۱] واذا کان لقریبه ولد کبیر لازمانة به وهوفقیر ولهذاالولد اولاد صغار فقراء فانه لایعطی اولاد الاولاد من الوقف لانی افرض نفقتهم من مال جدهم واما ابوهم وهوولده الکبیر لصلبه فله حظ فی الوقف لانه لانفقة له علی الاب لانه کبیر لازمانة واذا کان للرجل ابن غنی وهو فقیر لایعطی من الوقف کذا فی الذخیرة ولوقال ارضی صدقة موقوفة علی فقراء قرابتی وفیهم رجل فقیر یوم مجیء الغلة فاستغنی قبل ان یأخذ حصته وان ولدت امرأة من قرابته ولد بعد مجیء الغلة اقل من ستة اشهر فلاحصة لهذاالولد فی هذه الغلة کذافی المحیط (الفتاویٰ الهندیه صـ۳۸٦جـ۲)

اوراگرایک ماں باپ سے دوسگے بھائیوں نے اپنے فقراء قرابت پر وقف کیا پھر قرابت میں سے ایک اورفقیر آیا تو دیکھا جائے گا کہ اگر دونوں نے اپنے درمیان مشترک اراضی کو وقف کیا ہے تو اس وقت ایک ہی قوت یعنی ایک کو روزینہ بقدر کفایت دیا جائے گا اور اگر ہر ایک نے اپنی علیحدہ اراضی وقف کی تو ہر ایک میں سے اس کو بقدر قوت دیا جائے گا اور قوت سے مراد اس جنس کے مسائل میں قدر کفایت ہے۔[۱]

کسی شخص نے واقف سے اپنی قرابت کا دعوی کیا

کسی شخص نے اپنی جائداد اپنے فقراء قرابت پر موقوف وقف کیا پھر ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ میں فقیر ہوں اور وقف کرنے والے کا قریب ہوں تو اس شخص کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنی قرابت اور فقیر ہونا ثابت کرے، (اگر چہ باعتبار اصل وظاہر کے ثابت ہے لیکن ظاہر حال تو دیدینے کے واسطے حجت ہے استحقاق کے واسطے حجت نہیں) اگر اس نے اپنی قرابت کے گواہ قائم کئے، تو جب تک گواہ اس کی قرابت کے

ع[۱] ومستحق مایستقبل من الغلات کذا فی فتاویٰ قاضیخاں ولوقال ارضی هذه صدقة موقوفة علی من کا ن فقیرا من نسل فلان اومن فلان ولیس فی نسله او آله الافقیرا واحدا کان جمیع الغلة له بخلاف مالو قال صدقة موقوفة علی فقراء آل فلاں کذا فی الظهیرية اخوان لاب وام وقفا علی فقراء قرابتهما فجاء فقیر واحد من القرابة ینظر ان کانا وقفا ارضا مشترکة بینهما یعطی هذاالفقیر قوتا واحدا وان وقف کل واحد ارضا علی حدة یعطی من کل واحد قوته والمراد من القوت فی جنس هذه المسائل الکفایة فان کان الوقف ارضا یعطی کفایته سنة بلااسراف ولاتقتیر وان کان الوقف حانوتا یعطی کفایة کل شهر کذا فی المحیط (الفتاویٰ الهندیه صـ۳۸۷ جـ۲)

نسب معلوم کو بیان نہ کریں تب تک گواہی قبول نہ ہوگی، یعنی اس کا تعلق وقف کنندہ سے کیا ہے اور اگر اس نے اپنے فقیر ہونے کے گواہ قائم کئے تو چاہیے کہ تفسیر کریں، کہ یہ فقیر نادار ہے اس کی ملکیت میں ہم کچھ مال نہیں جانتے ہیں اور ہم کسی ایسے کو نہیں جانتے ہیں، جس پر اس کا نفقہ لازم ہو، پھر جب قاضی نے اس کے نادار ہو نے کا حکم دیدیا تو یہ حکم اس کے قرضہ کے حق میں معدوم ہونے کا نہیں ہوگا، اور اگر قاضی نے مطالبہ قرض کے حکم میں اس کے نادار ہونے کا حکم دیا پھر وہ وقف میں سے مانگنے آیا تو اس کو دیا جائے گا اور اگر اس نے گواہ قائم کئے کہ یہ شخص فقیر اور اس وقف کی طرف محتاج ہے اور اس کا کوئی ایسا شخص ہے بھی نہیں جس پر اس کا نفقہ لازم ہو تو قاضی اس شخص کو وقف میں شامل کرلے گا۔ [۱]

ع[۱] ولووقف ارضه علی فقراء قرابته وادعی رجل انه فقیر وهو قریب الواقف یحتاج الی اثبات القرابة والفقر وان کان ثابتا باعتبار الاصل والظاهر لکن الظاهر یصلح حجة للدفع حجاء لاللاستحقاق فان اقام البینة علی قرابته لاتقبل مالم تفسر الشهود قرابته وهو ان یکون من ذوی الارحام وان اقام البینة علی فقره ینبغی ان تفسر الشهود انه فقیر معدم لانعلم له مالا ولااحد اتلزمه نفقته فاذا قضی القاضی باعدامه لایکون قضاء بالاعدام فی حق الدین اما اذاقضی بفقره فی حق مطالبة الدین ثم جاء یطلب الوقف فیعطی له هکذا ذکره هلالؒ وقال الفقیه ابوجعفرؒ یجب ان یثبت مع ذلک انه لیس له احد تلزمه نفقته لان ذلک لم یدخل فی القضاء بالفقر فی حال طلب الدین ولابد من اثبات ذلک لاستحقاق فی الوقف کذافی محیط السرخسی فان اقام البینة انه فقیر یحتاج الی هذاالوقف ولیس له احد تلزمه نفقته ادخله القاضی فی الوقف (الفتاویٰ الهندیه صـ ۳۸۷ جـ ۲)

منافع وقف کا کچھ حصہ بیوی کیلئے وقف کرنا

کسی نے مرض الموت میں اپنی کوئی زمین (مکان یا کوئی جائداد) اپنی بیوی کو وقف کرتے ہوئے یوں کہا کہ میری یہ زمین یا مکان وغیرہ جو میری جائداد کے ثلث یا اس سے کم ہے فلاں مسجد کیلئے وقف ہے جس کی آمدنی میں سے کچھ حصہ تم اپنے تصرف میں لانا اور کچھ حصہ مسجد کی ترتیب واصلاح میں خرچ کرنا، تو اس سے وقف صحیح ہوجائے گا، بشرطیکہ مال موقوفہ ثلث ترکہ سے زائد نہ ہو، بیوی اگرچہ وارث ہے مگر وارث کیلئے وقف بالکل نہیں ہوتا ہے لیکن منافع وقف کی تقسیم حسب سہام شرعی ہونا ضروری ہے۔

واقف کی تجویز کے موافق تقسیم بقیہ ورثاء کی اجازت کے بغیر نہیں ہوسکتی اسی لئے آمدنی میں سے بیوی کیلئے جتنا حصہ تجویز ہوا ہے وہ صرف بیوی ہی کیلئے نہیں بلکہ بیوی کی حیات تک شرعی سہام کے موافق تمام واقفوں کا ہوگا، جسمیں بیوی ہی شامل ہوگی، پر بیوی کے انتقال کے بعد صرف زوجہ کی وارثوں میں تقسیم ہوگا، رہا تقسیم کس طرح کی جائے تو اس کا حکم وصیت مبہم جیسا ہے اس قسم کی وصیت میں نصف نصف تقسیم ہوگا۔[1]

منقولہ چیزیں اولاد پر وقف کرنا

اشیاء منقولہ (لوہے لکڑی کا سامان اور انجن مشین) کا وقف غیر منقولہ یعنی مکان، کارخانہ کے وقف کے بغیر کا مسئلہ مختلف فیہ ہے امام محمدؒ کے نزدیک غیر منقولہ کے تابع قرار دیا جائے گا اس کے بغیر وقف کرنے کا عرف میں تعامل ہو تو جائز ہے جس میں تعامل نہ ہو تو ناجائز ہے امام ابو یوسفؒ ہر حال میں ناجائز قرار دیتے ہیں خواہ تعامل ہو یا نہ ہو اور غیر منقولہ کے تابع قرار دے کر ہر طرح جائز ہے اور امام اعظمؒ کے نزدیک منقولہ کا وقف ہر طرح ناجائز ہے اور فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے، لہٰذا کارخانہ وغیرہ

ع[1] مستفاد امداد المفتین صـ ۷۴۳.

غیر منقولہ چیز کے ساتھ ان منقولہ کو وقف کیا گیا تو درست ہے، تنہا مشین اور اشیاء منقولہ کا وقف صحیح نہیں کیونکہ یہاں ان چیزوں کے وقف کا رواج نہیں ہے۔[2]

نسل میں لڑکی اور لڑکی کی اولاد کا شامل ہونا

بادشاہ وقت یا حاکم وغیرہ نے خانقاہ مدرسہ وغیرہ یا کوئی افادۂ عام کیلئے اپنی زمین یا جائداد زید کیلئے نسل در نسل وقف کردی تو اسمیں زید کے لڑکے کے ساتھ اس کی لڑکیاں اور لڑکیوں کی اولاد بھی اسمیں شامل ہوگی، زید کے بعد اس کی اولاد وقف متولی ہوگی اگر زید کی کوئی اولاد نہیں صرف ایک لڑکی نابالغہ ہے تو وہ متولیہ تو نہیں بن سکتی کیونکہ متولیہ بننے کیلئے عقل اور بلوغ شرط ہے مگر لڑکی کی حق تولیت ختم نہ ہوگی جب تک وہ بلوغ کو نہ پہونچے تب تک قاضی کسی کو متولی بنادے اور اس کے بالغ ہونے کے بعد ولایت اس کی طرف لوٹ آئے گی حاکم وقت یا قاضی کو چاہئے کہ تولیت کا حق اسی کو سپرد کرے اور لڑکی کے بعد اس کی اولاد کو حق تولیت ملے گا۔[1]

اقارب پر وقف کرنے کا ایک طریقہ

کوئی شخص لاولد ہے تو اسکے مرنے کے بعد میراث تو جاری ہوگی نہیں البتہ اس کی زندگی کی ضروریات ہیں اگر زندگی میں وقف کردے گا تو بقیہ زندگی محتاجگی کی حالت گزارنی پڑے گی اسلئے اپنی حیات میں رشتہ داروں کیلئے اس طرح وقف کرے کہ جب تک میں زندہ ہوں اس کے منافع خود لوں گا اور میرے انتقال کے بعد میرے اقارب میں سے مساکین کو ملیں گے اور میرے اقارب میں کوئی مسکین نہیں، تو عامۃ المسلمین کے مساکین پر صرف کئے جائیں۔[2]

ع[2] مستفاد فتاوی محمودیه صـ۲۵۹ جـ۶.

ع[1] ولو وقف على نسله اوذريته دخل فيه اولاد البنين واولادالبنات قربوا او بعدوا (الفتاوى الهنديه صـ۳۷۵ جـ۲)

ع[2] مستفاد احسن الفتاوى صـ۴۲۰ جـ۶)

وقف علی الاولاد کی صورت میں ذکور واناث کے حصے میں تفاوت ہوگا یا برابری

کسی شخص نے اپنی زندگی میں کوئی جائداد اولاد کیلئے وقف کیا کہ میرے اس مال موقوفہ کے منافع میرے لڑکوں اورلڑکیوں کو دیا جائے تو کیا بھائی بہن دونوں کو ھبہ اورعطایا کی طرح برابر دیئے جائیں گے؟ یا میراث کی طرح ان کے حصے میں تفاوت ہو گا تو اس سلسلے میں فقہاء احناف کے دوقول ہیں ایک یہ ہے کہ وقف میں ھبہ اور عطایا کی طرح لڑکے اورلڑکیوں کو برابر ملے گا، دوسرا قول یہ ہے کہ میراث کی طرح دونوں کے حصے میں تفاوت ہوگا یعنی لڑکوں کولڑکیوں کے مقابلے میں ڈبل حصہ دیا جائے گا۔ علامہ شامی نے اِس کوراجح قرار دیا ہے، لہٰذا لڑکیوں کواس سے کم دینا یا بالکل محروم کردینا جائز نہیں ہے بشرطیکہ لڑکیوں اور دیگر وارثوں کونقصان پہنچانے کی غرض سے کمی کی ہو اوراگر ضروریات پرنظر کرکے آپسی رضامندی کیساتھ کمی بیشی مطلقا جائز ہے۔[1]

---

[1] مطلب:قال للذکر کانثیین ولم یوجد الاذکور فقط اواناث فقط قوله(وان قال للذکر کأنثیین الخ) فیه اختصار واصله ما فی الاسعاف ولوقال بطنا بعدبطن للذکر مثل حظ الانثیین فان جاء ت الغلة والبطن الاعلی علی ذکور او اناث یکون بینهم للذکر مثل حظ الانثیین وإن ذکورا فقط اواناثافقط فبالسویة من غیر ان یفرض ذکر مع الاناث اوانثی مع الذکور بخلاف مالو اوصی بثلث ماله لولد زید بینهم للذکر مثل حظ الانثیین و کانوا ذکورا فقط اواناثا فقط فانه یفرض مع الذکورانثی ومِع الاناث ذکرویقسم الثلث علیهم فما اصابهم اخذوه وماصاب المضموم الیهم یرد الی ورثة الموصی والفرق ان مایطل من الثلث یرجع میراثا الی ورثة الموصی وما یطل الوقف لایرجع میراثا وانما یکون للبطن الثانی وانه لاحق له مادام احد من البطن الاعلی باقیا فعلم ان مراده بقوله للذکر مثل حظ الانثیین انما هو علی تقدیرالاختلاف لامطلقاوعلی هذا امورالناس ومعانیهم (الفتاویٰ الشامی ص۔۵۴۹ ج۔۶)

کسی نے اپنی عالم اولاد پر وقف کیا

کسی شخص نے اپنی زمین یا دیگر اپنی عالم اولاد پر وقف کی یا اولاد کی اولاد پر وقف کیا بشرطیکہ وہ عالم ہوں، پھر واقف چھوٹا لڑکا چھوڑ کر مرا جو چند سال کے بعد عالم بنا تو جب سے عالم ہوا ہے اسی وقت سے اس وقف میں سے حصہ ملے گا، عالم بننے سے قبل اس کو حصہ نہ ملے گا اس طرح ان کی اولاد کی اولاد میں سے جو بھی عالم ہوگا اس وقت سے حصہ ملے گا جب وہ عالم کی سند حاصل کیا ہو۔[۱]

---

[۱] وقف ضیعة علی اولاده الفقهاء واولادالاولاد ان کانوفقها ء ثم مات احدهم عن ابن صغیر تفقه بعدسنین لایوقف نصیبه ولایستحق قبل حصول تلک الصفة کذافی القنیة (الفتاویٰ عالمگیری صـ۳۷۳جـ۲)

﴿وقف میں دعوی اور شہادت کا بیان﴾

کسی چیز کو فروخت کرنے کے بعد بائع وقف کا دعویٰ کرے

کسی شخص نے ایک زمین فروخت کی پھر کہا کہ میں اس کو وقف کر چکا تھا یا یوں کہا کہ یہ زمین میرے اوپر کسی نے وقف کیا ہے تو یہاں پر تناقض پایا گیا، وقف عدم ملکیت کا مقتضی ہے اور بیع ملکیت کا تقاضہ کرتی ہے پس اگر بائع نے وقف کے اوپر گواہ قائم کر دیا تو بیع باطل ہو جائے گی، بشرطیکہ بائع کے قول میں تناقض نہ ہو، مثلاً بائع نے اولاً کہا کہ زمین فلاں پر وقف ہے پھر مجھ پر وقف ہے اس طرح اس نے اولاً کہا کہ یہ زمین میں نے باپ سے میراث میں پائی ہے اور بعد میں کہا کہ میرے باپ نے مجھ پر وقف کیا ہے تو اس کی بات میں تناقض پائے جانے کی وجہ سے دعویٰ نہیں سنا جائے گا اور بیع باطل نہیں ہوگی۔ [۱]

کسی جائداد سے متعلق دعویٰ کیا کہ میری ملکیت ہے کسی نے انکار کیا کہ نہیں مسجد کی ہے

زید نے ایک مکان پر جو عمر کے قبضہ میں ہے کہ یہ مکان اپنی اصل اور عمارت سے یہ میری ملکیت میں ہے، مدعا علیہ نے اس سے انکار کیا اور دعوی کیا کہ فلاں مسجد کی حاجت واصلاح کیلئے وقف ہے، پس مدعی نے اپنے دعوے پر گواہ قائم کیا اس پر قاضی نے

ع[۱] ومن باع ارضا ثم قال كنت وقفتها او قال هى وقف على ان لم يقم بينة على ذلك واراد تحليف المدعى عليه ليس له ذلك لان سبق الدعوى الصحيحة شرط التحليف وقد انعدم لمكان التناقض منه وان اقام البينة فالمختار انها تسمع لان الدعوىٰ ان بطلت للتناقض بقيت الشهادة وهى مقبولة على الوقف من غير دعوى كذافى الغياثية ومتى قبلت ينقض البيع كذافى الواقعات الحسامية (الفتاوى الهنديه ص۔ ۴۳۰ ج۔ ۲)

ملکیت کا دستاویز لکھ دیا، پھر مدعی نے بات بدل کر اقرار کیا کہ اصل زمین اور رقبہ اسکا وقف ہے اور اس پر جو عمارت ہے وہ میری ہے تو اس کا دعوی اور اس کے مطابق قاضی کا لکھا ہوا دستاویز سب باطل ہو جائے گا۔[1]

دو شخص نے دعوی کیا تو قابض کا دعوی اور اس کی گواہی معتبر ہوگی

وقف کے متولیوں نے زمین یا مکان کے وقف ہونیکا دعویٰ کیا اس پر گواہ قائم کیا بعدہٗ دوسرے شخص نے اس جائداد کے متعلق اپنی ملکیت کا دعویٰ اور گواہ قائم کیا حالانکہ فی الحال قبضہ متولیوں کا ہے تو جس کا قبضہ ہے اس کی گواہی مسموع نہیں ہوگی بلکہ جس کا قبضہ نہیں ہے اس کی گواہی معتبر ہوگی۔[2]

وقف کے متعلق شہادت

اگر اوقاف اور اس کے مصارف وغیرہ کے سلسلے میں اختلاف پیدا ہو جائے تو

ع[1] ادعی دارا فی یدی رجل انها ملکه باصلها وبنائها وانکر المدعی علیه ذلک وادعی انها وقف علی مصالح مسجد کذافاقام المدعی بینة علی دعواه وقضی له بذلک وکتب له السجل ثم ان المدعی اقرأ ان اصل الدار وقف والبناء له بطلت دعواه والحکم والسجل هکذاذکر فی فتاویٰ اهل سمر قند کذافی الذخیره (الفتاوی الهندیه صـ ۴۳۳ جـ ۲)

ع[2] لواقام المتولی بینة علی الوقف واقام المدعی بینته وعلی الملک ذوالید هوالمتولی لاتسمع بینه ذی الید ویقضی بینة الخارج فلواقام المتولی بعد ذلک بینة علی الوقف لاتسمع وعند ابی یوسف رحمه الله تعالیٰ تقبل بینة ذی الید علی الوقف ولاتقبل بینة الخارج علی الملک والفتوی علی قولهما کذافی الفصول العمادیة ناقلا عن فتاویٰ رشیدالدین (الفتاوی العالمگیریه صـ ۴۳۳ جـ ۲)

اس وقت شرعی شہادت کی ضرورت پڑے گی اور عام معاملہ کی طرح اس میں بھی کم سے کم دو دیندار مردوں یا ایک مرد دو عورتوں کی گواہی ضروری ہے۔[1]

مشاہدین میں سے کسی نے بھی وقف شدہ ملکیت کے حدود بیان کیے

اگر دو گواہوں نے ایک شخص پر گواہی دی کہ اس شخص نے فلاں زمین وقف کی ہے مگر دونوں گواہوں نے یا دونوں میں سے ایک نے حدود بیان نہیں کئے تو گواہی معتبر نہیں خواہ گواہوں نے اقرار کیا کہ واقف وقف کرتے وقت اور گواہ بناتے وقت ہم سے اس جگہ کے حدود بیان نہیں کئے تھے تو بھی ان دونوں کی گواہی باطل ہو جائے گی البتہ اراضی کے مشہور ہونے کیوجہ سے حدود بیان نہیں کئے گئے تو امام خصافؒ کے نزدیک گواہی معتبر ہے اسی طرح چاہے حدود میں سے صرف تین کو بیان کیا تو بھی گواہی معتبر مانی جائے گی، حضرت امام خصاف سے دریافت کیا گیا کہ جب گواہوں نے ہم سے صرف تین حدیں بیان کیں اور ہم نے ان حدود کو قبول کرلیا تو چوتھی حد کی نسبت کیسے

ع [1] ونصابها لغيرها من الحقوق سواء كان الحق مالا او غيره كنكاح وطلاق ووكالة ووصية واستهلال، صبى رجلان اورجل وامرأتان (درمختار على هامش شامى كتاب الشهادت صـ۱۷۸ جـ۸) ولايشهد احد بما لم يعاينه بالاجماع الافى النسب والموت والنكاح والدخول بزوجته وولاية القاضى واصل الوقف وقيل وشرائطه على المختار كما مر فى بابه واصله هو كل ماتعلق به صحته وتوقف عليه والافمن شرائطه فله الشهادة بذلك اذااخبرها بهذه الاشياء من يثق الشاهد به من خبرجماعة لايتصور تواهم على الكذب بلاشرط عدالة اوشهادة عدلين ولافى الموت فيكفى العدل ولوانثى (درمختار على هامش شامى صـ۱۸۵ جلد ۸ كتاب الشهادت)

فیصلہ کیا جائے گا، تو فرمایا کہ چوتھی کا تیسری سے مقابلہ کیا جائے گا تو جو حدیں اول کے شروع تک پہنچ جائے تو گویا تینوں حدیں ملا کر چوتھی حد نکال لی جائے گی۔[۱]

اگر گواہ حدود بھول جائے

اگر دونوں گواہوں نے گواہی دی کہ اس شخص نے فلاں جگہ کی زمین وقف کی ہے اور وقف کرتے وقت واقف نے ہم سے حدود بھی بیان کئے تھے مگر ہمیں یاد نہیں تو اس کی گواہی اس وقت بھی معتبر نہیں ہوگی۔[۲]

گواہ اپنے علم کے مطابق حدود بیان کرے

گواہوں نے گواہی دیتے ہوئے یوں کہا کہ اس شخص نے اپنی زمین وقف کی ہے مگر وقف کرتے وقت حدود بیان نہیں کئے تھے مگر ہم ان کے حدود جانتے ہیں تو بھی اس کی گواہی معتبر نہیں ہوگی۔[۳]

ع[۱] واذا شهد شاهد ان على رجل انه وقف ارضه ولم يحددها الشاهدان فالشهادة باطلة وكذالك ان حددهاا حدهما دون الآخر كانت الشهادة باطلة وكذالك لوشهد انه وقف ارضه التى فى موضع كذا وقالالم يحددها لنا فالشادة باطلة قال الخصاف الاان تكون ارضا مشهورة تغنى شهرتها عن تحديدها فان كان كذلك قضيت بانها وقف وان حداها بحدين فالمشهور عن اصحابناانه لايقبل وان حداها بثلاثة حدود قبلت الشهادة عند علمائنا الثلاثة كذافى المحيط. وان حداها بثلاثة حدود وقالا انما أقرلنا بهذه الثلاثة جازت الشهادة كذافى الحاوى سئل الخصاف فقيل اذاقبلنا هذه الشهادة بثلاثة حدود كيف تحكم بالحدالرابع قال اجعل الحدالرابع بازاء الحد الثالث حتى ينتهى مبدء الحد الاول اى بازاء الحد الاول كذافى المحيط (الفتاوى العالمگيريه صـ۴۳۴ جـ۲) (۱،۲،۳ اگلے صفحہ پر)

زمین کی تعیین کے ساتھ بغیر حدود کے گواہی دینا

گواہوں نے گواہی دیتے وقت یوں کہا کہ واقف نے وقف کرتے وقت ہمیں گواہ بناتے ہوئے زمین مقرر کردی تھی کہ یہ زمین ہے مگر حدود بیان نہیں کئے اور اس کو قاضی کے سامنے اظہار کردیا تو گواہی درست ہے ورنہ نہیں ۱؎

ع۔۲/۳/۱ . وان شهد انه ووقف ارضه التی فی موضع کذا وحد دها لنا الاانا نسیناه لاتقبل شهادتهما کذافی الذخیرة وان شهد شاهد ان علی ان رجل انه وقف ارضه ولم یحددها لنا ولکنا نعرف الحدود ذکر هلال ان القاضی لایقبل شهادتهما قال القاضی الامام ابوزید الشروطی تأویل هذاانهما لم یبیناللقاضی أما اذا بینا وعرفا یقبل ذلک وذکر الخصاف انی اجیز الشهادة واقضی بالارض بحدودها وقفا واقول للشهود سموالحدود فاقضی بما یسمون کذا فی الظهیریة وهکذا فی المحیط والذخیرة قال هلال وکذلک لوقالا لم یکن له فی المصر الاتلک الارض لم تقبل کذافی المحیط ولوشهد شاهدان انه وقف ارضه ولم یحددها لنا ولکنا نعرف ارضه لاتقبل شهادتهما لعل للواقف أرضا اخری سوی التی یعرف الشاهد ان وکذا لوقالا لانعرف له ارضا اخری لم تقبل شهادتهما لعل له ارضا اخری وهذان لایعلمان کذا فی فتاوی قاضیخان ولوقال اشهد نا انه وقف ارضه التی هو فیها ولم یذکر حدودها جازت شهادتهما کذافی الوجیز قال الامام تاویل هذا اذابینا للقاضی وعرفا فاما اذالم یبینا لاتقبل شهادتهما کذفی الوجیز(الفتاوی العالمگیریه صـ۳۴۳جـ۲)

واقف نے کہا کہ اس دار میں سے میں نے اپنا حصہ وقف کیا

گواہوں نے گواہی دی کہ واقف نے اس گھر میں سے اپنا حصہ یا اس گھر میں جو کچھ اپنے باپ سے میراث پایا ہے وقف کیا ہے اور معلوم نہیں کہ وہ حصہ کتنا ہے تو قیاساً گواہی درست نہیں استحساناً درست ہے اور قاضی واقف کو مجبور کریگا کہ اپنا حصہ بیان کرے پس جس قدر حصہ بیان کرے اسی قول کا اعتبار کر کے وقف ہونے کا حکم صادر کریگا، اور واقف مر گیا تو اس کے وارثوں کے بیان کا اعتبار ہوگا۔[۱]

شہرت کی بنیاد پر حدود بیان نہیں کیے گئے مگر بعد میں واقف کچھ داخل نہ ہونے کا دعوی کرے۔

ایک شخص نے اپنی کسی مشہور زمین کے متعلق کہا کہ میں نے اپنی یہ مشہور زمین بایں تمام (مثلاً فلاں کھیت یا فلاں زمین جو فلاں کے نام سے مشہور ہے) کو ان وجوہ پر صدقہ موقوفہ کر دیا اور ان وجہوں کو بیان بھی کیا اور اخیر اس وقف کا مصرف مسکینوں کو قرار دیا اور زمین کی شہرت کی وجہ سے حدود بیان نہیں کیا اور حدود کے بیان کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے تو یہ وقف جائز ہے، پھر اگر بعد میں واقف نے دعویٰ کیا کہ فلاں کھیت اس

ع[۱] واذا شهدوا انه وقف حصته من هذه الدار اوماورث من ابيه من هذه الدار ولايدريان ما هى لم تجز الشهادة قياسا وجازت استحسانا كذافى الحاوى وان شهدوعلى الواقف باقراره ولم يعرفوا ماله من الارض او من الدار اخذ القاضى بان يسمى ماله من ذلك فما سمى من شىء فالقول قوله فيه ويحكم عليه بوقفيه ذلك وان كان الواقف قدمات فوارثه يقوم مقامه فى ذلك فاقربه من ذلك لزمه الاان يصح عندالقاضى غير ذلك فيحكم بما يصح عنده منه كذا فى الفصول العمادية (الفتاوى الهنديه صـ۴۳۵ جـ۲)

میں داخل نہیں ہے تو شیخ نے فرمایا کہ اگر اس اراضی کے حدود مشہور و معروف ہوں اور کھیت اس حدود کے اندر ہے تو یہ کھیت بھی وقف میں داخل ہوگا۔[1]

مقام کی تعیین میں گواہوں کے درمیان اختلاف پایا گیا

اگر گواہوں نے کسی شخص پر گواہی دی کہ اس نے اپنی زمین وقف کی ہے مگر جگہ کی تعیین میں گواہوں نے مقام بیان کرنے میں اختلاف کیا ہے، پس ایک نے کہا اس نے اپنی زمین جو فلاں مقام پر واقع ہے وقف کی ہے اور دوسرے گواہ نے کہا کہ اس نے اپنی زمین جو دوسرے مقام پر ہے وقف کی ہے تو گواہی معتبر نہیں ہوگی۔[2]

مقدار میں گواہوں کا اختلاف

دو گواہوں نے کسی شخص پر گواہی دی کہ اس شخص نے اپنی زمین وقف کی ہے مگر مقدار میں اختلاف ہوگیا، ایک گواہ نصف کی گواہی دے رہا ہے، دوسرے نے کہا نہیں

ع۱ فی وقف الخصاف رجل وقف ضيعة له فقال قدجعلت ضيعتی المعروفة بكذا وهی مشهورة مستغنية بشهرتها عن تحديدها صدقة موقوفة علی وجوه سماها وجعل اخرها للمساكين جاز فان ادعی الواقف ان قراحا منها لم يدخل فی هذالوقف قال ان كانت حدود هذه الضيعة مشهورة معروفة وكان هذه القراح داخلا فی حدودها فهو داخل فی الوقف (الفتاوی العالمگیریه ۴۴۰ ج۲)

ع۲ واذا شهد علی رجل انه وقف ارضه واختلفا فيما بينهما فشهد احدهما انه وقف ارضه فی موضع كذا فشهد الاخرانه وقف ارضه فی موضع كذا وسمی موضعا اخر لاتقبل الشهادة ولوشهد احدهما انه وقف تلك الارض وارضا اخری قبلت الشهادة علی مااتفقا عليه (الفتاوی العالمگیریه ص۴۳۵ ج۲)

اس نے پوری زمین وقف کی ہے تو نصف حصہ پر وقف ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔[۱]

گواہوں میں مشاع اور غیر مشاع میں اختلاف

دو گواہوں نے گواہی دی مگر ایک نے گواہی دی کہ اس نے نصف حصہ مشاع یعنی بغیر تقسیم شدہ وقف کیا ہے دوسرے نے کہا کہ نہیں تقسیم شدہ نصف حصہ وقف کیا ہے تو گواہی باطل ہو جائے گی۔[۲]

گواہوں کے درمیان وقف اور مکان کی تعیین میں اختلاف

کسی شخص کے متعلق دو گواہوں نے وقف کے سلسلے میں گواہی دیتے ہوئے آپس میں اختلاف کیا، ایک گواہ نے کہا کہ اس نے جمعرات کو وقف کیا تھا، دوسرے نے کہا نہیں اس نے جمعہ کو وقف کیا ہے اسی طرح ایک نے کہا کہ جب وقف کر رہا تھا تو یہ کوفہ میں تھا دوسرے نے کہا نہیں وقف کرتے وقت بصرہ میں تھا تو گواہی معتبر ہوگی۔[۳]

دو گواہوں کے درمیان اختلاف واقف کی حیات و ممات کے سلسلہ میں ہوا

دو گواہوں نے کسی شخص کے متعلق گواہی دی کہ اس نے اپنی زمین وقف کی ہے

ع[۱] ولو شهد احدهما انه وقف هذه الارض كلها وشهد الاخر انه وقف نصفها قبلت الشهادة على النصف وقضى بوقفية نصف هذه الارض هكذا ذكر هلال والخصاف رحمهما الله تعالىٰ (الفتاوى الهنديه صـ۴۳۵ جـ۲)

ع[۲] وان شهد احدهما انه وقف نصفها مشاعا وشهد الاخر انه وقف نصفها مفرزا مميزا فالشهادة باطلة كذا فى الظهيريه (الفتاوى الهنديه صـ۴۳۶ جـ۲)

ع[۳] وان شهد احدهما انه وقف يوم الجمعة وشهد الاخر انه وقف يوم الخميسن او قال احدهما وقف بالكوفة وقال الاخر وقف بالبصرة فالشهادة جائزة كذافى الحاوى (الفتاوى العالمگيريه صـ۴۳۶ جـ۲)

مگر ایک گواہی دیتا ہے کہ اس نے وقف کو وفات پر رکھا تھا کہ میرے مرنے کے بعد یہ زمین وقف ہے، دوسرے گواہ نے گواہی دی کہ نہیں اس نے وقف کو قطعی اور فی الحال قرار دیا تھا، وفات پر نہیں رکھا تھا تو گواہی باطل ہو جائے گی۔ [1]

گواہوں کا وقف کے مصارف میں اختلاف ہوا

دو گواہوں نے کسی شخص کے متعلق وقف کی گواہی دیتے ہوئے اختلاف کیا، ایک گواہ کہتا ہے کہ اس نے اس زمین کو فقیروں پر صدقہ موقوفہ قرار دیا دوسرے نے گواہی دی کہ اس نے اس کو مسکینوں پر صدقہ موقوفہ قرار دیا ہے تو گواہی مقبول ہوگی، کیونکہ کار خیر میں فقیر مسکین کے برابر ہے۔ [2]

گواہوں نے پڑوسیوں کے متعلق گواہی دی اور یہ خود پڑوسی ہیں

اگر وقف میں جھگڑا واقع ہونے پر دو گواہوں نے گواہی دی کہ اس نے اپنے پڑوسی فقیروں پر صدقہ موقوفہ قرار دیا ہے، اور یہ دونوں گواہ بھی اس کے پڑوسی اور فقیروں میں سے ہیں، تو بھی ان دونوں کی گواہی معتبر ہوگی۔ [3]

ع[1] ولو شهد احدهما انه جعل ارضه موقوفة بعد وفاته وشهد الاخر انه وقفها وقفا صحيحا باتا كانت الشهادة باطلة (الفتاوی الهندیه صـ۴۳۶جـ۲)

ع[2] ولو شهد احدهما انه جعلها صدقة موقوفة على الفقراء وشهد الاخر انه جعلها صدقة موقوفة على المساكين قبلت الشهادة والحاصل انهما اذا اتفقا على كونها صدقة موقوفة وتفرد احدهما بزيادة شيء لاتثبت الزيادة ويثبت مااتفقا عليه (الفتاوی الهندیه صـ۴۳۶جـ۲)

ع[3] ولو وقعت الخصومة فی الوقف فشهد شاهدان انها صدقة موقوفة على فقراء جيرانه والشاهدان من فقراء جيرانه جازت شهادتهما (الفتاوی الهندیه ص۴۳۷جـ۲)

قرابتی فقیروں پر صدقہ کی گواہی اور گواہ خود قریبی میں سے ہیں

دو گواہ نے گواہی دی کہ واقف نے اپنے قرابتی فقیروں پر صدقہ موقوفہ قرار دیا ہے، حالانکہ یہ دونوں بھی ان کے قرابتی فقیروں میں سے ہیں، تو ان کی گواہی معتبر نہیں ہوگی اور اگر گواہی دیتے وقت یہ دونوں گواہ مالدار ہو جائے تو بھی گواہی معتبر نہیں ہوگی، کیونکہ جب دونوں فقیر ہو جائیں گے تو ان دونوں کو وقف میں حصہ ملے گا۔[1]

اہل مدرسہ اور اہل مسجد نے مسجد اور مدرسہ کیلئے وقف کی گواہی دی

اہل مدرسہ اور اہل مسجد اور اہل مکتب نے اپنے ادارہ کیلئے وقف کی گواہی دی تو ان لوگوں کی گواہی مطلقاً قبول ہوگی، خواہ یہ گواہ خود اس سے وظیفہ لیتے ہوں، یا ملازمت کرتے ہوں، یا مدرسہ اور مکتب میں ان کے بچے پڑھتے ہوں یا نہیں، ہر اعتبار سے ان کی گواہی قبول کی جائے گی۔[2]

ع[1] ولو شهد شاهدان فى ضيعة انها صدقة موقوفة على فقراء قرابته وهما من فقراء قرابته لاتقبل شهادتهما كذا فى فتاوىٰ قاضيخان ولو شهدا انه وقف على فقراء قرابته وهما غنيان من القرابة يوم شهدا لم تجز الشهادة لانهما لو افتقرا كان لهما حصة كذافى الحاوى (الفتاوى الهنديه صـ ۴۳۷ جـ ۲)

ع[2] ولو وقف رجل كراسة على مسجد لقراءة القرآن او على اهل المسجد وشهد اهل ذلك المسجد على وقف الكراسة فهذه المسئلة نظير شهادة اهل المدرسة على وقف تلك اهل المدرسة وشهادة اهل المحلة على وقف تلك المحلة والمشائخ رحمهم الله تعالىٰ فصلوا الجواب فيها فقالوا فى شهادة اهل المدرسة ان كانوا يأخذون الوظائف من ذلك الوقف لاتقبل شهادتهم وان كانوا لايأخذون تقبل وكذا قالوا فى اهل المحلة هكذا وكذالك الشهادة على وقف مكتب وللشهادة صبى فى المكتب لاتقبل وقيل فى هذه المسائل كلها تقبل وهو الصحيح (كذا فى الفصول العمادية (الفتاوى العالمگيريه صـ ۴۳۷ جـ ۲)

غصب شدہ چیز پر وقف کی گواہی

کسی گاؤں میں اس کے مکتب اور معلم پر کوئی زمین وقف صحیح کے ساتھ وقف کی ہوئی ہے اور اس کو ایک شخص نے غصب کرلیا ہے، پس گاؤں والوں میں ایسے لوگوں نے جنکے بچے اس مکتب میں نہیں پڑھتے ہیں گواہی دی کہ یہ وقف ہے، جسکو فلاں ابن فلاں نے اس مکتب اور اس کے معلم پر وقف کیا ہے تو ان کی گواہی جائز ہوگی ۔[1]

دو گواہوں نے کسی جائداد کے متعلق وقف کی گواہی دیکر رجوع کرلیا

دو گواہوں نے ایک اراضی کی بابت گواہی دی کہ فلاں نے اس کو مسجد یا مقبرہ یا مسافروں کیلئے مسافر خانہ کے طور پر وقف کردیا تھا، پھر دونوں نے اپنی بات سے رجوع کرلیا تو یہ اراضی جس کی بابت اس طرح وقف ہونے کی گواہی دی تھی، وہ وقف رہے گی، اور جس شخص پر انہوں نے یہ گواہی دی تھی اس کو اس اراضی کی اس روز کی قیمت جس روز قاضی نے مدعی علیہ پر حکم دیا تھا تاوان دیں گے یعنی دونوں گواہ اس کے ضامن ہوں گے۔ اسی طرح اگر دونوں گواہوں نے گواہی دی کہ اس نے مساکین پر یا فلاں پر اور پھر مساکین پر وقف کیا پھر دونوں گواہوں نے اس گواہی سے رجوع کرلیا، تو اس کا حکم بھی اوپر والی صورت مسئلہ جیسا ہے کہ یہ جائداد جس کی بابت گواہی دی تھی وقف رہے گی اور گواہوں پر تاوان ہوگا ۔[2]

ع[1] وفی جامع الفتاوی وقف صحیح علی مکتب ومعلم فی القریة فغصبه رجل فشهد من اهل القریة من لاولد له فی المکتب ان هذاوقف فلان ابن فلان علی کذا صحت شهادتهم کذافی التتارخانیه (الفتاوی الهندیه. صـ۴۳۸ جـ۲)

ع[2] شاهدان شهدا علی ارض ان فلانا جعلها مسجدا اومقبرة او خانا للمارة ثم رجعا فالمشهود به وقف علی حاله ویضمن الشاهدان قیمة الارض للمشهود علیه یوم قضی القاضی علیه و کذا لوشهدا انه وقفها علی المساکین او علی فلان ثم علی المساکین ثم رجعا کذا فی الحاوی (الفتاوی الهندیه صـ۴۳۸ جـ۲)

شہرت اور تسامع کی بنیاد پر گواہی دینا

کسی چیز کے متعلق یہ مشہور ہو کہ یہ وقف ہے تو وقف کی جہت بیان کرنے کیساتھ گواہی قبول کی جائے گی، اور اگر گواہوں نے جہت بیان نہیں کی کہ مسجد کیلئے وقف ہے یا مدرسہ کیلئے یا مقبرہ کیلئے یا فقیروں پر وقف ہے یا مساکین پر کسی طرح کی جہت متعین نہیں کر سکے تو ان گواہوں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔[۱]

قابل اعتماد خبروں پر مبنی گواہی بھی قابل قبول ہوگی

ایسے قدیم اوقاف جن کے عینی شاہدوں کا زندہ رہنا متوقع نہ ہو، ان کے وقف ہونے یا مصارف وقف کے اثبات کے سلسلے میں، یا مختلف مصارف کی مقدار کی تعیین کے سلسلے میں قابل اعتماد خبروں پر مبنی گواہی بھی قابل قبول ہوگی۔

قابل اعتماد خبروں پر مبنی گواہی سے مراد یہ ہے کہ گواہوں نے اتنے لوگوں سے وہ بات سنی ہو (جس کی وہ گواہی دے رہے ہیں) کہ عادۃً اتنے لوگوں کا جھوٹ بولنا ممکن نہ ہو یا ہر گواہ نے دو عادل مرد یا ایک عادل مرد اور دو عادل عورتوں سے سن کر قاضی کی عدالت میں گواہی دی کہ فلاں جائداد وقف ہے یا فلاں مصرف پر وقف ہے تو

---

[۱] الشهادة على الوقف بالشهرة تجوز وعلى شرائطه لا وعليه الفتوىٰ كذا في السراجية وكان الشيخ الامام ظهير الدين المرغيناني يقول لابد من بيان الجهة بان يشهدوا بان هذا وقف على المسجد او على المقبرة وما اشبه ذلك حتى لو لم يذكروا ذلك في شهادتهم لاتقبل شهادتهم ومعنى قول المشائخ لاتقبل الشهادة على شرائطه ان بعد ما بينوا الجهة وقالوا هذا وقف على كذا لا ينبغي لهم ان يشهدوا انه يبدأ من علته فيصرف الى كذا ثم الى كذا ولو ذكروا ذلك لاتقبل شهادتهم كذا في الذخيرة (الفتاوى الهنديه صـ۴۳۸ جـ۲)

یہ گواہی قابل اعتماد خبروں پر مبنی گواہی کہلائے گی، جسے فقہ کی اصطلاح میں شہادت بالتسامع یا شہادت بالشہرۃ بھی کہا جاتا ہے۔

نیز قابل اعتماد خبروں کے علاوہ قابل اعتماد دستاویزات بھی مذکورہ امور کے فیصلے کیلئے کافی ہوں گے اور اگر دستاویزات بھی موجود نہ ہوں تو ماضی میں متولیوں کا جو عمل رہا ہے اس کو سامنے رکھ کر مصارف کے بارے میں فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔[1]

ع[1] ونصابها للزنا اربعة رجال والبقية الحدود والقود ومنه اسلام كافر ذكر وردة مسلم رجلان وللولادة واستهلال الصبى للصلوة عليه والبكاره وعيوب النساء فيما لايطلع عليه الرجال امرأة حرة مسلمة والثنتان احوط ونصابها لغيرها من الحقوق سواء كان الحق مالا اوغيره كنكاح وطلاق ووكالة ووصية واستهلال صبى رجلان اورجل وامرأتان الدرالمختار على هامش ردالمختار كتاب الشهادات (ص۵۱۵،۵۱۶ ج۴)ماخوذ مجموعه قوانين اسلامى. ولايشهد على شهادة غيره مالم يشهد عليه وقيده فى النهاية بما اذاسمعه فى غير مجلس القاضى فلوفيه جاز وان لم يشهده شرنبلالية عن الجوهرة ويخالفه تصوير صدرالشريعة وغيره وقولهم لابد من التحميل وقبول التحميل وعدم النهى بعد التحميل على الاظهر قوله مالم يشهد عليه اى مالم يقل له الشاهد أشهدعلى شهادتى قوله تصوير صدرالشريعة حيث قال سمع رجل اداء الشهادة عندالقاضى لم يسع له ان يشهد على شهادته قوله وقولهم عطف على تصوير ووجه المخالفة الاطلاق وعدم تقيدالاشتراط اذاكانت عند غيرالقاضى (درمختار على هامش شامى ص ۱۸۳ ج۸) ولايشهد احد بما لم يعاينه بالاجماع الافى النسب والموت والنكاح (بقیہ اگلے صفحہ پر)

وقف سے لے کر دعویٰ تک اتنی کم مدت ہو کہ عین شاہدوں کا زندہ رہنا ممکن ہو

اگر کسی ایسی چیز کے وقف ہونے کا معاملہ عدالت میں پیش ہو کہ مدعی کی بیان کردہ تاریخ وقف سے لے کر دعویٰ تک اتنی مدت گزری ہو جس میں عینی شاہدوں کے زندہ ہونے کا غالب گمان ہو، تو ایسے اوقاف یا ان کے مصارف کے اثبات یا مصارف کی مقدار کی تعیین کے لئے عینی شاہدوں کی گواہی ضروری ہے اور اگر کسی عذر کی بنیاد پر عینی شاہد عدالت میں حاضر نہ ہو سکتے ہوں تو ان لوگوں کی گواہی کافی ہے جن کے سامنے عینی شاہدوں نے گواہی دی ہو، اور عینی شاہدوں نے ان لوگوں کو گواہی دینے کیلئے بھیجا ہو۔

فقہ کی اصطلاح میں گواہی پر گواہی کو شہادت علی الشہادت کہتے ہیں، جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اصل گواہ کسی عذر کی بنیاد پر عدالت میں حاضر نہیں ہو سکتا ہے، اب ہر گواہ خواہ مرد ہو یا عورت کم از کم دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کے سامنے گواہی دیتا ہے اور ان سے کہتا ہے کہ آپ لوگ عدالت میں حاضر ہو کر میری گواہی پر

(گذشتہ صفحہ کا بقیہ) والدخول بزوجته وولاية القاضی واصل الوقف وقيل وشرائطه على المختار كما مر فی بابه واصله هو كل ما تعلق به صحبة وتوقف عليه والافمن شرائطه فله الشهادة بذلك اذا اخبره بها بهذه الاشياء من يثق الشاهد به من خبر جماعة لايتصور وتواطأهم على الكذب بلاشرط عدالة عدلين الافى الموت فيكفى العدل ولوانثى وان فسر الشاهد للقاضى ان شهادته بالتسامع او بمعاينة اليه ردت على الصحيح الافى الوقف والموت اذافسر اوقالا فيه اخبرنامن تثق به تقبل على الاصح خلاصه (الردالمختار على الدرالمختار صـ ۵۲۰، ۵۲۱ جـ ۴)

گواہی دیدیں، چنانچہ مامور گواہ عدالت میں حاضر ہو کر اس طرح کہتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ فلاں نے اپنی فلاں بات کی گواہی پر مجھے گواہ بنایا ہے اور کہا ہے کہ میری اس گواہی پر گواہی دے دو، تو یہ گواہی شرعاً معتبر ہوتی ہے۔[۱]

ع[۱] (باب الشهادة على الشهادة) هى مقبولة وان كثرت استحسانا فى كل حق على الصحيح الافى الحدود والقود بشرط تعذر حضور الاصل بموت اومرض او سفر او كون المرأة محدرة وقوله عندالشهادة عندالقاضى قيد للكل لاطلاق جوازالاشهاد لاالاداء كما مر وبشرط شهادة عدد نصاب ولورجلا وامرأتين عن كل اصل ولوامرأة لاتغاير فرعى هذا وذلك وكفيتها ان يقول الاصل مخاطبا للفرع ولوابنه بحر اشهد على شهادتى انى اشهدبكذويكفى سكوت الفرع ولورده ارتدقنية ويقول الفرع واشهد ان فلانا اشهدنى على شهادته بكذا وقال لى اشهد على شهادتى بذلك(ردالمختار على هامش الدرالمختار باب الشهادة صـ۵۴۴،۵۴۵ جـ۴)وتقبل فيه الشهادة على الشهادة وشهادة النساء مع الرجال والشهادة بالشهرة لاثبات باصله وان مرحوا به اى بالسماع فى المختار والوقف على معنيين حفظا للاوقاف وغيرها لكن فى المجتبى المختار قبولها على شرائطه ايضا واعتمد فى المعراج واقره الشرنبلالى وقواه فى الفتح بقولهم يسلك بمنقطع الثبوت المجهولة شرائطه ومصارفه ماكان عليه فى دواوين القضاة انتهىٰ وجوابه ان ذلك لضرورة المدعى اعم بحر وبيان الصرف كقولهم على مسجد كذا من اصله لتوقف صحة الوقف عليه فتقبل بالتسامع (قوله لاثبات اصله) متعلق بالشهادة بالشهرة فقط وفى المنح كل مايتعلق بصحة الوقف ويوقف عليه فهو من اصله ومالا يتوقف عليه فهو من الشرائط (قوله وان صرحوا به) بأن قالوا عندالقاضى نشهد بالتسامع دررو فى الشهادات الخيرية الشهادة على الوقف بالسماع ان يقول الشاهد اشهد به لانى سمعته من الناس او بسبب أنى سمعته من الناس ونحوه (قوله اى بالسماع) اشار به الى تأويل الشهرة (بقیہ اگلے صفحہ پر)

وقف نامہ کی وضاحت

ایک شخص نے اپنی زمین وقف کی اور اس کا وقف نامہ لکھا گیا اور اپنے اوپر گواہ کردئے، اور پھر وقف کرنے والے نے دعویٰ کیا کہ میں نے اس کو اس شرط پر وقف کیا تھا کہ میرے واسطے اس کو بیع کرنا جائز ہے اور یہ میں نہیں جانتا ہوں کہ اس شرط کو لکھنے والے نے وقف نامہ میں اس بات کو لکھا ہے یا نہیں، تو دیکھا جائے گا کہ وقف کرنے والے لکھنا پڑھنا جانتے ہیں اور یہ وقف نامہ اس کو پڑھکر سنایا بھی گیا اور اس میں لکھا ہوا بھی ہے کہ میں نے وقف صحیح کے ساتھ وقف کیا ہے اور اقرار کیا ہے جو کچھ بھی اس میں ہے سب صحیح ہے، تو اب اس کا قول قبول نہیں کیا جائے گا، اور اگر وقف کنندہ ان پڑھ ہے تو اب دیکھا جائے گا کہ گواہوں نے گواہی دی ہے اور یہ وقف نامہ اس کو پڑھکر سنایا گیا ہے، اور جو کچھ اس میں ہے سب کا اقرار کیا ہے تو بھی واقف کا قول قبول نہیں کیا جائیگا، اور اگر گواہوں نے ایسی گواہی نہیں دی تو اس کا قول قبول ہوگا، اور یہ حکم صرف وقف کی تحریر کیساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ تمام تحریرات کے ساتھ عام ہے۔[1]

(گذشتہ صفحہ کا بقیہ) بالسماع فساغ تذكير الضمير فافاد انهما شیء واحدالخ (الدرالمختار مع ردالمختار كتاب الوقف فصل يراعی شرط الواقف فی اجارية صـ ۵۵۶۰، ۵۶۰ جـ ۴) ماخوذ مجموعه قوانين اسلامی)

[1] رجل وقف ضيعة له وكتب صكا واشهد شهودا عليه بذلك ثم قال الواقف انی وقفت علی ان يكون بيعی فيه جائزا ولم اعلم ان الكاتب كتب اولم يكتب فی الصک هذاالشرط ان كان الواقف رجلا فصيحا يحسن العربية وقری عليه الصک وكتب وقف صحيح واقر هو بجميع مافيه لايقبل قوله وان كان الواقف اعجميا لايفهم العربية فان شهد الشهود انه قری عليه بالفارسية واقر بجميع مافيه لايقبل قوله ايضا وان لم يشهدوا يقبل قوله كذا فی المضمرات وهذا شیء لايختص بصک الواقف بل يعم الصكوک باسرها كذا فی الظهيرية (الفتاوی الهنديه صـ ۴۴۰ جـ ۲)

بیع کی شرط پر وقف کیا مگر وقف نامہ مطلق لکھا گیا

ایک عورت سے اس کے پڑوسیوں نے کہا کہ تو اپنے اس گھر کو اس شرط پر وقف کردے کہ جب تجھے اس کو فروخت کرنے کی ضرورت پیش آئے تو فروخت کردے، عورت نے اس طرح وقف کیا اور وقف نامہ لکھنے والے نے اس شرط کو لکھے بغیر عورت سے کہا کہ میں نے یہ کام کردیا تو اگر اس وقف نامہ کو پڑھ کر سنایا گیا اور عورت نے سنا تو وقف درست ہو جائے گا، اور اگر عورت کو پڑھ کر نہیں سنایا گیا تو مکان وقف نہیں ہوگا۔[1]

قابل زراعت زمین وقف کی مگر کاتب نے حدیں لکھنے میں غلطی کی

ایک شخص نے اپنی زمین قابل زراعت وقف کی اور وقف نامہ لکھنے کی اجازت دیدی، پس کاتب نے اس کی دو حدیں تو ٹھیک لکھیں اور دو حدوں کے لکھنے میں غلطی کی، تو اس میں دو صورتیں ہیں، اول یہ ہے کہ اگر وہ دونوں حدیں جن کے لکھنے میں کاتب غلطی کر گیا ہے اسی جانب میں ہوں لیکن ان دونوں حدوں اور اس زمین محدود کے درمیان میں کسی غیر کی زمین یا باغ انگور یا مکان ہو تو وقف صحیح ہوگا۔

---

[1] وفی فتاوی ابی اللیث سئل الفقیه ابوجعفر عن امرأة قال لها جیرانها اجعلی هذه الدار وقفا علی انک متی احتجت الی بیعها تبیعها فکتبوا صکا بغیر هذاالشرط وقالوا فعلنا واشهدت علیه فقال ان قری الصک علیها بالفارسیة وهی تسمع واشهدت علی ذلک صارت الدار وقفا وان لم یقرأ علیها لاتصیر الدار وقفا وماذکر من الجواب فی المسئلتین انما یتأتی علی قول محمد اما علی قول ابی یوسف فلایتأتی کذافی المحیط (الفتاویٰ العالمگیریه صـ ۴۴۱ جـ ۲)

دوسری صورت یہ ہے کہ اگر یہ دونوں حدیں جن میں غلطی کی ہے اس جانب میں نہ پائی جاتی ہوں تو وقف باطل ہے۔

اور یہ زمین مشہور ہو کہ بوجہ اپنی شہرت کے حدود بیان کرنے کی محتاج نہ ہو تو ایسی حالت میں مذکورہ وقف جائز ہوگا۔[1]

کسی شخص نے اپنی تمام اراضی جو کسی گاؤں میں واقع ہیں کسی قوم پر وقف کرنی چاہی اور اپنے مرض کی حالت میں اس کا وقف نامہ لکھنے کا حکم دیا پس کاتب ان تمام اراضی میں سے کھیت یا باغ انگور کے بعض حصے کو لکھنا بھول گیا پھر یہ وقف نامہ اس وقف کرنے والے کو پڑھکر سنایا گیا اس میں یہ لکھا تھا کہ فلاں ابن فلاں نے اپنی تمام اراضی جو اس گاؤں میں واقع ہے وہ اس طرح اور اس طرح کے ٹکڑے ہیں۔

فلاں ابن فلاں پر وقف کی ہے اور اس میں اس کے حدود بیان کئے ہیں مگر وہ ٹکڑے جن کو کاتب لکھنا بھول گیا ہے مذکورہ وقف نامہ پڑھنے کی حالت میں اس شخص کو نہیں سنایا گیا مگر وقف کرنیوالے نے ان سب کا اقرار کر لیا تو شیخ ابونصرؒ نے فرمایا کہ اگر وقف کرنے والے نے اپنی صحت کی حالت میں وقف کیا ہے اور اس نے یہ خبر دی کہ میری مراد یہ تھی کہ جو کچھ میری ملکیت اس گاؤں میں ہے مذکور اور غیر مذکور سب میں نے

ع[1] وقف ضیعة لـه وامر بكتابة صك الوقف فغلط الكاتب فی حدين واصاب فی حدين فان كان الحدان غلط فيهما فی تلك النواحی لكن بينه وبين المحدود ارض وكرم اودار للغير يصح الوقف وان كان الحدان الذان غلط فيهما لايوجدان فی ذلك الموضع فالوقف باطل الااذا كانت الضيعة مشهورة متعينة مستغنية عن التحدين لشهرتها فيجوز الوقف حينئذ كذافی الوجيز (الفتاوى الهنديه صـ ۴۴۱ جـ ۲)

وقف کی ہے تو یہ تمام وقف اس ملکیت پر واقع ہوگا جو اس نے مراد لے رکھی ہے۔[1]

واقف مر گیا مگر وفات سے قبل اپنی مراد بیان کر گیا

وقف کرنے والا وقف کر کے مر گیا مگر مرنے سے قبل اپنے وقف کی وضاحت کر گیا (مثلاً میں نے اپنی فلاں جائداد فلاں جگہ کی فلاں حصے کو فلاں شخص پر یا فلاں ادارے پر وقف کیا) تو جس طرح سے اس شخص نے خبر دی ہے اسی طرح سے وقف ہوگا۔[2]

کسی نے وقف کے متولی سے وقف کی زمین کرایہ پر لی اور اجارہ نامہ میں واقف کے باپ کا نام نہیں لکھا

ایک شخص نے وقف کے متولی سے وقف کی ایسی زمین کرایہ پر لی جو معلوم لوگوں پر وقف ہے اور اجارہ نامہ میں یوں لکھا ہوا ہے فلاں ابن فلاں نے فلاں ابن فلاں سے جو ایسے وقفوں کا متولی ہے جو فلاں کی طرف منسوب ہے اور اس نام سے مشہور ہے اور وقف کرنے والے کے باپ دادا کا نام نہ لکھا حالانکہ اس کی شناخت نہ ہوئی تو یہ تحریر جائز ہے۔

ع[1] رجل اراد ان یقف جمیع ضیعةله فی قریة من القری علی قوم وامر بکتابة الصک فی مرضه فنسی الکاتب ان یکتب بعض اقرحة من الاراضی والکروم ثم قری الصک علی الواقف وکان المکتوب ان فلان بن فلان جمیع ضیعة له فی هذه االقریة وهو کذاو کذا اقراحاعلی فلان بن فلان وبین حدودها ولم یقرأ علیه القراح الذی نسی الکاتب فاقرالواقف جمیع ذلک قال ابونصران کان الوقف فی صحته واخبرالواقف انه اراد به جمیع ماله فی هذه القریة المذکورة وغیرالمذکورة فذلک علی الجمیع الذی ارادهٗ (فتاویٰ قاضیخاں علی هامش علی الفتاویٰ الهندیه صـ۳۴۲جـ۲)

ع[2] وکذالومات الواقف وقداخبرالواقف عن نفسه قبل الموت فالامرعلی ماتکلم(فتاوی قاضیخاں علی هامش فتاوی عالمگیریه صـ۱۴۴جـ۲)

اسلئے کہ اگر اس تحریر میں یوں لکھا جاتا فلاں ابن فلاں نے فلاں ابن فلاں سے جو اس طرح متولی وقف ہے حالانکہ یہ وقف معلوم لوگوں پر ہے اجارہ لیا تو جائز تھا اگر چہ وقف کرنیوالے کا نام بالکل نہیں ذکر کیا جائے تو بھی جائز ہے تو صورت مذکورہ میں بدرجہ اولی درست ہوگا۔[1]

متولی نے کسی وصی کے واسطے وصیت نامہ تحریر کیا مگر جہت وصیت ذکر نہیں کی

کسی متولی نے وصی، کے واسطے وصیت نامہ تحریر کیا اور اس تحریر میں اس کی وصیت وتولیت کی جہت کس کی طرف سے متولی ہے ذکر نہیں کی تو یہ تحریر صحیح نہیں ہے۔

اور اگر یوں تحریر کیا کہ یہ شخص از جانب حاکم وصی ہے یا متولی از جانب حاکم ہے مگر اس قاضی کو ذکر نہیں کیا جس نے اس کو مقرر کیا ہے تو یہ وصیت نامہ درست ہے۔[2]

ع[1] فی فتاوی اهل سمرقند استأجر رجل من متولی وقف ارضا هی وقف علی ارباب معلومین و کتب فی الصک استأجر فلان ابن فلان من فلان ابن فلان المتولی فی الاوقاف المنسوبة الی فلان المعروف بکذا ولم یکتب اسم ابی الواقف وجده ولم یعرف جاز لانه لو کتب ومن فلاں بن فلاں المتولی فی کذا وهو وقف علی ارباب معلومین جاز وان لم یذکر الواقف فهذااحق کذا فی الذخیرة (الفتاویٰ الهندیه صـ ۴۴۱ جـ ۲)

ع[2] و کذالوصی اذا لم یذکر انه وصی، من ای جهاة لان الجهة اذالم تذکر لایعرف انه متولی من جهة القاضی اوالواقف و کذاا لوصی لایعرف انه وصی من جهة الاب اوالقاضی اوالام اوالجد واحکامهم تختلف فان کتب وهو متولی اووصی من جهة الحکم ولم یسم القاضی الذی ولاه قالوا یجوز ذلک لان جهة التولیة صارت معلومة ویعرف ذلک القاضی بالنظر فی التاریخ فیعرف القاضی فی ذلک الوقف فیجوز (فتاوی قاضیخان علی هامش فتاوی عالم گیریه صـ ۳۴۲ جـ ۳)

بغیر گواہ کے محض تحریر اور مکان پر تختہ لگے ہونے سے وقف کا حکم نہیں لگایا جائے گا

ایک شخص مثلاً زید کے قبضہ میں ایک زمین ہے اور دوسرا شخص مثلاً عمر آیا اور اس نے دعویٰ کیا کہ یہ زمین وقف ہے اور ساتھ ہی ایک تحریر لایا جس میں عادل لوگوں وقاضیوں کی تحریر ہیں مگر وہ لوگ مرچکے ہیں پھر اس دعویٰ کرنے والے نے قاضی سے درخواست کی کہ اس زمین کے وقف ہونے کا حکم دیا جائے تو قاضی کیلئے جائز نہیں ہے کہ اس تحریر کے مطابق حکم قضاء جاری کرے۔

اسی طرح اگر کسی مکان کے دروازہ پر ایک لوح (تختی) جڑی ہو جس پر اس مکان کا وقف ہونا تحریر ہے تو بھی قاضی اس لوح کے مطابق اس کے وقف ہونے کا حکم نہ دے گا جب تک گواہان عادل اس کے وقف ہونے کی گواہی نہ دیدیں [1]

وقف کے اقرار کرنے کا بیان

کسی شخص کے قبضہ میں کوئی زمین ہے اور قابض نے اس کے متعلق کہا کہ یہ وقف ہے تو اقرار وقف ہے، ابتداء وقف کے واسطے جو شرائط ہیں وہ اس میں مشروط نہیں ہوں گے۔[2]

ع[1] رجل فی یدہ ضیعة جاء رجل وادعی انها وقف وجاء بصک فیه خطوط عدول وقضاة قد انقرضوا وطلب من القاضی القضاء به لیس للقاضی ان یقضی بذلک الصک کذا فی الخلاصة وکذالک لو کان لوح مضروب علی باب دار ینطق بالوقف لایقضی به مالم یشهد الشهود بالوقف کذافی المحیط (الفتاوی الهندیه صـ ۴۴۱ جـ ۲)

ع[2] قوله من الارض فی یدیه هذه الارض وقف اقراربالوقف ولیس بابتداء وقف حتی لاتشترط له شرائط الوقف کذافی المحیط(الفتاوی الهندیه صـ ۴۴۲ جـ ۲)

وقف کا اقرار کیا مگر اس کے مستحقوں کو بیان نہیں کیا

اگر کسی شخص نے اپنی مقبوضہ زمین کے وقف ہونے کا اقرار کیا اور اس کے وقف کرنے والے کو بیان نہیں کیا اور نہ اسکے مستحقوں کو بیان کیا تو اس کا اقرار صحیح ہے اور یہ زمین فقیروں پر وقف ہوگی اور اس زمین کے وقف کرنے والے کون ہوں گے حتمی طور سے نہیں کہا جاسکتا ہے کہ یہ اقرار کرنے والے ہی وقف کرنے والے ہیں۔

البتہ گواہوں نے گواہی دیدی کہ اقرار کرنے والے نے جس وقت اقرار کیا تھا اس وقت یہ زمین اس کی ملک تھی تو اقرار کرنے والا ہی واقف قرار پائیگا اور اقرار کرنے والا ہی استحسانا اس کا ولی مقرر ہوگا یہاں تک کہ اس کی آمدنی اور اس کے حاصلات کو وہ فقیروں پر تقسیم کریگا مگر اس کو یہ اختیار نہیں ہوگا کہ دوسرے کو اس کا وصی مقرر کرے۔[1]

کسی شخص نے وقف کا اقرار کر کے اپنے قبضہ سے خارج کرنیکا بھی اقرار کیا

ایک شخص نے وقف صحیح کا اقرار کیا اور اپنے قبضہ سے خارج کردینے کا بھی اقرار کیا حالانکہ اس کا وارث جانتا ہے کہ وقف کنندہ یعنی مالک نے اپنے قبضہ سے خارج نہیں کیا ہے، تو مشائخ نے فرمایا اس کا اقرار اس کے نفس پر جائز ہے، اور یہ چیز

ع[1] واذ اقر بوقفية ارض فی یده ولم یسم واقفها ولا مستحقها صح اقراره وصارت الارض وقفا علی الفقراء ولا اجعل المقر هو الواقف له ولا غیره الا ان یشهد الشهود ان هذه الارض كانت لهذا المقر حین اقرا فیجعل المقر واقفا كذا فی محیط السرخسی وهكذا فی فتاوی قاضیخان والولایة للمقر استحسانا حتی یقسم الغلة بین الفقراء ولكن لیس له ان یوصی الی غیره كذا فی الذخیرة (الفتاوی الهندیه صـ ۴۲۲ جـ ۲)

وقف ہو جائے گی بعد میں اس کے وارثوں کو اختیار نہیں ہوگا کہ اس وقف کو لے لیوے اور محکمہ قضاء میں وارثوں کا دعویٰ بھی مسموع نہیں ہوگا۔[۱]

کسی غیر مسلم کے قبضہ میں زمین ہے اور اس نے اس کے وقف ہونے کا اقرار کیا

ایک غیر مسلم شخص کے قبضہ میں ایک زمین ہے اور اس نے اس زمین کے متعلق اقرار کیا کہ ایک مسلمان نے اس کو مسکینوں پر یا جہاد پر یا حج پر وقف کیا ہے یا اور کوئی ایسا مصرف بیان کیا جس سے مسلمان اللہ تعالیٰ کی قربت چاہتے ہیں تو مذکورہ کافر کا اقرار درست ہوگا اور اس کے حاصلات انہیں وجوہ پر صرف کی جائیں گی، جو اس نے بیان کیا اور اگر غیر مسلم نے اقرار کرتے ہوئے کہا کہ مسلم واقف نے اس زمین کو بیع وقف کیا ہے یا کوئی ایسی راہ بیان کی جس سے مسلمان لوگ اللہ تعالیٰ کا تقرب نہیں چاہتے ہیں تو غیر مسلم کا وقف باطل ہوگا اور زمین اس کے قبضہ سے نکال کر مسلمانوں کے بیت المال میں داخل کر دی جائے گی۔[۲]

ع[۱] اقر بوقف صحیح واقر بانه اخرجه من یده ووارثه یعلم انه لم یکن اخرجه من یده قالوا اقراره علی نفسه جائز ولیس للورثة ان یأخذوا ولاتسمع دعواهم فی القضا (فتاوی قاضی خاں علی هامش فتاوی عالمگیریه صـ۳۱۸ جـ۳)

ع[۲] ذمی فی یده ارض اقربان مسلما وقفها علی المساکین اوفی الحج او فی الغزواوسمی وجها اخر مما یتقرب به المسلمون الی الله تعالیٰ جاز اقراره ویجری علی الوجوه التی سماها وان اقر ان المسلم وقفها علی البیع او سمی وجها لایتقرب به المسلمون بطل اقراره واخرجت الارض من یده وجعلت لبیت مال المسلمین کذا فی الحاوی (الفتاوی الهندیه صـ۴۴۷ جـ۲)

اقرار کرنے والے کے علاوہ کسی اور نے دعویٰ کیا کہ میں اس کا وقف کرنے والا ہوں؛

کسی جائداد کے متعلق کسی نے وقف کا اقرار کیا اور اس اقرار کرنے والے کے علاوہ کسی اور دوسرے شخص نے وقف کرنے کا دعویٰ کیا کہ میں اس کا وقف کرنے والا ہوں اور چاہا کہ وقف کرنے والے کے قبضہ سے اپنے قبضہ میں لے لوں اس پر اقرار کرنے والے نے اس طرح گواہ قائم کیا کہ اس کا وقف کرنے والا یہ ہی اقرار کرنے والا ہے تو اس اقرار کرنے والے کی گواہی قبول ہوگی اور اس کیلئے ہمیشہ کی ولایت ثابت ہوگی کہ پھر اس کو معزول نہیں کیا جا سکتا۔[1]

اقرار کرنے والے نے واقف کو بیان کیا اور مستحقوں کو بیان نہیں کیا

اقرار کرنے والے نے واقف کو بیان کر دیا مگر مستحقین کو بیان نہیں کیا مثلاً یوں کہا کہ یہ زمین میرے باپ کی طرف سے صدقہ موقوفہ ہے اور اس کا باپ مر چکا ہے، تو اسکا حکم یہ ہے کہ اگر اسکے باپ پر قرضہ ہے، تو زمین اس قرضہ میں فروخت کی جائے گی بعدۂ اس نے وصیت کی ہے تو تہائی زمین سے وصیت پوری کی جائے گی، دونوں کے بعد جو کچھ زمین بچ گئی ہے وہ فقیروں پر وقف ہوگی، بشرطیکہ اس اقرار کرنے والے کیساتھ کوئی دوسرا وارث مقر نہ ہو، اگر اس کے ساتھ دوسرا وارث بھی اقرار کرتا ہو تو جائز ہے، پھر اس کے بعد دیکھا جائے گا اقرار کرنے والے نے اپنے واسطے اس کے متولی ہونے کا دعویٰ نہ کیا تو ولایت اس

---

[1] وتأويل قبول هذه البينة جاء رجل غير المقر وادعى انه هو الواقف واراد ان يأخذ من يد المقر فاقام المقر بينة انه هو الواقف فيدفع خصومة المدعى ويثبت لنفسه ولاية لايرد عليها العزل ولوان هذاالمقر بعد هذ الاقرار اقر ان الواقف فلان لايقبل ذلک منه ولوقال انا واقفها قبل قوله كذافي فتاوى قاضيخان (الفتاوى الهنديه صـ ۴۴۲ جـ ۲)

کے واسطے نہ ہوگی، اور قاضی کو اختیار ہوگا، کہ جس کو چاہے اس وقف کا متولی مقرر کرے۔

اور اگر اقرار کرنے والے نے اپنے واسطے متولی ہونے کا دعویٰ کیا تو اس کا حکم سلامت پر محمول کر کے قول قبول ہوگا۔[۱]

اقرار کرنے والے کیساتھ دوسرا وارث انکار کرتا ہے

اور اگر اس اقرار کرنے والے کیساتھ دوسرا وارث ہو جو اس وقف سے انکار کرتا ہو کہ میرے باپ نے وقف نہیں کیا۔ ہے تو اس زمین میں سے انکار کرنے والے کے حصہ کے بقدر الگ کر کے انکار کرنے والے کو دیدیا جائے گا، وہ جس طرح چاہے تصرف کرے اور باقی مال اقرار کنندہ کے اقرار کے مطابق وقف ہوگا۔ نیز یہی حکم اس وقت بھی۔ ہے جبکہ یہ اقرار کیا ہے کہ اس زمین کو میرے دادا نے وقف کیا ہے۔[۲]

ع[۱] ولو اقر بالوقف وسمی واقفه ولم یسم مستحقه بان قال هذه الارض صدقة موقوفة من ابی وابوه میت فان کان علی ابیه دین یباع فیه وان کانت له وصیة تنفذ وصیته من ثلث ومافضل منهما یکون وقفا علی الفقراء ان لم یکن معه وارث اخر وان کان معه وارث اخر جاز کذا فی محیط السرخسی ثم ینظر ان لم یدع الولایة لنفسه فلاولایة له وللقاضی ان یولی امره من شاء وان ادعی الولایة قبل قوله استحسانا حملا لامره علی الصلاح کذا فی المحیط (الفتاوی الهندیه صـ۴۴۲ جـ۲)

ع[۲] وان کان مع المقر وارث اخر یجحد ذلک کان نصیب الجاحد من هذه الارض یفعل به ماشاء ونصیب المقر یکون وقفا علی ماقر به (فتاوی قاضی خاں علی هامش عالم گیریه (صـ۳۱۸،۳۱۷ جـ۳) وکذا اذاقال هی موقوفة من جدی ولوقال هذه الارض موقوفة عن ابی فان هذالایکون اقراربالملک لابیه ولایجوز الوقف سواء کان علی الاب دین اوله وصیة اومعه وارث ولم یکن شیء من ذلک کذافی الحاوی (الفتاوی الهندیه صـ۴۴۲، ۴۴۳ جـ۲)

کسی نے غیر کی مملوکہ زمین کے متعلق کہا کہ وقف ہے

اگر کسی شخص نے غیر کی مملوکہ زمین کے متعلق کہا کہ یہ صدقہ موقوفہ ہے اور پھر کسی طرح اس زمین کا مالک ہو گیا تو یہ زمین وقف ہو جائے گی۔[1]

وقف کو غصب کرنے کا بیان

وقف کے غصب کی مختلف نوعیتیں ہو سکتی ہیں مثلاً وقف کے مال کو خود متولی یا جسکو سپرد کیا وہ ہی غصب کر لے یا کسی نے آ کر ظالمانہ قبضہ کر لیا وغیرہ ان مسائل کو یہاں درج کیا جا رہا ہے۔

جس شخص کو وقف کا متولی بنایا تھا اسی نے وقف سے انکار کر دیا

کسی شخص نے اپنی زمین یا گھر کو وقف کیا اور اس پر کسی شخص کو اس وقف کی نگرانی وغیرہ کیلئے متولی بنایا وہ شخص جس کو متولی مقرر کیا تھا اس نے انکار کر دیا کہ یہ چیز وقف نہیں ہے تو وہ غاصب ہے اب اس وقف شدہ جائداد کو اس کے قبضہ سے نکال لیا جائیگا اور اس سلسلہ میں خصم وقف کرنے والا ہو گا، اور اگر وقف کرنے والا مر گیا اور اس وقف کے مستحق لوگوں نے آ کر اپنا استحقاق طلب کیا تو قاضی اس مقدمہ میں اپنے شخص کو مقرر کریگا جو اس قبضہ میں خصم بن سکے، پھر غاصب کے پاس اس وقتی چیز میں نقصان آ گیا تو اس کے انکار کر جانے کے بعد جو نقصان اس میں آ رہا ہے غاصب اس کا ضامن ہو گا اور جو کچھ اس میں سے منہدم ہو چکا ہے تو اس مال سے اس کی تعمیر کی جائیگی۔[2]

ع[1] لو قال لارض غیره هذه صدقة موقوفة ثم ملکها صارت وقفا کذا فی الفتاوی العتابیه (الفتاویٰ الهندیه ص ۴۴۴ ج ۲)

ع[2] رجل وقف ارضا اودارا اودفعها الی رجل وولاه القیام بذلک فجحد المدفوع الیه فهو غاصب یخرج الارض من یده والخصم فیه الواقف فان کان الواقف میتا وجاء اهل الوقف یطالبون به (بقیہ اگلے صفحہ پر)

غاصب نے واقف ہی سے غصب کیا نہ کہ متولی سے

اگر غصب کرنے والے نے متولی کے بجائے واقف ہی سے اس مال کو غصب کرلیا اور مال واپس کرنے سے انکار کرتا ہے تو قاضی اسکو قید میں رکھے گا، یہاں تک وہ مغصوبہ چیز کو واپس کرے، اور موقوفہ چیز میں کچھ نقصان آرہا ہے تو غاصب اس کا ضامن ہوگا اور اس سے مال لے کر اس کی مرمت کی جائے گی۔

غاصب نے اراضی مغصوبہ میں اپنی طرف سے اضافہ کیا

اگر غاصب نے وقف کی چیز کو غصب کر کے اس میں اپنی طرف سے کچھ بڑھا دیا تو اس کی دو صورتیں ہیں، کہ اضافہ شدہ چیز مال متقوم ہے یا غیر متقوم۔

غیر متقوم کا مطلب یہ ہے کہ وہ زمین سے علاحدہ نہ ہوسکے اور اس کی قیمت کا اندازہ نہ لگایا جاسکے، جیسے زمین میں ہل چلا دیا، یا نہر کھودی، یا اس زمین میں کھاد ڈال دی اور وہ مٹی میں مل کر ہلاک ہوگئی، تو اس وقف کا قیم اس کے غاصب سے اسکو مفت لے گا اور زیادتی مذکور کی صورت میں کچھ نہیں دے گا۔[1]

(گذشتہ صفحہ کا بقیہ) نصب القاضی قیما یخاصم فیه فان کان دخلها نقص ضمن ما کان من نقصان بعد جحوده ویعمر به ماانهدم منه ولو غصبها من الواقف اومن والیها غاصب فعلیه ان یردها الی الواقف فان ابی وثبت غصبه عندالقاضی حبسه حتی رد فان کان دخل الوقف نقص غرم النقصان ویصرف الی مرمة الوقف ویعمر به ماانهدم منه ولایقسم بین اهل الوقف کذافی المحیط(الفتاوی الهندیه صـ۴۴۷ جـ۲)

عـ[1] فان کان الغاصب زاد فی الارض من عنده ان لم تکن الزیادة مالامتقوما بان کرب الارض او حفرالنهر اوالقی فی ذلک السرقین واختلط ذلک بالتراب وصار بمنزلة المستهلک فان القیم یسترد الارض من الغاصب بغیر شیء (الفتاوی الهندیه صـ۴۴۷ جـ۲)

اور اگر زیادتی مذکور مال متقوم ہو مثلاً درخت لگایا، یا اس میں عمارت بنادی تو غاصب کو حکم دیا جائے گا کہ اپنا درخت جڑ سے نکال لے، اور عمارت کو توڑ لے اور زمین واپس کر دے، بشرطیکہ ایسا کرنے سے زمین وقف کو نقصان نہ پہونچتا ہو اور اگر اس سے زمین وقف کو نقصان پہونچتا ہو مثلاً درخت کو جڑ سے اکھاڑنے میں مذکورہ زمین خراب اور کھنڈر ہو جاتی ہو، اسی طرح عمارت کو توڑنے سے زمین قابل کاشت نہیں رہتی ہو، کھنڈرات میں منتقل ہو جاتی ہو تو غاصب کو اختیار نہ ہوگا کہ درخت کو اکھاڑے اور عمارت کو توڑے، بلکہ اس پر ضروری ہوگا کہ اس درخت کو اکھاڑنے کے بعد اور عمارت توڑی ہوئی کی جو قیمت ہے اس کو ادا کرے بشرطیکہ متولی کے پاس وقف کی آمدنی سے اس قدر مال موجود ہو، وقف سے اتنا مال موجود نہیں ہے تو مذکورہ وقف کو کرایہ پر دیا جائے گا اور اس سے جو کرایہ ملے گا اس سے یہ تاوان ادا کرے اور اگر غاصب چاہے کہ درخت کو ایسی جگہ سے کاٹے جس سے زمین کو کچھ خرابی نہ پہونچے تو اس کو یہ اختیار ہوگا، پھر جتنا درخت کا حصہ زمین میں دبارہ گیا ہے، اگر اس کی قیمت ہوتی ہو تو متولی اس کی قیمت غاصب کو بطور ضمان دے گا اگر اس کی کچھ بھی قیمت نہیں نکلتی ہے تو ضمان نہیں دے گا، اور اگر متولی نے غاصب سے کسی اور طریقے سے صلح کر لی اور اس میں وقف کا فائدہ ہو تو یہ صلح جائز ہے، یہی حکم عمارت کی شکل میں بھی ہے [1]

---

[1] وان كانت الزيادة مالا متقوما كالبناء والشجرة يؤمر الغاصب برفع البناء وقلع الاشجار وردالارض ان لم يضر ذلک بالوقف وان كان اضر بالوقف بأن خرب الارض يقلع الاشجار والدار برفع البناء لم يک للغاصب ان يرفع البناء او يقلع الشجر الاان القيم يضمن قيمة الغراس مقلوعا وقيمة البناء مرفوعا ان كان للوقف غلة فی يدالمتولی يكفی لذلک الضمان وان لم يكن للوقف غلة يؤاجر الوقف (بقیہ اگلے صفحہ پر)

غاصب نے غصب کر کے عمارت توڑی یا درخت کاٹ ڈالا

اگر کسی نے وقف کے ایک بڑے احاطہ کو غصب کرلیا اور اسمیں بنی ہوئی عمارت کوڈھادیا، یازمین غصب کرکے اس کے درخت کو کاٹ ڈالا تو متولی اور قیم کو حق حاصل ہوگا کہ عمارت اور درختوں کی قیمت غاصب سے وصول کرلے، بشرطیکہ غاصب اس عمارت اور درخت کو واپس کرنے پر قادر نہ ہو، تاوان لینے کے بعد غاصب کا ٹوٹا ہوا حصہ، اینٹ، لکڑی وغیرہ اور کٹے ہوئے درخت کا حصہ واپس کردے تو اس خالی یعنی بے عمارت زمین اور خالی درخت کو واپس کردینے کے بعد سامان اور درخت اسی کے ہو جائیں گے یعنی جتنی قیمت کا نقصان ہوگا اتنے کا ضامن ہوگا اور متولی اس خالی زمین کی قیمت کا حصہ غاصب کو واپس کرے گا۔[1]

(بقیہ گذشتہ صفحہ) فيعطى الضمان من ذلک کذا فی فتاوی قاضی خان وان اراد الغاصب قطع الاشجار من اقصى موضع لايخرب الارض كا ن له ذلک ثم يضمن القيم له قيمة مابقى فى الارض الموقفة ان كانت له قيمة كذا فى المحيط فان صالح المتولى من الغرس على شىء جاز اذاكان فيه صلاح الوقف و كذا فى العمارة كذا فى الحاوى(الفتاوى العالمگیریه صـ ۴۴۷/۴۴۸ جـ ۲)

[1] واذا غصب الدار الموقوفة اوالارض الموقوفة فهدم بناء الدار وقلع الاشجار كان للقيم ان يضمنه قيمة الاشجار والنخيل والبناء اذالم يقدر الغاصب على ردها يضمن قيمة البناء وقيمة الاشجاروالنخيل ثابتا فى الارض فان ضمن الغاصب قيمته ذلک ثم ظهرت الداروالارض والنقص والاشجار ومعنى قوله ظهرت الدار قدرالغاصب على ردالدار والنقص والاشجار فالغاصب يردالعرصة على الواقف واما النقص والشجر فيكون للغاصب يرد القيم على الغاصب حصة العرصة كذا فى الذخيرة والمحيط وفتاوى قاضيخان (الفتاوى الهنديه صـ ۴۴۸، ۴۴۹ جـ ۲)

وقف کو غصب کر کے غاصب نے واپس کرنے سے انکار کر دیا

ایک شخص نے اپنی زندگی اور صحت کی حالت میں اپنی ایک جائداد وقف کی اور اس پر کسی کو متولی بنا کر قبضہ کرا دیا، اس کے بعد اس وقف پر ایک غاصب نے متولی ہو کر وقف پر اپنا پورا قبضہ جمالیا اور اسکے قبضہ سے وقف کا نکالنا دشوار ہے کیونکہ غاصب واپس کرنے سے انکار کر رہا ہے تو غاصب سے قیمت لیکر اس سے دوسرا موضع خرید کر اول کے شرائط کے موافق وقف کیا جائے گا۔

اسلئے کہ جب غاصب نے انکار کر دیا تو گویا وہ وقف ہلاک ہو گیا اور شریعت کا قاعدہ ہے کہ وقفی چیز جب تلف ہو جائے تو اس کے قائم مقام دوسری بدل لینا واجب ہے جب وقفی گھوڑا اگر جہاد میں مارا جائے تو اس کی قیمت سے استبدال کیا جاتا ہے اور یہ حکم بدلیل استحسان ہے جس کو ہمارے مشائخ نے اختیار کیا ہے۔[1]

غاصب نے غصب کر کے درخت کے پھل وغیرہ کے حاصلات حاصل کر لئے

غاصب نے ایک زمین موقوفہ کو غصب کر لیا، اور اس زمین پر درخت لگے ہوئے تھے اور کئی سال تک ان پھلوں وغیرہ سمیت زمین کو رکھا، پھر چند دن کے بعد غصب شدہ زمین اور درخت کو بھی واپس کرنا چاہا تو اس کے حاصلات کو بھی واپس کرے،

ع[1] وقف موضعا فی حیاته وصحته واخرجه من یده فاستولی علیه غاصب وحال بینه وبینه تؤخذ من الغاصب قیمته ویشتری بها موضع اخر فیوقف علی شرائطه لان الغاصب لما جحد صار مستهلکا والشیء المسبل اذا صارت مستهلکا وجب الاستبدال به کالفرس المسبل فی سبیل الله اذا قتل فهذا استحسانا اخذ به المشائخ کذا فی المضمرات (الفتاوی الهندیه (صـ ۴۵۰ جـ ۲)

بشرطیکہ وہ حاصلات بعینہ موجود ہوں اور اگر وہ حاصلات تلف ہوگئی تو اس کے مثل واپس کرے اور اس کی جو قیمت ہوگی وہ انہیں مصرفوں پر خرچ کیا جائے گا جس کے سلسلے میں یہ چیز وقف کی گئی تھی [۱]

مرض الوفات میں وقف کرنے کا بیان

مرض الوفات وہ آخری بیماری ہے جسمیں انسان کو دوبارہ صحت نہ ملے بلکہ اسی بیماری میں وفات پا جائے تو مرض الوفات میں اس انسان کا ھبہ یا وقف وغیرہ کے ذریعہ تصرف کرنا وصیت کے حکم میں ہے اور وصیت ثلث مال میں نافذ ہوتی ہے [۲]

مرض الوفات میں کیا گیا وقف ثلث مال میں نافذ ہوگا الا یہ کہ وارث اجازت دیدے۔

ایک مریض نے مرض الوفات میں اپنا گھر وقف کیا، تو وقف جائز ہوگا، جبکہ وہ وقف شدہ اس کے ترکہ میں سے ثلث سے ہی نکل جاتا ہے اور اگر ثلث مال متروکہ سے وقف پورا نہیں ہوتا ہے تو وارثوں کی اجازت پر موقوف رہے گا وارثوں نے اجازت دیدی

ع[۱] واذا کان فی ارض الوقف نخیل واشجار استغلها الغاصب سنین یعنی الاشجار والنخیل ثم اراد ردالارض والنخیل والاشجار اوالغلة معها ان کانت قائمة بعینها وان کانت مستهلکة ضمن مثلها کذا فی الذخیرة وماا خذ من الغاصب من بدل الغلة فرق فی الوجوه التی سبلها علیها کذافی المحیط (الفتاوی الهندیه صـ۴۴۹ جـ۲)

ع[۲] الوقف فی مرض موته کهبة فیه من الثلث مع القبض فان خرج الوقف من الثلث اواجازه الوارث نفذالکل والابطل فی الزائد علی الثلث (درمختار علی هامش شامی ۴۶۹، ۴۷۰ جـ۶)

تو وقف صحیح قرار پائے گا اور اگر وارثوں نے اجازت نہ دی تو جس قدر تہائی سے زیادہ ہے اتنے حصہ کا وقف باطل ہو جائیگا اور بعض وارثوں نے اجازت دی اور بعض نے اجازت نہ دی تو جس قدر وارثوں نے اجازت دی ہے اسی قدر تہائی کیساتھ وقف درست ہوگا، پھر اگر میت کا کچھ اور مال ظاہر ہوا حتی کہ مذکورہ گھر اس کے تہائی ترکہ سے برآمد ہو گیا تو پورا مذکورہ وقف نافذ کر دیا جائیگا۔[۱]

مریض نے اپنی جائداد اپنی اولاد، واولادالاولاد پر وقف کی

اگر زید مریض اپنی زمین اللہ کی رضاء کیلئے صدقہ موقوفہ کرتے ہوئے اپنی اولاد اور اولادالاولاد اور اپنی نسل پر ہمیشہ جب تک تناسل حاصل ہو ان کے بعد مساکین پر وقف کیا تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر یہ زمین اس کے تہائی ترکہ سے برآمد ہو تو وقف ہو جائے گی اور اس سے غلہ حاصل کر کے اس کے تمام وارثوں پر بحساب حصہ میراث کے تقسیم کیا جائے گا حتی کہ اس کی بیوی اور اولاد ہے تو بیوی کو آٹھواں حصہ دیا جائے گا اور اگر میت کے والدین اور اس کی اولاد ہوں تو والدین کو چھٹا حصہ دیکر باقی اس کی اولاد لڑکے کو لڑکیوں کے مقابلہ میں دوگنا (للذکر مثل حظ الانثیین) کے حساب سے کر دیا جائے گا۔[۲]

---

[۱] مریض وقف دارا فی مرض موته فهو جائز اذاكان يخرج من ثلث ماله وان لم يخرج فاجازت الورثة فكذلك وان لم يجيزوا بطل فيما زاد على الثلث وان اجاز البعض جاز بقدرمااجاز وبطل الباقى الاان يظهر للميت مال غير ذلك فينفذ الوقف فى الكل (فتاوى قاضى على هامش فتاوى عالمگيريه صـ ۳۱۶ جـ ۳)

[۲] واذاجعل ارضه صدقة موقوفة لله تعالىٰ ابدا على ولده وولد ولده ونسله ابدا ماتناسلوا من بعدهم على المساكين فان كانت هذه الارض تخرج من الثلث صارت موقوفة تستغل ثم تقسم غلتها على جميع ورثته على سهام الميراث حتى اذاكانت له زوجة واولاد تعطى الزوجة الثمن وان كان له ابوان واولاد فالابوان يعطيان السدس ويقسم الباقى بين اولاده للذكر مثل حظ الانثيين (الفتاوى الهنديه صـ ۴۵۱ جـ ۲)

مریض نے کہا کہ یہ جائداد صدقہ ہے محتاج پر اگر وہ نہ ہو تو فقیر پر

مرض الوفات میں کسی شخص نے کہا کہ یہ میری جائداد زمین مکان وغیرہ صدقۂ موقوفہ ہے ہر اس شخص پر جو محتاج ہو میری اولاد و نسل سے ہر ایک کو اس کے نفقہ کے بقدر ملے، اگر میری اولاد و نسل سے کوئی محتاج نہ ہو تو پورا غلہ و آمدنی فقیروں کے واسطے۔

تو ایسی صورت میں اس کی فقیر اولاد پر اسی طرح تقسیم ہوگا کہ ہر ایک کو اسقدر دیا جائے گا کہ اس کی بیوی بچے اور گھر کے نوکر وغیرہ کو معروف طریقہ سے کفایت کر جائے یعنی بغیر اسراف وتبذیر کے سالانہ کافی ہو جائے، پھر اس حساب سے جس قدر غلہ اس کے نفقہ کی اولاد میں آئے اس کو جمع کر کے ان اولاد صلبی اور باقی تمام وارثوں میں جو وقف کنندہ کی موت کے روز موجود تھے، فرائض الٰہی کے موافق تقسیم کر دیا جائے گا پھر اگر زندہ صلبی کے حصہ کفایت میں کچھ دے کر وارثوں کی تقسیم میں لے لیا گیا اور جو باقی رہا وہ اس کو کافی نہیں ہوتا تو اس کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ اولاد کے حصہ میں سے کچھ یا اس میں بقدر کمی کے واپس کرے، اور اگر ان کی اولاد میں کچھ مالدار لوگ ہوتو مالداروں کو کچھ نہیں ملے گا اور جتنے لوگ فقیر ہیں انہیں کی تعداد رؤس پر تقسیم ہوگا۔[۲]

ع[۲] ولو قال المریض ارضی هذه صدقة موقوفة علی من احتاج من ولدی ونسلی یعطی کل واحد مایسع نفقته وان لم یکن فی ولده ونسله فقیر فالغلة کلها للفقیر فان کان ولده ونسله فقراء قسمت الغلة بینهم علی عدد رؤسهم یقدر لکل واحد منهم مایکفیه لنفقته ونفقة ولده وامرأته وخادمه بالمعروف لطعامهم وادامهم وکسوة سنة ثم اصاب ولده لصلبه یقسم بینهم وبین جمیع ورثة الواقف علی فرائض الله تعالیٰ فاذا اخذ منه مااصابه والباقی لایکفیه لم یکن له ان یرجع فیما اصاب ولد الولد وان کان فیهم اغنیاء لایعطی من کان غنیا من ولده ونسله شیئا ویقسم بین الفقراء منهم علی عدد رؤسهم کذا فی الحاوی (الفتاوی الهندیه صـ ۴۵۲ جـ ۲)

مرض الموت میں کچھ وقف کیا اور کچھ وصیت

کسی نے مرض الموت میں اپنی زمین کا کچھ حصہ وقف کیا اور کچھ وصیت تو اس کا تہائی حصہ زمین کا اس کے وقف اور دیگر رعایا میں تقسیم ہوگا، اس طرح کہ وصیت والے اپنی اپنی وصیت کے حساب سے اور وقف والے اس زمین کی قیمت کے حساب سے حصہ دار ٹھہرائے جائیں گے پھر تہائی میں سے جسقدر وصیت والوں کے حصہ میں پڑے وہ لے لیں اور جس قدر اہل وصیت کو پہونچے اس کے حساب سے اس زمین سے حصہ الگ کر کے جن پر وقف کیا ہے وقف کر دیا جائے اور وقف کی تنفیذ مقدم نہیں ہوگی۔[1]

واقف نے کہا کہ یہ زمین وقف ہے اس قوم پر پھر غلہ میرے وارثوں کیلئے ہے

کسی شخص نے مرض الوفات میں یوں کہا کہ میری یہ زمین صدقہ موقوفہ ہے اس قوم پر اور ان کے بعد اس وقف کا غلہ میرے وارثوں کے لئے کیا جائے تو اس وقت کے حاصلات اس قوم کیلئے ہوگی جن کے واسطے واقف نے وقف کیا ہے، پھر جب قوم کے یہ لوگ گذر جائیں تو غلہ وارثوں کیلئے ان کی میراث کے حساب سے ہوگا پھر جب وارث لوگ بھی مرجائیں تو اس وقف کا غلہ فقیروں پر صرف کیا جائے گا۔[2]

ع[1] ولو وقف ارضه فی مرض موته واوصی بوصایا قسم ثلث ماله بین الوقف وبین سائر الوصایا فیصرف لاهل الوصایا بوصایا هم ولاهل الوقف بقیمة هذه الارض فما اصاب اهل الوصایا اخذ وه وما اصاب قیمة ارض الوقف اخرج من الارض بذلک المقدار فصار ذلک وقفا علی من وقف علیهم ولایکون الوقف المنفذ اولی کذافی الذخیرة (الفتاوی الهندیه صـ۴۵۳ جـ۲)

ع[2] واذاجعل ارضه صدقة موقوفة علی قوم ومن بعدهم جعل الغلة للورثة فالغلة تکون للقوم الذین جعل لهم فاذا انقرضوا کانت للورثة علی قدر مواریثهم فاذا ماتوا کانت الغلة للفقراء کذا فی خزانة المفتین والمحیط (الفتاوی الهندیه صـ۴۵۳ جـ۲)

احکام المساجد

مسجد شرعی کی تعریف:- مسجد کے لغوی معنی ہیں سجدہ کرنے کی جگہ اور اس کی جمع مساجد ہے (بہت سی مسجدیں) شریعت میں اس خاص جگہ کو مسجد کہتے ہیں۔ جس کو کسی ایک شخص یا چند لوگوں نے اپنی مملوکہ زمین سے علیحدہ کر کے جدا کر دیئے ہوں اور اس کا راستہ عام سڑک اور عام گزرگاہ کی طرف کر کے عام مسلمانوں کو اس میں فرض نماز پڑھنے کی اجازت دیدی ہو۔ پس جب ایک مرتبہ اذان دیکر جماعت کے ساتھ اس جگہ نماز پڑھ لی جائے گی تو وہ جگہ مسجد ہو جائے گی۔[1]

فرض عین کی قید اس میں ضروری ہے لہذا جنازہ کی نماز پڑھنے کی جگہ اور عیدگاہ اس میں شامل نہیں ہے کیونکہ دونوں کے احکامات علیحدہ ہیں۔

ع[1] عرفا الموضوع المبنی للصلوة (القاموس الفقهی حرف السین صـ ١٦٧) ویزول ملکه عن المسجد والمصلی بالفعل وبقوله جعلته مسجدا عند الثانی وشرط محمد والامام الصلوة فیه بجماعة (درمختار) قلت وفی الذخیرة وبالصلوة بجماعة یقع التسلیم بلاخلاف حتی أنه اذابنی مسجدا واذن للناس بالصلوة فیه جماعة فانه یصیر مسجدا اه ویصح ان یراد بالفعل الافراز ویکون بیانا للشرط المتفق علیه عند الکل کما قدمناه من ان المسجد لو کان مشاعا لایصح اجماعا وعلیه فقوله عندالثانی مرتبط بقوله المتن بقوله جعلته مسجدا ولیست الواو فیه بمعنی "أو" فافهم لکن عنده لابد من افرازه بطریقة ففی النهر عن القنیة جعل وسط داره مسجدا واذن للناس بالدخول والصلوة فیه ان شرط معه الطریق صار مسجدا فی قولهم جمیعا (الفتاوی الشامی ٦/٥٤٥)

مسجد کی حد کہاں تک ہوتی ہے

مسجد کی جگہ دوطرح کی ہوتی ہے وسیع اور تنگ، وسیع جگہ میں عام طور سے لوگ ایک خاص حصے میں مسجد کی تعمیر کرتے ہیں، اور تعمیر کے آگے صحن رکھتے ہیں اور صحن میں بھی مسجد ہی کی نیت کرتے ہیں اور گرمی کے موسم میں مغرب وعشاء اور فجر کی نمازیں صحن ہی میں پڑھتے ہیں، اسی طرح سردی کے موسم میں دھوپ لینے کی غرض سے ظہر اور عصر پڑھتے ہیں اور بارش کے موسم میں اندر ہی نماز ہوتی ہے، تو یہ حصے جہاں مسجد کے اندر کو چھوڑ کر جماعت کی جاتی ہے مسجد کے حکم میں ہے۔

اور دوسری قسم کی وہ جگہ ہوتی ہے جہاں صحن بنانے کی گنجائش نہیں ہوتی وہاں صرف عمارت ہی ہوتی ہے۔

اکثر علاقہ میں ایسی جگہوں میں پوری مسجد ہی کی نیت کی جاتی ہے مگر بعض علاقہ میں مثلاً گجرات میں مسجد کے اندر کے حصے سے باہر کچھ صفیں جو برآمدہ پر ہوتی ہیں اس کے متعلق مسجد میں شمول کی نیت نہیں کی جاتی ہے اور اعلان کردیا جاتا ہے، یا لکھ دیا جاتا ہے کہ مسجد کی حد یہاں تک ہے۔

تو ایسی جگہوں کا حکم یہ ہے کہ وہاں مسجد جیسا معاملہ نہیں ہوگا، یعنی اندر کو چھوڑ کر گرمی اور سردی میں جماعت کرنا چاہیں تو نہیں کرسکتے، فرض نماز جماعت کے ساتھ مسجد کے حد کے اندر ہونی چاہئے، اسی طرح معتکف لوگ بلاوجہ ایسی جگہوں پر قیام نہیں کرسکتے، نیز ایسی جگہوں میں وہ لوگ جن کی جماعت چھوٹ گئی ہے جماعت کے ساتھ نماز ادا کرسکتے ہیں۔

یہی مسجد کی سہ دری اور ان ہالوں کا ہے جو مسجد کے ساتھ تعمیر کردی گئی ہے اور اس کے متعلق مسجد کی نیت بھی کی گئی ہے[۱]

ع[۱] مستفاد فتاوی رحیمیہ ص ۱۵۰ ج ۲)

مسجد شرعی کیلئے عمارت ضروری نہیں ہے

مسجد کی جگہ کو مالک زمین نے مسجد کی نیت سے وقف کردیا اور اس کے راستے کو بھی ممیّز کردیا اور نماز پڑھنے کی عام اجازت دے دی لوگوں نے زمین کو گھیر کر اذان اور جماعت کیساتھ نماز پڑھنا شروع کردیا اور ہمیشہ اذان و جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی نیت بھی کرلی اور دوام کے ساتھ وہاں نماز ہونے لگی تو وہ جگہ مسجد شرعی بن گئی مسجد کے لئے مستقل تعمیر ضروری نہیں ہے [۱]

واقف مسجد کی زمین کو اور راستہ کو اپنی ملکیت سے علیحدہ کردے

جس شخص نے مسجد کیلئے زمین وقف کیا تو اس کی ملکیت اس سے اسوقت تک ختم نہیں ہوگی، جب تک کہ وقف شدہ حصہ کو مع راستہ کے اپنی ملکیت سے الگ نہ کردے اور لوگوں کو نماز پڑھنے کی عام اجازت نہ دیدے۔

ملکیت سے علیحدہ کرنا اسلئے ضروری ہے کہ اس علیحدگی سے وہ زمین اور مکان واقف کی ملکیت سے نکل کر اللہ تعالیٰ کیلئے خالص ہوجائیگی اور وقف مکمل ہوجائیگا۔

پس اگر کسی شخص نے اپنے احاطہ یا مکان کے درمیانی حصہ کو مسجد بنادیا اور اس کا راستہ بھی الگ کر کے مسجد کیلئے شرط کردیا تو بالاتفاق مسجد ہوجائیگی اور اگر راستہ شرط نہ کیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مسجد ہوجائے گی اور صاحبین کے نزدیک وہ مسجد قرار نہیں پائے گی، کیونکہ بغیر راستہ کے شرط کئے یہ واقف ہی کے حقوق سے قرار پائے گا مگر فتویٰ قاضیخاں

---

[۱] رجل له ساحة لابناء فيها امر قوما ان يصلوا فيها بجماعة هذا على ثلاثة اوجه احدها اما ان امرهم بالصلوة فيها ابدا نصا بان قال صلوا فيها ابدا امرهم بالصلوة مطلقا ونوى الابد ففى هذين الوجهين صارت الساحة مسجدا لومات لايورث عنه (الفتاوى العالمگيريه كتاب الوقف ص۴۵۵ ج۲)

میں لکھا ہے کہ راستہ الگ نہ کر کے صرف مسجد کا دروازہ بڑے راستے کی طرف کر کے بنادیا تو بھی مسجد قرار پائے گی۔[1]

آج کے حالات کے اعتبار سے اسی قول پر فتوی ہونا چاہئے۔

محض سنگ بنیاد رکھنے سے مسجد ہوگی یا نہیں

برسوں پہلے کوئی پلاٹ مسجد کیلئے مختص کیا گیا اور دیگر حصوں میں مسلمانوں کے مکانات بنانا طے ہوا تھا اور اسی موقع پر مسجد کے پلاٹ پر کسی بزرگ کے ہاتھ مسجد کی سنگ بنیاد رکھی گئی اس کے بعد مکانات وغیرہ کے تعمیری کام رک گئے اور مستقبل قریب میں مسلمانوں کی بستی بننے کی امید بھی نہیں ہے اور نہ دور تک مسلم بستی موجود ہے زمین ہندولوگ خرید رہے ہیں اور مسجد کا صرف سنگ بنیاد رکھا گیا ہے اذان وجماعت شروع نہیں ہوئی ہے تو ایسے قرائن کی موجودگی میں وہ مسجد شرعی نہیں کہلائے گی اس کو فروخت کیا جاسکتا ہے۔[2]

ضرورت کی وجہ سے عارضی مسجد بنانا

کسی جگہ پرانی مسجد مخدوش ہوجائے جس کی وجہ سے اس کو توڑ کر از سر نو بنانے

ع[1] من بنى مسجدا لم يزل ملكه عنه حتى يفرزه عن ملكه بطريقه ويأذن بالصلوة فيه اماالافراز فلانه لايخلص لله تعالىٰ الابه كذا فى الهدايه فلوجعل وسط داره مسجدا واذن للناس فى الدخول والصلوة فيه ان شرط معه الطريق صار مسجدا فى قولهم والافلاعندابى حنيفة رحمة الله عليه وقالا يصير مسجدا وتصير الطريق من حقه من غير شرط كذا فى القنية وفى السغناقى ولوعزل بابه الى الطريق الاعظم يصير مسجدا كذا ذكره الامام قاضيخان كذافى التتارخانيه(الفتاوى الهنديه العالمگيريه صـ۴۵۴ تا ۴۵۵ جـ۲)

ع[2] مستفاد فتاوى محموديه صـ۸۵ جـ۶ .

کا تقاضہ ہوا ور کام شروع کر دیا گیا جب تک کام مکمل نہ ہوجائے تب تک مسجد کے احاطہ سے باہر عارضی طور سے ایک کچی مسجد بنادی گئی یا کسی حجرے کو مسجد کے طور پر استعمال کیا جانے لگا اور اذان و جماعت بھی ہونے لگی مگر آئندہ اس کو توڑ دیا جائے گا مستقل مسجد کے نام سے نہ وقف کیا گیا اور نہ مسجد شرعی کی نیت کی گئی ہے تو وہ مسجد شرعی نہیں کہلائے گی، اس جگہ کو بعد میں کسی بھی کام میں استعمال کیا جا سکتا ہے، اس کا حکم ایسا ہی ہے جیسے گھر میں یا باغ یا دکان وغیرہ میں عارضی جماعت خانہ بنایا گیا ہو، اسی طرح عیدگاہ میں بھی مسجد کے احکام جاری نہیں ہوں گے۔[1]

مسجد کبیر و مسجد صغیر کی تعریف

جو مسجد چالیس ذراع یعنی چالیس گز شرعی لمبی ہو اور چالیس گز چوڑی ہو تو وہ مسجد کبیر میں داخل ہے اور بعض علماء نے فرمایا کہ ساٹھ گز لمبی ساٹھ گز چوڑی ہو مگر پہلا قول چالیس ذراع والا ہی مفتی بہ ہے۔[2]

ع[1] رجل له ساحة لابناء فيها امر قوما ان يصلوا فيها بجماعة وان امرهم بالصلوة شهرا اوسنة ثم مات يكون ميراثا عنه لانه لابد من التأبيد والتوقيت ينافى التابيد مسجد اتخذ لصلوة الجنازة اولصلوة العيد هل يكون له حكم المسجد اختلف المشائخ رحمهم الله تعالىٰ فيه قال بعضهم يكون مسجدا حتى لومات لايورث عنه وقال بعضهم ماتخذ لصلوةالجنازة فهو مسجد لايورث عنه وما اتخذ لصلوة العيد لايكون مسجدا مطلقا وانما يعطى له حكم المسجد فى صحة الاقتداء بالامام واما فيما سوى ذلك ليس له حكم المسجد وقال بعضهم له حكم المسجد حال اداء الصلوة لاغير وهو والجبانة سواء (فتاوى قاضى على هامش عالمگيريه (ص۲۹۰/۲۹۱ ج۳)

ع[2] (قوله ومسجد صغير) هو اقل من ستين ذراعا وقيل اربعين وهوالمختار كمااشار اليه فى الجواهر القهستانى (ردالمختار كتاب الصلوة باب مايفسد الصلوة ويكره فيها)

مسجد ہونے کا حکم کب سے لگایا جائے گا

زمین کا مالک یا کسی مکان کا مالک اپنی مملوکہ جائداد کو مسجد کہکر وقف کردے یا عام لوگوں کے سامنے اس جگہ کو مسجد بننے اور بنانے کی اجازت دیدے اور لوگ اس جگہ میں اذان وجماعت کے ساتھ نماز پڑھنے لگیں تو وہ جگہ اسی وقت سے مسجد کہلائے گی جس وقت سے واقف کی اجازت سے نماز اذان وجماعت کیساتھ قائم ہوئی ہے چہ جائے کہ وہاں مستقل تعمیر نہ ہوئی ہو۔[1]

مسجد بنانے کا حکم

ہر شہر ہر قصبہ اور ہر اس گاؤں میں جہاں مسلمانوں کی ایک جماعت رہتی ہو مستقل بودوباش کیلئے رہائش اختیار کر لئے ہوں مستقبل قریب میں اس بستی کو چھوڑنے کا ارادہ نہ ہو کچھ مسلمانوں کے اپنے ذاتی مکانات بھی ہوں تو ایسی جگہ پر مسجد کیلئے کوئی زمین یا مکان وقف کرنا فرض علی الکفایہ ہے رہا مسجد کیلئے مکان بنانا تو یہ مستحب ہے۔[2]

ع[1] التسليم فى المسجد ان تصلى فيه الجماعة باذنه وعن ابى حنيفة رحمة اللّٰه تعالىٰ فيه روايتان فى رواية الحسن عنه يشترط اداء الصلوة فيه بالجماعة باذنه اثنان فصاعدا كما قال محمدؒ والصحيح رواية الحسن كذافى فتاوى قاضيخاں ويشترط مع ذلك ان تكون الصلوة باذان واقامة جهرا لاسرا حتى لوصلى جماعة بغير اذان واقامة سرا لاجهرا لايصير مسجد عندهما كذافى المحيط والكفايه ولوجعل رجلا واحدا مؤذنا واماما فاذن واقام وصلى وحده صار مسجدا بالاتفاق كذا فى الكفايه وفتح القدير (الفتاوى العالمگيريه صـ۴۵۵ جـ۲)

ع[2] امدادالاحكام جلد ۱ صـ ۳۵۷.

بلاضرورت دوسری مسجد بنانا

مسجد اللہ کا گھر ہے، مسلمانوں کے عبادت کرنے کی محترم جگہ ہے اللہ کی رضاء کیلئے اسے بنانا بہت ہی اجر وثواب کا کام ہے چنانچہ بخاری شریف کی روایت ہے۔

انه سمع عثمان ابن عفان رضی الله تعالی عنه یقول عند قول الناس فیه حین بنی مسجد الرسول ﷺ انکم اکثر تم وانی سمعت رسول الله ﷺ یقول من بنی مسجدا بنی الله له مثله فی الجنة۔ (بخاری شریف)	حضرت عثمان غنیؓ سے منقول ہے کہ جب انہوں نے مسجد نبوی کی از سر نو اچھی طرح تعمیر کی تو لوگوں نے چہ میگوئیاں شروع کردی اس پر حضرت عثمان غنیؓ نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگوں نے اعتراض کرنے میں حد ہی کردی حالانکہ میں نے رسول محمد ﷺ سے سنا کہ آپ نے فرمایا جس شخص نے اللہ کی رضاء کیلئے مسجد بنائی اللہ تعالیٰ اسی کے مانند اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا۔

مگر جب ایک مسجد پورے محلہ کیلئے کافی ہواور زیادہ دور بھی نہ ہو، لوگوں کو پانچ وقت نمازوں میں پہنچنے میں دقت بھی نہ ہواور راستہ میں کسی طرح کا خطرہ بھی نہ ہو تو بلاضرورت نام ونمود کیلئے دوسری مسجد بنانا جس سے پہلی مسجد کو نقصان پہونچ رہا ہو کہ وہاں کی جماعت منتشر ہورہی ہو لوگوں کی جمعیت ختم ہو کر اختلاف پیدا ہورہا ہو شرعاً ممنوع ہے چنانچہ اسی سلسلے میں ایک روایت منقول ہے۔

عن عطا لمافتح الله الامصار علی یدعمر رضی الله تعالیٰ عنه امر المسلمین ان یبنو المساجد وان لایتخذوا فی	حضرت عطا سے روایت ہے کہ جب حضرت عمرؓ کے ہاتھوں پر اللہ تعالیٰ نے شہروں کا فتح کروایا تو حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کو مسجدیں بنانے کا حکم صادر فرمایا ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ

مدینة مسجدین یضار احدهما صاحبه (کشاف صـ۵٦۸ جـ۱) ایک شہر میں دو مسجدیں اس طرح نہ بنائی جائیں جس سے دوسری مسجد کو نقصان پہنچے۔

لہٰذا ایسا ہرگز نہ کرنا چاہئے کہ بلاضرورت کے ضدم ضد میں دوسری مسجد بنائی جائے، ایسی مسجد بنانے والے کو ثواب نہیں ملے گا، لیکن باقاعدہ جب مسجد بن جائے اور واقف نے زمین وقف کردیا یا عام لوگوں کے چندہ سے زمین اور تعمیر ہوگئی تو پھر اس دوسری مسجد کو بھی ویران نہیں کرنا چاہئے اسے بھی آباد کرنا چاہئے۔

اور اگر ایک ہی محلّہ میں دوسری مسجد بنانے کی، سخت ضرورت ہو مثلاً پہلی مسجد بیحد تنگ ہوگئی ہو اس کو وسیع کرنے کی کوئی صورت نہ ہو یا بیچ میں نہر حائل ہو یا کسی طرح کی پریشانی ہو جس کی وجہ سے پرانی مسجد میں جانا مشکل ہو رہا ہو تو دوسری مسجد بنانا جائز ہی نہیں بلکہ کار ثواب ہے چنانچہ سنن ابن ماجہ میں ایک حدیث ہے۔

عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت امر رسول الله صلی الله علیه وسلم ان یتخذ المسجد فی الدور وان تطیب [۱] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محلّہ (والی) مسجد بنانے کا حکم ارشاد فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ مسجدوں کو صاف ستھرا رکھا جائے۔

ع۱ سنن ابن ماجه ابواب المساجد باب تطهیر المساجد صـ ۵۵. یجوز لاهل المحلة ان یجعلوا المسجد الواحد مسجدین (البحر الرائق کتاب الصلوة باب مایفسد الصلوة ومایکره فیها صـ۲٦ جـ۲) وفی الحاوی سئل ابوبکر عن قوم ضاق مسجدهم فبنوا مسجدا اخر قال یبیعون الاول وینتفعون بثمنه فی الذی ینو نه قال الفقیه هذاالجواب علی قول محمد وعلی قول ابی یوسف لایجوز بیع المسجد بحال (الفتاوی التا تارخانیه کتاب الوقف مسائل وقف المساجدصـ۸۴۸ اداره القرآن کراچی)

مسجد ضرار کا تاریخی پس منظر

رسول اللہ ﷺ کی ہجرت سے قبل مدینہ منورہ میں ابوعامر نامی ایک شخص تھا جوزمانہ جاہلیت میں نصرانی ہو گیا تھا،

ابو عامر راہب سے مشہور تھا، یہ وہی شخص ہے جن کے لڑکے مشہور صحابی رسول حضرت حنظلہؓ تھے جو غزوہ احد میں شہید ہو گئے تھے اور فرشتوں نے انہیں آسمان پر لے جا کر غسل دیا تھا اسلئے غسیل ملائکہ کے نام سے مشہور ہو گئے مگر ان کا باپ اپنی گمراہی اور نصرانیت پر قائم رہا۔

الغرض: جب حضور ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو ابوعامر راہب حاضر خدمت ہوا اور گفت وشنید کے دوران اسلام پر چند اعتراضات کئے آپؐ نے تشفی بخش جوابات دیئے مگر اس بدنصیب کو اطمینان نہیں ہوا بلکہ یہ کہا کہ ہم دونوں میں جو جھوٹا ہو وہ مردود اور اپنے احباب واقارب سے دور ہو کر حالت سفر ہی میں مرجائے اور یہ کہا کہ آپ کے مقابلہ میں جو بھی دشمن آئیگا میں اس کی مدد کروں گا چنانچہ غزوۂ حنین تک تمام غزوات میں مسلمانوں کے مدمقابل دشمنان اسلام کے ساتھ ملکر شریک معرکہ رہا، چنانچہ جب قبیلہ ہوازن کی بڑی جنگجو اور طاقتور فوج بھی شکست کھا گئی تو وہ مایوس ہو کر ملک روم جا کر ملک روم کے بادشاہ قیصر کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا اور اسکو اس بات پر آمادہ کرنے کی پوری کوشش کردی کہ وہ اپنے لشکر سے مدینہ پر چڑھائی کرے، اور مسلمانوں کو یہاں سے خالی کروادیں اور اپنی پوری حمایت دینے کا وعدہ کیا۔

اسی سازش کے نتیجہ میں اس نے مدینہ کے منافقین کو (جن کے ساتھ اس کا ساز باز تھا) خط لکھا کہ میں اس کی کوشش کررہا ہوں کہ قیصر مدینہ پر چڑھائی کرے مگر تم لوگوں کی کوئی اجتماعی طاقت ہونی چاہئے جو اس وقت قیصر کی مدد کرے اس کی صورت

یہ ہے کہ تم مدینہ ہی میں اپنا ایک خاص اڈہ بناؤ اور اس کیلئے جس مکان کی تعمیر کرو اس کو مسجد مشہور کرو کہ ہم مسجد بنا رہے ہیں تا کہ مسلمانوں کو شبہ بھی نہ ہو کہ تم لوگ اپنا الگ ٹھیہا بنا رہے ہو اور اسی مکان میں تم لوگ اپنے ہم مشرب لوگوں کو جمع کرو اور جس قدر اسلحہ اور سامان جمع کر سکتے ہو وہ بھی جمع کرو، اور یہیں پر مسلمانوں کے خلاف باہمی مشورہ کیا کرو اور مسلمانوں کے خلاف پوری کوشش صرف کردو۔

چنانچہ اس راہب کے مشورہ پر بارہ منافقین نے مدینہ طیبہ کے محلّہ قباء میں (جہاں اول ہجرت میں حضور ﷺ نے قیام فرمایا تھا) اور ایک دوسری مسجد کی تعمیر کی تھی جو مسجد قباء کے نام سے مشہور ہے، اور ایک مسجد کی بنیاد رکھی تھی (ابن اسحاق نے ان بارہ منافقوں کے نام بھی بتلائے ہیں پھر مسلمانوں کو فریب دینے اور دھوکا میں رکھنے کیلئے یہ ارادہ کیا کہ خود رسول اللہ ﷺ سے ایک نماز اس جگہ پڑھوادیں تا کہ مسلمان مطمئن ہو جائیں کہ یہ بھی ایک مسجد ہے جیسا کہ اس سے پہلے ایک مسجد یہاں بن چکی ہے۔

چنانچہ منصوبہ کے تحت ان کے وفد حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ قباء کی موجودہ مسجد بہت سے لوگوں سے دور ہے ضعیف، بیمار، آدمیوں کو وہاں تک پہنچنا مشکل ہے اور خود مسجد قباء اتنی وسیع بھی نہیں ہے کہ پوری بستی کے لوگ اس میں سما سکیں اسلئے ہم نے ایک دوسری مسجد اس کام کیلئے بنائی ہے تا کہ ضعیف مسلمانوں کو فائدہ پہونچے لہذا آپ ﷺ اس مسجد میں ایک نماز پڑھ لیں تا کہ برکت حاصل ہو جائے۔

آپؐ رومیوں سے لڑنے کیلئے غزوہ تبوک کی تیاری میں مشغول تھے، اسلئے آپؐ نے یہ وعدہ کرلیا کہ اسوقت تو ہمیں سفر درپیش ہے واپسی کے بعد ہم اس میں نماز پڑھ لیں گے، لیکن غزوہ تبوک سے واپسی کے وقت جب آپؐ مدینہ طیبہ کے قریب

ایک مقام پر فروکش ہوئے تو اس مسجد کے بنانے کا مقصد اور منافقین کی ساری سازشوں کو اللہ پاک نے آپ ﷺ پر واضح کرنے کے لئے آیات قرآنیہ نازل فرمادی۔

والذین اتخذوا مسجدا ضرارا وکفرا وتفریقا بین المؤمنین وارصادا لمن حارب الله ورسوله من قبل ولیحلفن ان اردنا الاالحسنی والله یشهد انهم لکذبون ٥ لاتقم فیه ابدا لمسجد اسس علی التقوی من اول یوم احق ان تقوم فیه ط فیه رجال یحبون ان یتطهروا والله یحب المطهرین ٥

بعض لوگ وہ ہیں جنہوں نے ان اغراض کیلئے مسجد بنائی (اسلام) کو نقصان پہنچانے اور کفر کی باتیں کرنے کیلئے اور ایمانداروں کے مابین تفریق ڈالنے کی غرض سے اور اس شخص کے قیام کا سامان کریں جو اس (مسجد بنانے) کے قبل سے خدا اور رسولؐ کا مخالف ہے (مراد ابو عامر ہے) اور پوچھو) تو قسمیں کھائیں گے کہ بجز بھلائی کے اور ہماری کچھ نیت نہیں ہے اور اللہ گواہ ہے کہ وہ اس (دعوی) میں بالکل جھوٹے ہیں، آپ اس میں کھڑے نہ ہوں البتہ جس مسجد کی بنیاد اول دن میں (یعنی روز تجویز) تقوی پر رکھی گئی ہے مسجد قبا وہ اس لائق ہے کہ آپ اس میں (نماز کیلئے) کھڑے ہوں اس مسجد میں جو پاکی کو خوب پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب پاک ہونے والے کو پسند کرتے ہیں۔

آیتوں کے نزول کے بعد اپنے چند اصحابؓ کو (جن میں عامر بن سکن اور وحشی قاتل حمزہؓ وغیرہ شریک تھے) حکم دیا کہ ابھی فوراً جا کر اس مسجد کو ڈھادو اور اس میں آگ لگادو یہ سب حضرات اسی وقت گئے اور حکم کی تعمیل فرما کر اس عمارت کو ڈھا کر زمین بوس کردیا۔[1]

---

[1] تفسیر قرطبی وتفسیر مظہری ماخوذ از معارف القرآن (ص ۴۶۱، ۴۶۲ج ۴)

تفسیر مظہری میں محمد ابن یوسف صالحی کے حوالہ سے یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ قباء سے مدینہ پہونچ گئے تو مسجد ضرار کی جگہ خالی پڑی تھی آپ ؐ نے عاصم ابن عدی کو اس کی اجازت دی کہ وہ اس جگہ میں اپنا گھر بنائیں انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ جس جگہ کے متعلق قرآن کریم کی یہ آیات نازل ہو چکی ہیں میں تو اس منحوس جگہ میں گھر بنانا پسند نہیں کرتا۔

البتہ ثابت ؓ بن اقرم ضرورت مند ہیں ان کے پاس کوئی گھر نہیں ہے ان کو اجازت دیدیجئے کہ وہ یہاں مکان بنالیں ان کے مشورہ کے مطابق آپ ؐ نے یہ جگہ ثابت ابن اقرم کو دیدی مگر ہوا یہ کہ جب سے ثابت ؓ اس مکان میں مقیم ہوئے ان کے کوئی بچہ نہیں ہوا یا زندہ نہیں رہا۔[1]

اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ انسان تو کیا اس جگہ میں کوئی مرغی بھی انڈے بچے دینے کے قابل نہ رہی، کوئی کبوتر اور جانور بھی اس میں پھلا پھولا نہیں چنانچہ اس کے بعد سے یہ جگہ آج تک مسجد قباء کے کچھ فاصلہ پر ویران پڑی ہے۔[2]

پرانی مسجد کے مدمقابل باغراض فاسدہ دوسری مسجد کو ضرار کہنا

مذکورہ آیات کریمہ میں مسجد ضرار کے بنانے کی تین غرضیں بیان کی گئی ہیں

اول ضرار: یعنی مسلمانوں کو تکلیف پہنچانا۔

دوم: تفریقاً بین المؤمنین مسلمانوں کے اتحاد کو منتشر کرنا تا کہ مسلمانوں کی ایک جماعت پرانی میں اور دوسری جماعت نئی مسجد میں نماز پڑھیں۔

سوم: ارصادا لمن حارب اللہ یعنی اللہ اور رسول کے دشمنوں کو پناہ ملے

ع[1] تفسیر مظہری ماخوذ معارف القرآن (ص۔۴۶۲ ج۔۴)

ع[2] معارف القرآن ص۔۴۶۲ ج۔۴)

اور یہاں مسلمانوں کے خلاف سازش کریں۔

آیات کریمہ کے مجموعہ سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ جس مسجد کو قرآن کریم نے مسجد ضرار قرار دیا اور رسول اللہ ﷺ کے حکم سے اس کو ڈھایا گیا اور آگ لگادی گئی درحقیقت نہ وہ مسجد تھی نہ اس سے مقصد نماز پڑھنا تھا بلکہ وہ تین مقاصد تھے جو اوپر ذکر کئے گئے۔

اس سے معلوم ہو گیا کہ آج کل اگر کسی مسجد کے مقابلہ میں اسکے قریب کوئی دوسری مسجد کچھ مسلمان بنالیں اور بنانے کا مقصد یہی باہمی تفرقہ اور پہلی مسجد کی جماعت کو توڑنا وغیرہ اغراض فاسدہ ہوں تو ایسی مسجد بنانے والے کو ثواب تو نہیں ملے گا بلکہ تفریق بین المؤمنین کی وجہ سے گناہ ہوگا، لیکن بایں ہمہ وجوہ اس جگہ کو شرعی حیثیت سے مسجد ہی کہا جائے گا اور تمام آداب واحکام مسجد کے اس پر جاری ہوں گے، اس کا ڈھانا آگ لگانا جائز نہیں ہوگا، اور جو لوگ اس میں نماز پڑھیں گے ان کی نماز بھی ادا ہو جائیگی اگرچہ ایسا کرنا فی نفسہ گناہ رہے گا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس طرح ریا ونمود کیلئے یا ضد وعناد کیوجہ سے جو مسلمان کوئی مسجد بنائے، اگرچہ بنانے والے کو مسجد کا ثواب نہیں ملے گا بلکہ گناہ ہوگا مگر اس مسجد کو قرآن میں مذکور مسجد ضرار نہیں کہا جائے گا، بعض لوگ جو اس طرح کی مسجد کو ضرار کہتے ہیں یہ درست نہیں ہے البتہ اس کو مسجد ضرار کے مشابہ کہہ سکتے ہیں اس لئے اس کے بنانے کو روکا بھی جاسکتا ہے جیسا کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے ایک فرمان جاری فرمایا تھا جس میں ہدایت کی گئی تھی کہ ایک مسجد کے قریب دوسری مسجد نہ بنائی جائے جس سے پہلی مسجد کی جماعت اور رونق متاثر ہو۔[1]

اس مسجد ضرار کے متعلق دوسری آیت میں رسول اللہ ﷺ کو یہ حکم دیا گیا کہ

ع[1] تفسیر کشاف ماخوذ معارف القرآن ص ۴۶۳، ۴۶۴ ج ۴۔

لاتقم فیہ ابدا. اس میں قیام سے مراد نماز کیلئے قیام ہے مطلب یہ ہے کہ آپ اس نام کی مسجد میں ہرگز نماز نہ پڑھیں۔

مسئلہ: اس سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ آج بھی اگر کوئی نئی مسجد پہلی مسجد کے متصل بلاکسی ضرورت کے محض ریاونمود کیلئے یا ضدوعناد کی وجہ سے بنائی جائے تو اس میں نماز پڑھنا بہتر نہیں اگرچہ نماز ہوجائیگی۔[۲]

عارضی طور پر بنی مسجد کا حکم

کوئی جگہ عارضی ہو کسی کی مستقل ملکیت نہ ہو جیسے سرکاری روڈ کی زمین، سرکاری اسٹیشن، ہاسپٹل، کورٹ، کچہری، بلوک، وغیرہ جو سرکاری ملکیت ہے، اسی طرح کسی کمپنی کی ملکیت میں کوئی جگہ ہے تو وہاں بغیر اجازت کے یا عارضی طور سے نماز پڑھنے کی اجازت سے جماعت خانہ تعمیر کردیا گیا اور پنجگانہ نماز کے علاوہ جمعہ بھی قائم کردیا گیا اور باضابطہ اذان و جماعت بھی قائم کردی گئی تو بھی وہ جگہ مسجد شرعی کے حکم میں نہیں ہوگی اور اس پر مسجد کے احکام جاری نہیں ہوں گے، وہاں نماز پڑھنے سے مسجد میں نماز پڑھنے کا ثواب نہیں ملے گا، اس تعمیر کو توڑ کر ہٹایا جاسکتا ہے دوسرے کام میں اس جگہ کو استعمال میں لینا بھی جائز ہوگا لیکن نماز باجماعت اور جمعہ وعیدین وغیرہ کیلئے اتنی مختصر جگہ کی اجازت لیکر جماعت خانہ بنانا درست ہے اگرچہ یہ حقیقی مسجد نہ بنے گی، لیکن ایک گونہ مسجد کا فائدہ جماعت وغیرہ کا اہتمام اور جگہ کی صفائی وپاکی کا لحاظ وغیرہ اس سے ضرور حاصل ہوجائے گا اور یہ ایک گونہ مسجد جیسی ہوجائے گی اور اس کا حکم مسجد البیت جیسا ہوگا جیسا کہ ایک حدیث میں حضور ﷺ نے اپنے گھروں میں مسجد بنانے کا حکم صادر فرمایا۔

---

[۲] معارف القرآن ص۔۴۶۴ ج۔۴

عن عائشة قالت امر رسول ﷺ ببناء المسجد في الدور وان ينظف ويطيب رواه ابو داؤد والترمذي وابن ماجه (مشكوة صـ۶۹ جـ۱).

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے ہمیں اپنے گھروں میں مسجد بنانے کا حکم فرمایا اور فرمایا کہ اس کو صاف رکھو اس کو پاک وصاف رکھو۔

لیکن باتفاق امت جو جگہ گھروں میں نماز کیلئے بنائی جاتی ہے وہ احکام مسجد میں داخل نہیں ہوتی لیکن نماز کا اہتمام اور پاکی وصفائی وغیرہ ان سے حاصل ہو جاتی ہے اور ہر طرف سے ہٹ کر ذھن کو یکسوئی اور خشوع وخضوع پیدا ہونے کا سبب بھی پیدا ہو جاتا ہے اسلئے آپؐ نے اس کا حکم صادر فرمایا۔

لہٰذا ایسی عارضی جگہوں پر جماعت خانہ بنانا فائدہ اور ثواب سے خالی نہیں، اور اس بات کا پہلے سے اعلان کر دینا چاہئے کہ یہ مسجد مستقل مسجد شرعی نہیں صرف جماعت خانہ کی حیثیت سے بنا دیا گیا ہے جب اس کی ضرورت نہیں رہے گی تو اس کو توڑ کر ہٹا دیا جائے گا۔[1]

کس مسجد میں نماز درست نہیں

کچھ ایسے گاؤں میں جہاں لوگ آباد ہیں ایک مسجد بھی پوری نہ ہو پاتی ہے صرف دس بیس گھر کی آبادی ہو، تو ایسی جگہ بلاضرورت دوسری مسجد بنانا گناہ ہے، بنانے والے کو ثواب نہیں ملے گا لیکن جب مسجد بن گئی تو پھر اس میں نماز پڑھنا درست ہے، دنیا میں کوئی ایسی مسجد نہیں کہ جہاں نماز پڑھنا ناجائز ہو چاہے جس فرقہ نے بنائی ہو خواہ رضا خوانی ہو، یا شیعہ، یا غیر مقلد، وغیرہ ہر ایک کی مسجد میں نماز پڑھنا درست ہے، جب مسجد کے نام سے تعمیر ہو گئی تو نماز پڑھنے سے مسجد کا ثواب ملے گا، البتہ کوئی فتنہ فساد ہو تو دوسرے مکتب فکر کی مسجد میں نماز نہیں پڑھنی چاہئے۔[2]

ع[1] مستفاد امداد المفتین صـ ۱۷۷.

ع[2] مستفاد فتاوی عبدالحی ۱۵۴ فتاوی رشیدیه ۵۳۶.

پٹے پر لی ہوئی زمین پر مسجد کا حکم

زمین پٹے پر لی گئی ہو حکومت سے خریدی نہیں گئی اور نہ حکومت نے مسلمانوں کو مستقل دی ہے عارضی زمین ہے جب چاہے حکومت واپس لے لے تو ایسی جگہ مسجد شرعی نہیں بنائی جائے گی البتہ عبادت خانہ بنایا جائیگا اس میں جماعت کا ثواب ملے گا۔[1]

مسجد میں محراب کا حکم

محراب کے سلسلے میں کتب فقہ کی عبارت مختلف ہیں بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کے زمانہ سے اسکا وجود ہے اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کے دور سے اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کی تابعین کے دور سے، اسی طرح کتب تاریخ سے بھی مختلف اقوال نقل کئے جاتے ہیں شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی کتاب جذب القلوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ محراب کی علامت یہ ہے کہ وہ اندرونی مسجد سے ہے یہ پہلے سے متعارف ہے عمر بن عبدالعزیز نے اسے سب سے پہلے بنایا ان سے بھی پہلے سے اس کا رواج ہے۔[2]

اور شیخ ابن الھمام کے شاگرد علامہ ابراھیم حلبی اپنے شیخ ابن ھمام کا قول نقل فرماتے ہیں کہ، یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ امام کا امتیاز مقرر اور شریعت میں مطلوب ہے، کھڑے ہونے کے اعتبار سے حتی کہ انکا مقتدیوں سے آگے ہونا واجب ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ ایک خاص جگہ میں کھڑے ہوں، اسلئے کہ مسجد میں محراب کا بنایا جانا حضور ﷺ کے زمانہ سے ثابت ہے اور اگر محراب بنے ہوئے نہ ہوں تو سنت یہ ہے کہ مقتدیوں کی صف کے بیچ میں تھوڑا آگے بڑھ جائے،

ع[1] فتاوى رحيميه صـ۲۷ ا جـ٦.

ع[2] جذب القلب صـ ۸۷ ماخوذ فتاوى محموديه صـ ٤٤٦ جـ ٤.

کیونکہ برابر کھڑا ہونا مطلوب ہے، اس کے علاوہ میں کھڑا ہونا مکروہ ہے۔[1]

ان کے علاوہ فقہاء بھی محراب میں کھڑے ہوکر نماز پڑھنے کو مکروہ لکھتے ہیں لیکن نفس محراب بنانے کو مکروہ نہیں لکھتے ہیں بلکہ محراب سے باہر کھڑے ہوکر نماز پڑھنے اور محراب میں سجدہ کرنے کو بھی جائز کہتے ہیں علیٰ ھذا القیاس محراب کے دوسرے احکام بھی ذکر کرتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مساجد میں محراب بنانا جائز اور ثابت ہے۔

محراب بنانے میں مسجد کا نقصان ہوتو نہ بنائے

مسجد میں محراب نکالنے سے مسجد تنگ ہو جاتی ہو، یا مسجد کے منہدم ہونے کا خطرہ ہوتو محراب نہ بنایا جائے، ایسے ہی امام درمیان میں کھڑا ہو جایا کرے، اس طرح کہ دونوں طرف مقتدی برابر ہوں، درمیان سے ہٹ کر امام کا دائیں بائیں جانب کھڑا ہونا سنت کے خلاف ہونے کی وجہ سے کراہت سے خالی نہیں۔[1]

ع[1] قال الشيخ كمال الدين ابن الهمام ولايخفى ان امتياز الامام مقرر مطلوب فى الشرع فى حق المكان حتى كان التقدم واجب عليه وغايته هناک كونه فى خصوص مكان ولااثر لذالک فانه بنى فى المساجد المحارب من لدن رسول الله ﷺ ولولم تبين كانت السنة ان يتقدم فى محاذاة ذلک المكان لانه يحاذى وسط الصف وهو المطوب اذقيامه فى غير محاذاته مكروه (غنية المستمل شرح منية المصلى صـ ٣٦١.

ع[1] السنة ان يقوم الامام ازاء وسط الصف الاترى ان المحاريب مانصبت الاوسط المساجد وهى قدعينت لمقام الامام (شامى صـ ٣١٠ جـ ٢)

فان وقف فى يمنة الوسط او فى ميسرته فقداساء لمخالفة السنة (عالمگيرى ٨٩ جـ ١)

محراب مسجد میں داخل ہے

محراب تو داخل مسجد ہے مگر اس کے باوجود امام کو اس طرح کھڑا ہونا چاہئے کہ اس کے پیر پورے طور سے خارج محراب ہوں، یا کچھ حصہ خارج محراب ہو اگر چہ داخل محراب کھڑے ہوکر نماز پڑھانے سے بھی ہو جائے گی، مگر اس طرح کہ پورے طور سے امام محراب کے اندر کھڑا ہو مکروہ ہے۔[۱]

ممبر کا مقام اور اس کی کیفیت

ممبر کا مقام محراب کے پاس وسط مسجد میں ہے امام قبلہ کی طرف کھڑا ہو تو دائیں طرف اور جب امام قبلہ کی طرف پشت کرے تو بائیں طرف ہونا چاہئے، محراب کے اندر ایک سیڑھی باہر ہو، تا کہ خطبہ کی حالت میں مقتدیوں کی مواجہت ہو سکے بنا سکتے ہیں یا پورا ممبر محراب سے باہر بھی بنا سکتے ہیں موقع و محل کے اعتبار سے ایسا کیا جانا چاہئے۔[۲]

حضور ﷺ کے ممبر کی تین سیڑھیاں ہوتی تھیں حدیث میں حضورؐ اور آپ کے بعد خلفاء راشدین کے کھڑے ہو کر خطبہ دینے کی مختلف شکلیں ہوتی تھیں۔

ع[۱] ای لان المحراب انما بنی علامة لمحل قیام الامام لیکون قیامه وسط الصف کماهو السنة لالان یقوم فی داخله فهو وان کان من مقام المسجد لکن اشبه مکانا اخرفا ورث الکراهة (فتاوی شامی صـ۶۴۶ باب مایفسد الصلوة)

ع[۲] وکان منبر رسول الله صلی الله علیه وسلم عن یمین المحراب اذا استقبلت القبلة (بذل المجهود صـ۱۷۸ جـ۲) کتاب الصلوة باب موضع المنبر)

عن ابن عمر رضى الله عنهما قال لم يجلس ابوبكر الصديقؓ في مجلس رسول ﷺ على المنبر حتى لقي الله عزوجل ولم يجلس عمر رضي الله تعالىٰ عنه في مجلس ابی بكر رضي الله عنه حتى لقي الله ولم يجلس عثمانؓ في مجلس عمرؓ (اخرجه الطبراني في الاوسط) ع۱

حضرت عبداللہ ابن عمر سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ حضور ﷺ کے بیٹھنے کی جگہ (یعنی پہلی سیڑھی پر) نہیں بیٹھتے تھے یہاں تک اللہ تعالیٰ سے ملاقات کر گئے (یعنی وفات تک نہیں بیٹھے) اور حضرت عمر فاروقؓ ممبر پر اس سیڑھی پر نہیں بیٹھتے جس پر ابوبکر صدیقؓ بیٹھتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کر گئے اور حضرت عثمان غنیؓ سیڑھی کی اس نشست پر نہیں بیٹھتے تھے جس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیٹھتے تھے۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ حضور ﷺ پہلے درجہ پر اور آپ کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ اس سے نیچے دوسرے درجہ پر اور حضرت عمر فاروقؓ اس سے بھی نیچے تیسرے درجہ پر بیٹھتے تھے، اور حضرت عثمان غنیؓ حضرت عمر فاروق کی نشست یعنی۔ ۲

تیسرے درجہ پر نہیں بیٹھے بلکہ سب سے اوپر والے درجہ پر بیٹھے جس پر حضور ﷺ بیٹھتے تھے کیونکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اوپر والے درجہ پر نہ بیٹھتے تو تسلسل چلتا رہتا جس سے بہت بڑی دشواری ہوتی۔ ۲

ع۱ تاريخ الخلفاء فصل في مبايعته رضي الله عنه صـ۶۳ مؤسة الكتب الثقافيه بيروت لبنان.

ع۲ لما قبض رسول ﷺ قام ابوبكرؓ على المنبر دون مقام رسول ﷺ بمرقاة ثم قام عمرؓ دون مقام ابی بكرؓ بمرقاة ثم لما ولي عثمانؓ صعد ذروة المنبر (نفحة العرب صـ۳۶ قديمي)

مسجد میں کتنے منارے ہونے چاہئے

مینار کے متعلق شریعت کی طرف سے کوئی تحدید وتعین نہیں ہے، البتہ مسجد کی ہیئت ایسی ہونی چاہئے کہ دیکھنے والے پہچان لیں کہ یہ مسجد ہے عامتاً دو منارے بنانے کا معمول ہے اور کسی مسجد میں چار اور کسی میں اس سے زائد بھی ہیں، مگر تعداد شرعی کا کوئی حکم نہیں ہے، البتہ بلاوجہ پیسے خرچ نہ کیا جائے خاص کر وقف کے پیسے کو بہت احتیاط سے خرچ کرنا چاہئے۔[1]

حضور ﷺ کے زمانہ مبارک میں منارے کی یہ شکل نہ تھی جو آج ہے لیکن اذان بلند جگہ سے دی جاتی تھی، ابوداؤد شریف میں ایک صحابیہ کا بیان منقول ہے کہ میرا مکان مسجد نبوی سے قریب تھا اور دوسرے مکانوں کے بہ نسبت بلند تھا جس پر چڑھ کر حضرت بلالؓ اذان دیتے تھے۔

اس سے ثابت ہوا کہ اذان کیلئے بلند جگہ شرعاً مطلوب ہے لہٰذا گر ضرورت ہو جہاں منارے کے بغیر اذان کی آواز نہیں پہونچتی ہو تو اس کا بنانا جائز ہے بدعت نہیں ہے مگر منارے بنانے میں مقصد اخلاص ہو، نام ونمود مقصود نہ ہو ضرورت سے زیادہ بلند نہ ہو اور اگر منارے بنانے کی ضرورت نہ ہو بغیر منارا بنائے آواز پہنچتی ہو تو جائز نہیں ہے۔[2]

ع[1] ولاباس بنقشه خلا محرابه بجص وماء ذهب لامن مال الوقف فانه حرام وضمن متوليه لوفعل (درمختار) واما من مال الوقف فلاشک انه لايجوز للمتولی فعله مطلقاً لعدم الفائدة فيه خصوصا اذا قصد به حرمان ارباب الوظائف كماشاهدناه فی زماننا(فتاوی الشامی صـ ۴۳۰ جـ ۲. كتاب الصلوة مطلب كلمة لاباس دليل (محموديه صـ ۴۵۵ جـ ۴)

ع[2] مستفاد فتاوی رحیمیه صـ ۱۱۹ جـ ۶.

عام سڑک اور رفاہی پلاٹ پر مسجد بنانا

عام راستہ بادشاہ اور سرکار کا مملوک نہیں بلکہ حق عام ہے اگر لوگوں کی عام اجازت ہو لوگوں کو گزرنے میں تکلیف بھی نہ ہو تو مسجد بنانا درست ہے[1]

اسی طرح ایک رفاہی پلاٹ اھل محلہ کیلئے مخصوص ہے لوگ اپنی اجتماعی وانفرادی تقریبات میں اس کو استعمال کرتے ہیں تو یہ اھل محلہ کا حق ہے محلہ والے چاہیں تو ایسی جگہوں پر مسجد بنا سکتے ہیں، کیونکہ مسجد مسلم آبادی کی بنیادی ضرورت ہے حکومت پر ان لوگوں کا تعاون ضروری ہے نہ کہ اس کام میں رکاوٹ پیدا کریں[2]

البتہ حکومت کی طرف سے سختی ہو اور بنانے کی ممانعت ہو اور بنانے سے فتنہ فساد برپا ہونے والا ہو تو نہیں بنانی چاہئے (محمد کوثر علی سبحانی)

مسجد کی زمین فروخت کرنا

کسی نے زمین کے ایک حصہ کو کسی معین مسجد کے واسطے وقف کیا کہ اس کے متعلق جو کام درپیش ہوں اس زمین کے منافع کو اس مسجد میں خرچ کیا جائے تو وقف صحیح ہو گیا وقف کے صحیح ہونے کیلئے فقہا نے تابید کو شرط قرار دیا ہے اور جس وقف میں خلاف تابید کوئی شرط ہو تو اسکا وقف صحیح نہیں ہوگا مگر مسجد کا وقف صحیح ہو جائے گا، اور شرط باطل ہو جائے گی، لہٰذا وقف کے تام ہو جانے کے بعد اس کی بیع وشراء درست نہیں ہے[3]

ع[1] امدادالفتاوی صـ۶۸۹ جـ۲

ع[2] احسن الفتاوی صـ۴۴۴۔

ع[3] وشرطه شرط سائر التبرعات كحرية وتكليف وان يكون قربة فی ذاته معلوما منجزا معلقا الابكائن ولامضافا ولاموقتا ولابخيارشرط ولاذكر معه اشتراط بيعه وصرف ثمنه لحاجته فان ذكره (بقیہ اگلے صفحہ پر)

البتہ اگر واقف نے بوقت وقف یہ شرط لگادی ہو کہ اگر اس زمین سے انتفاع نہ ہو سکے تو اس کے عوض دوسری زمین لیکر وقف کردی جائے تو جائز ہے۔[1]

مسجد کو فروخت کرنا

جب مسجد کی نیت سے تعمیر ہو جائے اور وہاں نماز باجماعت اور اذان ہونے لگے، اسی طرح پہلے سے کوئی مسجد بنی ہو اور فی الحال آباد نہ ہو، اور وہاں نماز باجماعت بھی نہ ہوتی ہو بہر صورت اس کا فروخت کرنا یا مسجد کے علاوہ کسی کام میں اس جگہ کو استعمال کرنا جائز نہیں ہے وہ ہمیشہ کیلئے مسجد ہی رہے گی خواہ آباد ہو یا نہ ہو۔[2]

مسجد کی جائداد میں درخت وغیرہ لگا کر منافع حاصل کرنا

مسجد کی موقوفہ زمین اس قابل ہے کہ اس کو کاشت کیلئے دیکر غلہ حاصل کیا جاسکتا ہے، اسی طرح اس میں درخت لگا کر اس کے پھل کو فروخت کر کے منافع کو مسجد کے

(گذشتہ صفحہ کا بقیہ) بطل وقفه بزازيه (درمختار) قوله ولاذكرمعه اشتراط بيعه) في الخصاف لوقال على ان لي اخراجها من الوقف الى غيره اوعلى ان اهبها واتصدق بثمنها اوعلى ان اهبها لمن شئت اوعلى ان ارهنها متى بدأ لي واخرجها عن الوقف بطل الوقف ثم ذكر ان هذا في غير المسجد اماالمسجد لواشترط ابطاله اوبيعه صح وبطل الشرط (فتاوى شامي صـ ۵۲۳ جـ۶ . موخوذ ازفتاوى محموديه صـ ۴۵۶ جـ۴)

ع[1] واجمعوا انه اذاشرط الاستبدال لنفسه في اصل الوقف ان الشرط والوقف صحيحان ويملك الاستبدال ولوشرط ان يبيعها ويشترى بثمنها ارضا اخرى ولم يزد صح استحسانا وصارت الثانية وقفا بشرائطه الاولى ولايحتاج الى ايقافها (البحرالرائق كتاب الوقف صـ ۲۱۷ جـ ۵ رشيديه)

ع[2] مستفاد فتاوى رشيديه صـ ۵۴۱ جـ...)

مصالح میں خرچ کیا جاسکتا ہے تو کردیا جائے مثلاً ان پیسوں کو امام اور مؤذن کی تنخواہ میں اسی طرح مسجد کی چٹائی اور لائٹ میں اور دیگر اخراجات میں صرف کیا جاسکتا ہے۔[1]

مسجد کے سامان کو فروخت کرنا

مسجد کا جو سامان وقف کیا ہوا ہے، اور بیکار سا پڑا ہوا ہے یا خراب ہو رہا ہو تو ایسے سامان کو واقف کی اجازت سے فروخت کیا جائے، بغیر وقف کرنے والے کی اجازت سے ایسے سامان کو فروخت کرنا ناجائز ہے۔[2]

اور جو سامان متولی نے مسجد کے پیسے سے خریدی اور اب وہ بلاوجہ پڑا ہوا ہے تو ایسے سامان کو مصالح مسجد کیلئے فروخت کیا جاسکتا ہے۔[3]

ع[1] مسجد فيه شجرة التفاح قال بعضهم يباح للقوم ان يفرطوا بهذاالتفاح والصحيح انه لايباح لان ذلك صار وقفا للمسجد يصرف الى عمارته (البحرالرائق كتاب الوقف صـ ۲۴۱ جـ۵ رشيديه)

ع[2] واما فيما اشتراه المتولي من مستغلات الوقف فانه يجوز بيعه بلاهذاالشرط وهذا لان صيرورته وقفا خلافا والمختار انه لايكون وقفا فللقيم ان يبيعه متى شاء لمصلحة عرضت (فتح القدير كتاب الوقف صـ ۲۲۴، ۲۲۵ جـ۶. ماخوذ فتاوى محموديه صـ ۱۷۴ جـ۴)

ع[3] ولوخرب ماحوله واستغنى عنه يبقى مسجد اعندالامام والثاني ابدا الى قيام الساعة وبه يفتي وعادا لي ملك البالي اوورثته عندمحمد وعن الثاني ينقل الى مسجد اخر باذن القاضي ومثله في الخلاف المذكور حشيش المسجد وحصره مع الاستغناء عنهما (درمختار) ولوخرب المسجد ماحوله وتفرق الناس عنه لايعود الى ملك الواقف عند ابى يوسف ويباع نقضه باذن القاضي ويصرف ثمنه الى بعض المساجد (شامي صـ ۳۷۱ جـ۳)

مسجد کے ملبہ اور پرانی اشیاء کی خرید وفروخت

مسجد پرانی ہوگئی اس کو توڑ کر نئی مسجد تعمیر کی جارہی ہے تو اس سے کچھ پرانی اینٹ نکلے یا کچھ لوہے اور لکڑیاں قابل استعمال نکلے تو اولاً بعینہ اس سامان کو اسی مسجد میں لگانا چاہئے اور اگر بعینہ اسی سامان کو لگانا مشکل ہو تو اھل محلہ اور مسجد کے ذمہ دار اور حاکم کی اجازت سے ان چیزوں کو فروخت کر کے اس کے مثل سامان خرید کر اسی مسجد میں لگادیا جائے۔[1]

امام ومؤذن وغیرہ کیلئے حجرہ بنانا، مسجد کی ضرورت ہے

مسجد کے ٹوٹے ہوئے پرانے سامان مثلاً اینٹ، سریہ، مٹی، لکڑیاں، وغیرہ کو اگر بعینہ اسی مسجد میں لوٹانا مشکل ہورہا ہو اور مسجد کیلئے کچھ حجرے کی تعمیر درپیش ہو مثلاً امام یا مؤذن کی رہائش کیلئے کمرے کی تعمیر یا مسجد کا سامان رکھنے کیلئے کوئی مستقل حجرہ ، اسی طرح مسجد کے دیگر مصالح کیلئے کوئی ہال وغیرہ بنانا ہو تو ان ملبوں کو اور پرانے سامان کو ان کمرے کی تعمیر میں لگایا جاسکتا ہے اور یہ مسجد کیلئے ایسی ضرورت کی چیز ہے جیسے مسجد کیلئے بیت الخلاء غسل خانہ، وضوخانہ وغیرہ۔[2]

ع[1] ویصرف نقضه الی عمارته ان احتاج والاحفظه للاحتیاج ولایقسمه بین مستحقی الوقف بیان لما انهدم من بناء الوقف وخشبه وذکرفی القاموس اولا ان النقض بالکسر المنقوض وثانیا انه بالضم ماانتقض من البنیان وفاعل یصرف الحاکم . قال فی الهدایه وان تعذر اعادة الی موضعه بیع وصرفه ثمنه الی المرمة صرفا للبدل الی مصرف البدل وظاهره انه لایجوز بیعه حیث امکن اعادته وفی الحاوی قال خیف هلاک النقض باعه الحاکم وامسک ثمنه لعمارته عند الحاجة اه فعلی هذاییاع النقض فی موضعین عند تعذر عوره وعند خوف هلاکه (البحرائق صـ۲۱۹ جـ ۵)

ع[2] مستفاد فتاوی محمودیه صـ۲۷۴جـ۴)

مسجد کے پرانے سامان کو کوئی بھی خرید سکتا ہے

مسجد کے ملبوں اور پرانے سامان کے خریدنے میں کوئی قید نہیں کہ دوسری مسجد والے ہی خریدے، بلکہ کوئی شخص بھی اس کو خرید سکتا ہے اور اپنے مکان وغیرہ کی ضروریات میں لگا سکتا ہے۔[1]

غیر آباد مسجد کے سامان کا مصرف

جنگل میں کچھ جگہیں دیکھنے میں آرہی ہیں کچھ عمارت کی بنیادیں پختہ ہیں اس میں ایک بنیاد بطور مسجد کے بھی معلوم ہوتی ہے اور اس کا مسجد ہونا ظاہر ہو، مثلاً کاغذات اور پتھر وغیرہ کے ذریعے سے معلوم ہوتا ہو تو اس کے ملبے اور دیگر سامان کو مسجد میں لگانا درست ہوگا۔[2]

غیر آباد مسجد کی جگہ کو محفوظ کر دیا جائے

اور اس بنیاد کو جو مسجد معلوم ہوتی ہو گھیر کر محفوظ کر دیا جائے تاکہ دیگر کام میں اس جگہ کو استعمال نہ کیا جائے۔ جب بھی استعمال ہوگی مسجد ہی کیلئے استعمال ہوگی اس پر دوبارہ مسجد ہی بنے گی۔[3]

مسجد کی ایسی ویران جگہ کو اچھی طرح چہار دیواری وغیرہ کے ذریعہ محفوط کر دینا چاہئے کہ مسجد کی جگہ کو یا ویران مسجد کی عمارت کو کرایہ پر دینا بھی جائز نہیں ہے۔[4]

ع[1] مستفاد فتاوی محمودیه ۴۷۳ ج۴)

ع[2] ونقل فی الذخیرۃ عن شمس الائمة الحلوانی انه سئل عن مسجد أو حوض خرب ولایحتاج الیه لتفرق الناس عنه هل للقاضی ان یصرف اوقافه الی مسجد اوحوض آخر ؟ فقال نعم (فتاوی شامی کتاب الوقف مطلب فیما لو خرب المسجد اوغیره ص۵۵۰ ج۶)

ع[3] (ماخوذ فتاوی محمودیه ص ۴۸۷ ج۴) ع[4] (فتاوی محمودیه ۴۹۰ ج۴)

پرانی مسجد کی اینٹیں وغیرہ کو غیر محترم جگہ نہ لگانا چاہئے

کسی وجہ سے مسجد کو توڑ دیا گیا ہو تو اس کی اینٹ پتھر، ملبہ کو کسی ایسی جگہ پر نہ لگانا چاہئے جہاں بے حرمتی ہوتی ہو جیسے بیت الخلاء میں یا نالی میں یا جوتے چپل اتارنے کی جگہ میں استعمال کرنا تعظیم کے خلاف ہے[۱]

تاہم اب جبکہ ان چیزوں پر نماز نہیں پڑھی جاتی ہے تو ان کا حکم مسجد میں لگے ہوئے فرش جیسا نہیں ہے[۲]

مسجد کو وسیع کرنا

ایسی جگہ میں مسجد واقع ہو کہ ایک طرف یا دو طرف راستے ہوں یا کوئی ایسی تعمیر ہو جس کا ہٹانا مشکل ہو یا نہر ندی نالے ہوں تو جسطرف سے بڑھانا آسان ہو اسی طرف سے جگہ لے کر مسجد کو وسیع کیا جاسکتا ہے تا کہ تمام مصلیان سہولت کے ساتھ مسجد میں نماز ادا کرسکیں، اور کسی طرح کی کوئی تنگی یا خرافات میں مبتلا نہ ہوسکیں، مگر توسیع مسجد کی اجازت اس وقت ہے جبکہ نمازیوں سے مسجد تنگ پڑتی ہو، اگر نمازی سے مسجد تنگ نہ پڑتی ہو تو بلاضرورت مسجد کو وسیع نہ کیا جائے مثلاً معتکف کے بیٹھنے کیلئے یا کسی خارجی ضرورت کی وجہ سے وسیع کرنا ضروری نہیں ہے[۳]

ع[۱] ویجوز رمی برایۃ القلم الجدید ولاترمی برایۃ المستعمل لاحترامہ کحشیش المسجد وکناستہ لایلقی فی موضع یخل بالتعظیم (الدرالمختار کتاب الطہارت صـ۱۷۸ جـ۱)

ع[۲] لاحرمۃ لتراب المسجد اذاجمع ولہ حرمتہ اذابسط اہ (بحرالرائق ۲۵۰ جـ۵)

ع[۳] ارض وقف علی مسجد والارض بجنب ذلک المسجد وارادوا ان یزیدوا فی المسجد شیئا من الارض جاز لکن یرفعون الامر الی القاضی لیاذن لہم ومستقل الوقف کالدار والحانوت علی ہذا (الفتاوی العالمگیریہ کتاب الوقف صـ۴۵۶ جـ۲) وفتاوی محمودیہ صـ۵۰۵ جـ۴.

مسجد سے متصل جگہ کو شامل کرنا کہ نمازی کی صف وہاں تک پہنچ جائے

مسجد سے ملی جلی ایک جگہ مدرسہ کے نام سے متعین ہے نمازی کی تعداد بڑھکر وہاں تک پہنچ جاتی ہے، تو وہ جگہ اگر کسی کی مملوک ہے تو مالک کی اجازت سے مسجد میں شامل کرنا درست ہے اور اگر مدرسہ کا وقف الگ ہے تو اسکو مسجد میں شامل کرنا درست نہیں ہے جب تک کہ واقف مدرسہ اس کی اجازت نہ دیدیں، اور اگر مسجد کے لئے وہ جگہ وقف ہے تو باہمی مشورہ سے مسجد میں شامل کیا جاسکتا ہے، اور مجمع زیادہ ہونے پر وہاں تک صف پہنچ جاتی ہے تو امام کی اقتداء ونماز درست ہے۔[1]

قبروں کا مسجد میں شامل کرنا

قبروں کی دو حالتیں ہیں، پرانی یا نئی (۱) قبر پرانی یہ ہے کہ اس میں میت موجود نہیں ہے بالکل مٹی بن چکی ہے جسم کے سارے اعضاء گل گئے ہوں تو ایسی قبر، قبر کے حکم میں نہیں ہے اسے اکھاڑنا ان جگہوں کو دیگر تعمیری کام میں لگانا کھیتی کرنا باغ لگانا وغیرہ درست ہے اسی طرح اسے مسجد میں بھی شامل کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ وہ مسجد ہی کی

ع[1] وان اختلف احدهما بأن بنی رجلان مسجدین اورجل مسجدا ومدرسة ووقف علیهما اوقافا لایجوز له ذلک ای الصرف المذکور (درمختار) ومن اختلاف الجهة مااذاکان الوقف منزلین احدهما للسکنی والاخر للاستغلال فلایصرف احدهما للاخر وهی واقعة الفتوی اه (الشامی مطلب فی نقل انقاض المسجد صـ۳۷۲ جـ۳) وفی الکبری مسجد اراد اهله ان یجعلوا الرحبة مسجدا والمسجد رحبة وارادو ان یحدثوا له بابا وارادوا ان یجعلوا الباب عن موضعه فلهم ذلک فان اختلفوا نظرایهم اکثر وافضل فلهم ذلک کذافی المضمرات (فتاوی عالمگیریه صـ۴۵۶ جـ۲.

ملکیت میں وقف شدہ ہو، اگر قبرستان کی زمین الگ وقف شدہ ہے مسجد کی وقف شدہ ملکیت سے الگ ہے تو اس زمین کو بغیر واقف قبرستان کی اجازت کے مسجد میں شامل کرنا درست نہیں ہوگا، واقف اجازت دیدے تو پھر مسجد میں شامل کرنا جائز ہے۔

اور اگر زمین نہ مسجد کی ہے اور نہ مستقل وقف شدہ ہے بلکہ کسی کی مملوک ہے تو مالک زمین کی اجازت سے اسے مسجد میں شامل کرنا جائز ہوگا، اگر اجازت نہ دے، تو اسے مسجد میں شامل کرنا جائز نہیں ہوگا۔[1]

(۲) اور اگر قبر نئی ہے یعنی جس میں مردہ گلا نہ ہو، اس کے اعضاء موجود ہوں تو اس کا احترام ضروری ہے خاص کر کسی بزرگ کی قبر تو اور بھی انتہائی قابل احترام ہے اس کو اکھاڑنا یا دوسری جگہ منتقل کرنا درست نہیں ہے اور نہ اس قبر پر کسی طرح کی تعمیر صحیح ہے چہ جائے کہ اس پر مسجد بنائی جائے، کیونکہ قبر موجود رہتے ہوئے مسجد بنادی گئی اور پھر وہاں نمازی کے آگے قبر ہوگی تو نماز پڑھنا حرام ہوگا، اسلئے کہ اس سے تشبہ بعبادۃ القبور لازم آئے گا چنانچہ اس سلسلے میں ایک روایت منقول ہے۔

ع[1] ولوبلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیرہ وزرعه والبناء علیه اھ (زیلعی صـ۲۴۶ جـ۱) قال ابن القاسم لوان مقبرة من مقابر المسلمین عفت فبنی قوم علیها مسجدا لم اربذلک بأسا وذلک لان المقابر وقف من اوقاف المسلمین لدفن موتاهم لایجوز لاحد ان یملکها فاذادرست واستغنی عن الدفن فیها جاز صرفها الی المسجد لان المسجدایضا وقف من اوقاف المسلمین لایجوز تملیکه لاحد فمعناهما واحد اھ (عمدة القاری شرح صحیح البخاری باب هل تبنش قبور مشرکی الجاهلیةویتخذ مکانها مساجد (صـ۱۷۹ جـ۴. ادارة الطباعة المنیریة دمشق)

عن ابن مرثد الغنوی رضی الله تعالٰی عنه قال قال النبی صلی الله علیه وسلم لاتجلسوا علی القبور ولاتصلوا الیها ع۱ .	کہ حضرت ابومرثد الغنوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قبروں پر مت بیٹھو اور نہ اسکی طرف رخ کر کے نماز پڑھو۔

اور اگر قبریں نئی نہ ہوں مگر قبرستان عام لوگوں کیلئے وقف ہے اور لوگ وہاں میت کو دفن کرتے ہیں تو بھی اس قبرستان کو مسجد میں شامل کرنا جائز نہیں ہوگا کیونکہ کب لوگوں کو اس کی ضرورت پڑ جائے کہا نہیں جاسکتا ع۲

حکومت سے مسجد کی تعمیر کیلئے امداد لینا

سرکار کی آمدنی حلال وحرام مال سے مخلوط ہے اس نے اس پر قبضہ کرلیا تو وہ اس مال کا مالک ہوگیا اور جس سے حرام طریقہ سے لیا گیا سرکار ضامن ہوگی اس کو واپس کرنا اس پر ضروری ہوتا ہے، واپس نہ کرے تو وہ ذمہ دار ٹھہرے گی، یہاں چونکہ وہ چندہ دے رہی ہے اس لئے اس کو حرام نہیں کہا جائے گا اسے مسجد میں صرف کرنا جائز ہے، بہت سے علماء ومفتیان کرام نے اس کے جواز کا فتوی دیا ہے، البتہ یہ متعین ہو جائے کہ یہ چندہ حرام فنڈ سے ہے تو پھر اسے لینا جائز نہیں ہوگا۔ع۳

ع۱ جامع الترمذی ابواب الجنائز باب کراهة الوطی والجلوس علیها (صـ ۲۰۳ جـ ۱)

ع۲ مقبرة قدیمة لمحلة لم یبق فیها اثار المقبرة هل یباح لاهل المحلة الانتفاع بها قال ابونصرؒ لایباح (فتاوی قاضیخان علی هامش الفتاوی العالمگیریة کتاب الوقف فصل فی المقابر (صـ ۳۱۴ جـ ۳)

ع۳ غالب مال المهدی ان حلالا لابأس بقبول هدیته واکل ماله مالم یتعین انه من حرام وان غالب ماله الحرام لایقبلها ولایاکل الااذاقال انه (بقیہ اگلے صفحہ پر)

روڈ پر مسجد کے باہر ڈبے میں ڈالی ہوئی رقم

تعمیر مسجد کے واسطے مسجد کے کنارے روڈ کی طرف ایک ڈبہ یا بکس لٹکا دیا گیا ہو اور اس میں ہندو مسلم، سکھ وعیسائی، سب پیسے ڈالتے ہیں مسجد کے نام سے تو ان پیسوں کو مسجد کی تعمیر میں لگانا درست ہے۔[1]

تعمیر مسجد کیلئے قادیانی سے چندہ لینا

تعمیر مسجد کیلئے قادیانی سے چندہ وصول کرنا اور اس کا استعمال مسجد میں کرنا قطعا حرام ہے کیونکہ قادیانی زندیق ہے اسلئے اس سے کسی طرح کا معاملہ نہیں کرنا چاہئے۔[2]

مساجد میں غیر مسلم کا مال لگانا

اولاً مساجد کا قیام اور اس کی تعمیر مسلمانوں کی ذمے داری ہے اور ان ہی کے شایان شان ہے غیر مسلموں کیلئے مناسب نہیں ہے ارشاد خداوندی ہے ماکان للمشركين ان يعمرو مساجدالله ع۳ کہ مشرکوں کیلئے مناسب نہیں ہے کہ وہ مساجد کی تعمیر کریں۔

(گذشتہ صفحہ کا بقیہ) حلال ورثه اواستقرضه (البزازية على هامش الفتاوى العالمگيريه كتاب الكراهية الفصل الرابع فى الهداية والميراث صـ ۳٦۰ جـ ٦) اختلف الناس فى اخذ الجائزة من السلطان قال بعضهم يجوز مالم يعلم انه يعطيه من حرام قال محمد وبه نأخذ مالم يعلم شيئا حرام بعينه وهوقول ابى حنيفة واصحابه رحمهم الله تعالىٰ (الفتاوى العالمگيريه كتاب الكراهية الباب الثانى عشر (صـ ۳۴۲ جـ ۵) من ملك اموالا غير طيبه اوغصب اموالا وخلطها ملكها بالخلط ويصير ضامنا (شامى صـ ۲۹۱ كتاب الزكوة باب زكوة الغنم.

ع۱ فتاوى محموديه صـ ۲۱۸ جـ ۸ قديم.

ع۲ احسن الفتاوى صـ ۴٦۰ جـ ٦.

ع۳ سورة التوبه آيت ۱۸

بنابریں بعض حضرات فقہاء نے علی الاطلاق مساجد کی تعمیر میں غیر مسلموں کا تعاون لینا ناجائز قرار دیا ہے۔

مگر بعض فقہاء نے مساجد کی تعمیر میں غیر مسلموں کا تعاون لینا جائز قرار دیا ہے اور آیت کو تعمیر معنوی پر محمول فرمایا ہے چنانچہ علامہ شامی نے تحریر فرمایا ہے کہ ذمی (یعنی اھل کتاب) کا بیت المقدس پر وقف درست ہے کیونکہ بیت المقدس پر وقف ان کے یہاں بھی قربت خداوندی کا باعث ہے (جیسا کہ مسلمانوں کے نزدیک قربت ہے) اور ہمارے یہاں پر بھی غیر مسلموں کا حج وعمرہ پر وقف درست نہیں ہے کیونکہ حج وعمرہ صرف ہمارے یہاں باعث قربت ہے، نہ کہ ذمی اور غیر مسلموں کے یہاں۔[1]

ہمارے اس ملک میں ہندو بھائی بھی اپنے مندر کے ساتھ مسجد کو بھی احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، اس پر خرچ کرنے کو باعث قربت وثواب سمجھتے ہیں، لہذا مساجد میں ہندوؤں کا چندہ لینا جائز ہے چند شرطوں کیساتھ (۱)، پہلی شرط یہ ہے کہ وہ اس خرچ کرنے اور وقف کو قربت یعنی نیکی خیال کرتا ہو (۲) دوم یہ ہے کہ وہ چندہ اپنی رضامندی اور خوشی سے دے رہا ہو، اس کو کسی طرح جبر واکراہ نہ کیا گیا ہو، نہ اخلاقی دباؤ ہو اور نہ سیاسی وغیرہ مقاصد ہوں مثلاً مسجد کو چندہ دینے سے ہمیں الیکشن وغیرہ میں مسلمان کی حمایت حاصل ہوگی، (۳) سوم یہ ہے کہ اس بات کا بھی احتمال نہ ہو کہ وہ مسجد کو چندہ دے کر اپنی عبادت گاہوں کی تعمیر یا کسی پوجا کے موقع پر مسلمانوں سے تعاون کے طلب گار ہوں گے، کیونکہ مسلمان خدا کے ساتھ شرک کو باطل گناہ کبیرہ گمان کرتے ہیں اور غیر اسلامی عبادت گاہ کی تعمیر وترقی کیلئے چندہ دینا یا اس میں شرکت کرکے اس کا تعاون

---

[1] وقف الذمی ان یکون قربة عندنا وعندهم کالوقف علی الفقراء أوعلی مسجدالقدس (الفتاوی الشامی صـ ۵۲۴ جـ ٦)

کرنا مسلمانوں کے مسلمہ عقائد کے خلاف ہے جو سراسر کفریہ اعمال ہونے کی وجہ سے سلب ایمان کا خطرہ ہے (۴) چہارم یہ ہے کہ ان سے مسجد کی تعمیر میں چندہ لینے سے اس بات کا بھی اندیشہ نہ ہو کہ وہ آئندہ چل کر مسجد پر اپنا مالکانہ قبضہ کا دعوی کرے یا کسی طرح کا کوئی فتنہ کھڑا کرے جس سے مسجد کے وقار واحترام پر فرق پڑتا ہو تو ایسے لوگوں سے چندہ لینا جائز نہیں ہوگا لہٰذا ان سے چندہ کا مطالبہ نہ کیا جائے اور اگر چندہ دینے کی خود سے پیش کش کرے تو خوش اسلوبی اور حکمت کے ساتھ قبول کرنے سے معذرت کرلی جائے۔[1]

غیر مسلم کی زمین کی مٹی مسجد میں لگانا

غیر مسلم کی مٹی کا بھی وہی حکم ہے جو ان کے نقد رقوم کا ہے احتیاط اس میں ہے کہ وہ دے تو نہ لیا جائے اور اگر بے غرض ہو کر خود سے دے اور کسی طرح کا اندیشہ نہ ہو تو لیا جاسکتا ہے اور اگر اس نے اجازت نہیں دی ہے تو بغیر اجازت کے لینا حرام ہے مسجد میں ایسے مال سے اجتناب لازم ہے۔[2]

ہندوؤں کے مال کا مسجد میں لگانے کی شکل

اگر ہندوؤں کا مال حلال کمائی کا ہے سود وغیرہ کا اندیشہ نہیں ہے تو اس مال کے مسجد میں لگانے کی صورت یہ ہے کہ ہندو اس مال کا مالک کسی مسلمان کو بنادے پھر مسلمان اپنی طرف سے اسکو مسجد میں لگائیں بطور وقف کہ ان کی رقم مسجد میں نہیں لگائی جاسکتی۔[3]

ع[1] مستفاد قاموس الفقه صـ ۲۹۲ جـ۵ و کتاب الفتاوی صـ ۲۰۹ جـ۴)

ع[2] مستفاد فتاوی محمودیه صـ ۳۰۱ جـ۱۲)

ع[3] مستفاد امداد المفتین صـ ۷۹۸.

ہندو کا مصلیٰ مسجد میں استعمال کرنا

امدادالفتاوی میں ایک ہندو نے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے ایک استفسار کیا ہے میں بعینہ سوال و جواب کو نقل کرتا ہوں۔

سوال:۔ ہم ہندو ہیں ہم نے مسجد میں ایک مصلی دیا ہے وہ کچھ روز کے بعد ہم کو واپس ملا کیا وجہ ہے؟ ہم تو کسی قسم کی بدعت یا شرک نہیں کرتے ہمارا اصل حال تو خدائے وحدہ لاشریک جانتا ہے ہم سود بھی نہیں کھاتے، جب ہمارے خالق نے منع کیا ہے تو پھر کسطرح کھا سکتے ہیں آپ کو خداوند کریم اور حضرت رسول اللہ ﷺ کا واسطہ دیتا ہوں کہ جواب ضرور دیں۔

جواب:۔ ہندو ہونا صحت وقف سے مانع نہیں اور اگر آیت ماکان للمشرکین سے شبہ ہو تو اس کی تفسیر (بیان القرآن) کے ملاحظہ سے رفع ہوسکتا ہے، البتہ جہاں احتمال احسان جتانے کا ہو وہاں یہ عارض مانع اجازت ہوگا، لیکن صورت مذکورہ میں قرائن سے اس کا بھی احتمال نہیں (وھی قولہ ہم کسی قسم کی بدعت یا شرک نہیں کرتے) یہ جملہ بتا رہا ہے کہ وہ توحید کا قائل ہے (وقولہ ہم سود بھی الی قولہ منع کیا ہے) معلوم ہوا کہ وہ حقیقت قرآن کے بھی معتقد ہے (وقولہ آپ کو خداوند کریم اور حضرت محمد ﷺ الخ) اس سے معلوم کہ وہ رسالت کا بھی معتقد ہے (قولہ ہمارا اصل حال) اس سے معلوم ہوا کہ وہ محب اسلام بھی ہے۔ پس یہاں کوئی مانع نہیں تو ایسے شخص کی شطرنجی مسجد کیلئے لے لی جائے تو کچھ حرج نہیں ہے اور اگر کسی خاص مسجد والے نہ لیں تو دوسری مسجد میں دیدینا چاہئے، اگر کہیں قبول نہ ہو تو یہاں بھیج دی جائے مسجد میں بچھا دی جائے گی۔[1]

ع[1] (امدادالفتاوی صـ ۶۶۳ جـ ۲)

بحالت کفر کمایا ہوا پیسہ مسجد یا مدرسہ یا کسی کارِ خیر میں صرف کرنا

اگر کوئی نومسلم بحالت کفر وشرک کا کمایا ہوا مال اپنے ساتھ لے کر اسلام قبول کرے تو ایسے مال کی دو صورتیں ہیں۔

اول یہ ہے کہ بعض پیسے ایسے ہوتے ہیں کہ وہ کسی مذہب میں جائز وحلال نہیں ہوتے ہیں ان پر کسی مذہب میں صحیح ملکیت قائم نہیں ہوتی، جیسے چوری، ڈاکہ اور غصب شدہ پیسہ وغیرہ۔ تو ایسے مال کا حکم یہ ہے کہ اس مال کو اصل مالک تک کسی طرح پہنچادے، اور اگر مالک تک پہنچانا مشکل ہو مثلاً مالک وفات پاچکا ہے یا ایسی جگہ ہے جہاں کا پتہ معلوم نہیں اور مالک ثواب پانے کا اہل ہے یعنی وہ مسلمان ہے تو اس کو ثواب پہنچانے کی نیت سے صدقہ کردے۔

اور اگر اس کا علم نہ ہوسکے کہ مالک مال مسلمان ہے یا غیر مسلم تو ایسی صورت میں اس مال کے وبال سے بچنے کیلئے بغیر صدقہ کی نیت کے غرباء ومساکین کو دے کر اپنی جان چھڑالے۔

بعض مال ایسے ہوتے ہیں کہ مسلمان کیلئے شرعاً حلال وجائز نہیں ہوتے اور غیر مسلم کیلئے حلال وجائز ہوتے ہیں اور غیر مسلم اس کا مالک بملک صحیح ہوجاتا ہے، جیسے شراب اور خنزیر کی خرید وفروخت سے کمایا ہوا پیسہ اور گانے بجانے کے پیشہ اختیار کرکے کمایا ہوا پیسہ وغیرہ، تو ایسے مال کا حکم یہ ہے کہ اس پیسہ کا حالت اسلام میں بھی ملکیت صحیح کے ساتھ مالک رہے گا جس طرح چاہے اسے صرف کرے جائز ہے۔

لہٰذا ان پیسوں کو کارِ خیر مسجد اور مدرسہ اور دیگر رفاہ عام میں خرچ کرسکتے ہیں جس طرح کہ حالت اسلام میں حلال طریقہ سے کمائے ہوئے روپے کو خرچ کیا جاتا ہے۔[1]

ع[1] مستفاد نظام الفتاوی صـ ۳۲۲ جـ ۱

حرام مال مسجد میں لگانا ناجائز ہے

اسلام کی حالت میں حرام طریقہ سے کمایا ہوا مال مثلاً سودی لین دین سے یا زناوغیرہ کے ذریعہ طوائف کا کمایا ہوا مال، بلیک میل کے ذریعہ کمایا ہوا مال، گانے بجانے کے ذریعہ کمایا ہوا مال، وراثت میں سودی کاروبار کے ذریعہ حاصل شدہ مال، چوری اور ڈاکہ زنی کے ذریعہ کمایا ہوا مال وغیرہ ذلک، ان تمام اموال کا مسجد میں لگانا جائز نہیں ہے اور ایسی رقم سے بنی ہوئی مسجد میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔

مگر جب کہ ان رقوم سے ایسے پیشہ وروں نے مسجد تعمیر کردی ہے تو اس کا احترام مسجد ہی جیسا کرنا ہوگا اس کی بے حرمتی جائز نہیں ہوگی۔[1]

حرام مال سے بنے ہوئے مکانوں میں نماز

زمین اگر حلال کمائی کی ہو مگر اس میں جو مکانات تعمیر کئے گئے ہیں وہ حرام پیسے سے بنے ہیں تو ایسے مکانات میں نماز پڑھنا مکروہ ہے، نیز جہاں تک اس تعمیر کا اس زمین میں اثر ہے وہاں تک بھی نماز مکروہ ہے اور جو حصہ زمین کا تعمیر کے اثر سے ہٹا ہے وہاں نماز صحیح ہے۔[2]

مسجد کو مدرسہ بنانا یا دینی تعلیم دینا

جب مسجد بن جائے پھر کسی بھی وجہ سے اس کو دوسرے کام میں استعمال کرنا اور مسجد چھوڑ کر مدرسہ وغیرہ میں منتقل کرنا درست نہیں ہے، اور اگر مسجد باقی رکھتے ہوئے مسجد ہی میں دینی تعلیم کو جائز قرار دیا جائے تو واقف یا مسجد متولی اور کمیٹی کی اجازت سے جائز ہوگی بشرطیکہ مصالح مسجد میں کوئی خلل نہ ہو اور نہ اداب مسجد میں کوئی فرق آتا ہو،

ع[1] فتاوی محمودیہ مختلف جلدوں کے مختلف صفحات سے اقتباس

ع[2] فتاوی رشیدیہ ص۔۵۴۲)

مثلاً گندے پیر مسجد میں آنا یا معلم کا کڑک الفاظ میں ڈانٹنا وغیرہ نہ ہونا چاہئے خاص کر چھوٹے بچوں کو جو پاکی وناپاکی کا خیال نہیں کرتے ہیں مسجد میں تعلیم نہیں دینا چاہئے۔ صحن مسجد بھی مسجد ہی کے حکم میں ہے لہٰذا وہاں احتیاط کرنا چاہئے۔

نیز مسجد میں نماز کے اوقات متعین ہیں تو وہاں نماز کے اوقات میں تعلیم نہیں ہونی چاہئے کہ نمازیوں کو خلل ہو۔[1]

ابتداء ہی سے مسجد کے اوپر دوسری تعمیر کی نیت

کسی واقف نے زمین وقف کرتے وقت اجازت دیدی تھی کہ اس جگہ مسجد بنانا چاہئے اوپر منزل پر یا نیچے یا وسط میں یا ایک طرف اور باقی مدرسہ یا دکان یا مکان کمپنی وغیرہ تو جائز ہے اسی طرح متولی اور کمیٹی زمین خرید کر ابتداء میں کچھ اس طرح کی تجویز پاس کرے کہ نیچے مسجد اوپر مکان وغیرہ یا اسکے برعکس تو جائز ہے۔

اور اگر مسجد پرانی بنی ہے تو پھر اس پر دوسری چیز اور دوسرے غرض سے کوئی اور تعمیر نہیں ہوگی، اسی طرح مسجد توڑ کر از سر نو تعمیر کی جارہی ہے تو اس کا بھی یہی حکم ہے کہ اس پوری جگہ پر مسجد رہے گی، نیچے اوپر مکان وغیرہ یا اس کے برعکس جائز نہیں۔[2]

ع[1] لو علم الصبیان القرآن فی المسجد لایجوز ویاثم واماالصبیان فقدقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم جنبوا مساجدکم صبیانکم ومجانینکم وشرائکم وبیعکم وخصوماتکم ورفع اصواتکم واقامۃ حدودکم وسل سیوفکم واتخذوا علی ابوابہا المطاہر وجمروہا فی الجمع (سنن ابن ماجہ) یحرم ادخال صبیان ومجانین حیث غلب تنجیسہم والافیکرہ (درمختار مع شامی مطلب فی احکام المسجد (ص ۴۲۹ ج ۲)

ع[2] مستفاد کفایت المفتاوی ص ۲۲۲، ۲۲۳ ج)

مسجد کی تعمیر کیلئے چندہ

مسجد اللہ کا گھر دنیا کی مقدس جگہ ہے اس کی تعمیر مسلمان کا اہم فریضہ ہے مساجد کی تعمیر مسلمان کی شان اوران کا شعار ہے کافر مشرک کی عادت نہیں ہے کہ وہ مسجدوں کی تعمیر کریں، آیت کریمہ ہے (ما کان للمشرکین ان یعمروا مساجد الله) کہ مشرکوں کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ وہ مسجدوں کی تعمیر اللہ کی رضاء کیلئے کریں، وہ تو دنیاوی اغراض، ومقاصد کے پیش نظر مسجدوں کی تعمیر کریں گے، یہ تو مسلمانوں ہی کا طریقہ ہے کہ وہ اللہ کی رضاجوئی کیلئے اللہ کا گھر بناتے ہیں۔

لہذا مسجد کی تعمیر اپنے نجی پیسے سے لوگوں کو کرنا چاہئے جہاں تک ہو سکے واقف خود اپنی رقم سے مسجد کی تعمیر کریں، اگر اس سے پورا نہ ہو تو مقامی چندہ سے تعمیر کو تکمیل تک پہنچانا چاہئے اگر مقامی چندہ سے بھی ضرورت پوری نہ ہوتی ہو تو بیرونی چندہ کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، اس کے لئے خود بھی کوشش کرنی چاہئے اور لوگوں سے بھی کہنا چاہئے چندہ کرنے میں کسی طرح کی کوئی عار وشرم محسوس نہ کریں (من بنی مسجدا لله بنی الله له بیتا فی الجنة) کا مصداق چندہ کر کے مسجد کی تعمیر کرنے والے بھی ہیں۔[1]

---

[1] وفی الاصل الحاکم لایجعل القیم من الاجانب مادام من اهل بیت الواقف من یصلح لذلک (الفتاوی الهندیه کتاب الکراهیة الباب الخامس فی ولایة الوقف صـ ۴۱۲ جـ ۲)

رجل بنی مسجدا لله تعالیٰ فهو احق الناس بمرمته وعمارته وسبط البواری والحصر والقنادیل والاذان والامامة والاقامة کان اهلا لذلک فان لم یکن فالرای فی ذلک الیه (الفتاوی الهندیه کتاب الصلوة فصل کره غلق المسجد صـ ۱۱۰ جـ ۱)

مسجد کی تعمیر میں زکوۃ کا مال صرف کرنا

مسجد کی تعمیر میں خالص للّٰہ اورامداد کی رقم لگانی چاہئے ،زکوۃ ،صدقات ، چرم قربانی، کفارہ ،اور نذر کی رقومات کو مسجد میں لگانا جائز نہیں ہے اس سے زکوۃ کی ادائیگی نہیں ہوگی۔

حیلہ: فتاوی عالمگیری میں مسجد کی تعمیر میں زکوۃ کی رقم صرف کرنے کا ایک حیلہ تحریر کیا گیا ہے کہ متولی اس زکوۃ کی رقم کو پہلے فقیروں پر صدقہ کردے،اور فقیر اس پر قبضہ کر کے اپنی ملکیت میں لے لے پھر فقیر لوگ اس رقم کو بطور ھبہ کے متولی کے حوالہ کردے تو اب متولی کیلئے ان رقوم کو مسجد کی تعمیر میں لگانا درست ہو جائے گا۔[1]

مسجد و مدرسہ دونوں کا مشترکہ چندہ کرنا

کوئی مسجد مدرسہ کی ہے یا مسجد کے تحت مدرسہ بھی قائم کرنا ہے یا پہلے سے اس مسجد میں مدرسہ چل رہا ہے، دونوں کا چندہ مشترکہ کیا جاتا ہے،تو صاف صاف اعلان کردیا جائے یا چندہ دینے والے کے سامنے واضح کردی جائے کہ ان رقوم کو ہم موقع مناسب کے لحاظ سے مدرسہ اور مسجد کی تعمیر میں صرف کیا کریں گے اس پر چندہ دینے والے نے رضامندی ظاہر کردی تو پھر اسطرح مشترکہ چندہ کرنا اور مشترکہ خرچ کرنا بھی جائز ہے۔

اور اگر چندہ دینے والے نے عام خرچ کرنے کی اجازت نہیں دی یا کسی ایک چیز کیلئے خاص طور سے چندہ کیا گیا تو جس چیز کیلئے چندہ ہوا ہے اسی میں صرف کیا جائے

ع[1] وکذالک من علیه الزکوة لواراد صرفها الی بناء المسجد اوالقنطرة ثم الفقراء لایجوز فان اراد الحیلة فالحیلة ان یتصدق به المتولی علی الفقراء یدفعونه الی المتولی ثم المتولی یصرف الی ذلک کذافی الذخیرة (الفتاوی الهندیه الباب الثانی عشر فی الرباطات الخ ص۴۷۳ ج۲)

ایک چندہ دوسری چیز میں صرف نہ کیا جائے [1]

مسجد کی تعمیر اور دیگر اخراجات میں مال کا خرچ کرنا بڑی سعادت ہے لوگوں کو اپنی ضرورت سمجھ کر خوش دلی سے چندہ دینا چاہئے اور چندہ وصول کرنے والے کو بھی خوشی سے لینا چاہئے بعض گاؤں میں جب لوگ مسجد کی تعمیر کیلئے ٹھان لیتے ہیں تو لوگوں پر ایک مقدار متعینہ باندھ دیا جاتا ہے کہ اتنی رقم آپ پر لگائی گئی ہے دینا لازمی قرار دیا نہ دینے پر اس کا گاؤں سے بائیکاٹ کیا جاتا ہے، اس کی خوشی اور غمی میں لوگ شریک نہیں ہوتے ہیں، تو شریعت اسلامیہ میں جبراً چندہ لینے دینے کا کوئی ثبوت نہیں ہے، اس طرح جبر و اکراہ کرنے والے لوگوں کو توبہ کرنی چاہئے اور اس طرح جبراً چندہ کی رقم کو مسجد میں لگانا بھی درست نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاک مال کو ہی قبول کرتا ہے۔

لہذا جس سے جبراً چندہ لے لیا گیا اس کو راضی کرلیا جائے یا اس کا چندہ واپس کردیا جائے بغیر چندہ دینے والے کی رضامندی کے مسجد میں لگانا درست نہیں ہے۔ [2]

ع[1] اما اذا اختلف الواقف او اتحد الواقف واختلفت الجهة بان بنی مدرسة ومسجدا وعین لکل وقفا وفضل من غلة احدهما لایبدل شرط الواقف وکذا اذا اختلف الواقف لا الجهة یتبع شرط الواقف...... هذا هو الحاصل من الفتاوی وقد علم منه انه لایجوز المتولی الشیخونیة بالقاهرة صرف احد الوقفین للاخر (البحر الرائق کتاب الوقف صـ۳۶۲ جـ ۵)

ع[2] لان الله تبارک وتعالیٰ لایقبل الا الطیب فیکره تلویث بیته بما لایقبله شرنبلالیة (شامی صـ۶۸۸ جـ۲) اذ لایجوز لاحد من المسلمین اخذ مال احد بغیر سبب شرعی (الفتاوی الشامی کتاب الحدود باب حد القذف مطلب فی التعزیر باخذه المال صـ۱۰۵ جـ۶)

حضرت ابوحرہ الرقاشی اپنے چچا صحابی رسولؐ سے روایت کرتے ہیں کہ حضورﷺ نے فرمایا الالاتظلموا الالایحل مال امری الابطیب نفس منه. خبردار: تم لوگ آپس میں ایک دوسرے کا مال لے کر ظلم مت کیا کرو، خبردار: اللہ تعالیٰ کسی کے مال کو بغیر اس کی رضا مندی کے قبول ہی نہیں کرتا ہے۔[1]

چندہ کی رقم یا اشیاء وقف نہیں ہوتی ہے

علیحدہ علیحدہ منفرد منفرد لوگوں سے متفرق طور سے کیا ہوا چندہ وقف نہیں ہوتا ہے، معطیین یعنی چندہ دھندگان کا مملوک ہوتا ہے اهل چندہ کی ملکیت سے خارج نہیں ہوتا ہے، اسلئے اس کو جائداد موقوفہ میں شامل نہیں کیا جا سکتا ہے، البتہ اگر اس چندہ سے کوئی شی ء قابل وقف خرید کر مسجد میں وقف کر دی جائے تو وہ شی ء وقف ہو جائے گی۔[2]

مسجد کیلئے چندہ دیکر واپس لینا

جب متفرق طور سے لوگوں نے چندہ جمع کیا اور کچھ سامان بھی تعمیر کیلئے خریدا گیا تو اب چندہ دینے والوں کا متولی مسجد سے یا چندہ وصول کرنے والے سے اس کی واپسی کا مطالبہ کرنا جائز نہیں اور متولی مسجد کو بھی واپس کرنے کا حق نہیں ہے۔[3]

چندہ کی رقم کسی کو قرض دینا جائز نہیں ہے

مسجد و مدرسہ اور دیگر کار خیر کیلے چندہ کی رقم متولی مسجد یا مہتمم مدرسہ کے پاس جمع کی جاتی ہے وہ سب ان کے پاس بطور امانت کے ہوتی ہے وقتی طور سے بھی اپنے کام میں استعمال کرے یا کسی کو قرض دے ان کو صرف چندہ کے مصرف میں خرچ کرنے کا حق ہے ناحق صرف کرنے پر وہ ضامن ہوگا۔[4]

ع[1] مشکوۃ المصابیح کتاب البیوع باب الغصب والعاریة صـ۲۵۵ جـ۱)

ع[2] رجل اعطی درهما فی عمارة المسجد اونفقة المسجد اومصالح

المسجد صح لانہ وان کان لایمکن تصحیحہ تملیکا بالھبۃ للمسجد فاثبات الملک للمسجد ھذاالوجہ صحیح فیتم بالقبض کذا فی الواقعات الحسامیۃ (الفتاوی الھندیہ کتاب الوقف صـ۴۶۰جـ۲)

ع۳ الصدقۃ کالھبۃ لاتصح الابالقبض ولارجوع فی الصدقۃ لان المقصود وھوالثواب وقد حصل (ھدایہ صـ۲۹۳جـ۳)

ع۴ لیس للمتولی ایداع مال الوقف والمسجد الامن فی عیالہ لااقرضہ فلواقرضہ ضمن وکذاالمستقرض (البحرالرائق کتاب الوقف صـ۴۰۱جـ۵)

عیدگاہ کے مسائل

عیدگاہ بحکم مسجد ہے یا نہیں

عیدگاہ کا تمام احکام میں بحکم مسجد ہونا مختلف فیہ ہے، شامی کی عبارت سے جمیع احکام میں بحکم مسجد ہونا معلوم ہوتا ہے، لیکن فقہاء کی عبارتوں سے یہ بھی بات واضح ہوتی ہے کہ تمام احکام میں اکثر علماء کے نزدیک عیدگاہ اور (مصلی الجنازہ) جنازہ کی نماز کی متعینہ جگہ مسجد کے حکم میں نہیں ہے لوگوں کے صفوف علیحدہ علیحدہ ہوں تو امام کی اقتداء کے جواز میں یہ دونوں مسجد کے حکم میں ہے، دوسری چیزوں میں نہیں ہے، مثلاً اجنبی اور حائضہ کا مسجد سے گزرنا جائز نہیں ہے، عیدگاہ اور جنازہ گاہ سے ان لوگوں کا گزرنا جائز ہے، اسی طرح دنیاوی باتیں کرنا مسجدوں میں ناجائز ہے، یہاں وہ حکم نہیں ہے ضروریات کی باتیں کر سکتے ہیں۔[1]

ع[1] قال فی شرح التنویر واما المتخذلصلوة جنازة اوعید فهو مسجد فی حق جواز الاقتداء وان انفصل الصفوف رفقاً بالناس لافی حق غیره به یفتی. نهایة ...... وفی الشاطبیة ...... (قوله به یفتی نهایه) عبارة النهایة والمختار للفتوی انه مسجد فی حق جواز لاقتداء الخ وبعد سطرین ومقابل هذالمختار ماصححه فی المحیط فی مصلی الجنازة انه لیس له حکم المسجد اصلا وماصححه تاج الشریعة ان مصلی العید له حکم المساجد وتمامه فی الشرنبلالیة (الدر مع الشامی المختارص ۴۳۰ جـ۲) وایضاً فی کتاب الوقف (قوله والمصلی) شمل الجنازة ومصلی العید قال بعضهم یکون مسجدا حتی اذامات لایورث عنه وقال بعضهم هذا فی مصلی الجنازة امامصلی العید فلایکون مسجد امطلقا (بقیہ اگلے صفحہ پر)

اسی طرح جتنے اہتمام کے ساتھ مسجد کے احترام کا حکم ہے اتنا ان دنوں جگہوں کے متعلق اہتمام منقول نہیں ہے ان دونوں جگہ کا حکم فناء مسجد و مدرسہ جیسا ہے جو چیز فناء مسجد و مدرسہ میں جائز ہے وہ یہاں بھی جائز ہوں گی اور جو چیز فناء مسجد و مدرسہ میں ناجائز وہ یہاں بھی ناجائز ہے، البتہ پاک صاف رکھنے اور بے حرمتی سے ان جگہوں کو بھی بچانا چاہئے۔

آبادی والے عیدگاہ کے تنگ پڑ جانے کی وجہ سے آبادی سے باہر عیدگاہ بنانا

آبادی سے باہر عیدین کی نماز ادا کرنا افضل اور سنت ہے لیکن پرانی عیدگاہ مستقل وقف شدہ ہے تو اس کو بیچ بھی نہیں سکتے اور نہ بدل سکتے ہیں وقف ہونے کے بعد واقف کا بھی حق ختم ہوجاتا ہے اور جب ملک سے خارج ہے تو اس کی بیع کیسے ہو سکتی ہے، بیع تو ملکیت کی ہوتی ہے، لھٰذا صرف شہر کے اندر ہونے سے وہ عیدگاہ ہونے سے خارج نہیں ہوگی۔

البتہ پہلی عیدگاہ تنگ پڑ رہی ہے تو شہر سے باہر دوسری عیدگاہ بنانے کی ممانعت نہیں ہے، پہلی عیدگاہ کو ضعفاء و کمزوروں کیلئے رکھا جائے اور نئی عیدگاہ عام ہو، اسی طرح سارے لوگ متحد ہو کر نماز ایک جگہ پڑھیں یہ بھی تعلیم نبوی اور طریقہ سنت ہے، جونئ

(گذشتہ صفحہ کا بقیہ) وانمایعطی له حکم المسجد فی صحة الاقتداء بالامام وان کان منفصلا عن الصفوف وفیما سوی ذلک فلیس له حکم المسجد وقال بعضم یکون مسجدا حال اداء الصلوة لاغیر وهووالجنابة سواء ویجنب هذالمکان عما یجنب عنه المسجد احتیاطا اھ خانیه واسعاف والظاهر ترجیح الاول لانه فی الخانیة یقدم ا لأشهر (شامی ۵۴۴ جلد۲) (فتاوی رحیمیه صـ ۴۲۸ جـ ۱)

عیدگاہ میں نماز پڑھی جائے اور پرانی عیدگاہ کو جمیع مسلمان کے اتفاق سے پنجگانہ نماز کیلئے تجویز کرکے آباد کرلیا جائے، تو یہ صورت بہتر ہے، اور اگر اس کی ضرورت نہیں ہے تو دینی مدرسہ ومکتب بھی قائم کرسکتے ہیں تا کہ آباد رہے اور اگر اس کی بھی ضرورت نہیں تو باہمی مشورہ سے پرانی عیدگاہ کو کھیتی کرکے یا باغ لگا کر آباد رکھا جائے اور اس کی آمدنی کو جدید عیدگاہ پہنچایا جائے۔[1]

عیدگاہ کو دومنزلہ بنانا

نماز عیدین آبادی سے باہر کھلی (غیر مسقف) میدان میں ادا کرنا مسنون ومستحب ہے، اس میں شوکت اسلام کا مظاہرہ ہے، مگر عیدگاہ وسط شہر میں آنے کی وجہ سے تنگ ہوگئی ہو سہولت اور سستے میں زمین کی مزید فراہمی مشکل ہو تو دومنزلہ بھی بنا سکتے ہیں۔[2]

ع[1] فاذا تم ولزم لایملک ولایملک ولایعار ولایرھن (درمختار) قوله لایملک) ای لایکون مملوکا لصاحبه (ولایملک) ای لایقبل التملیک لغیره بالبیع ونحوه لاستحالة تملیک الخارج عن ملکه(شامی صـ۵۳۹ جـ٦) وفی الخلاصة والخانیة السنة ان یخرج الامام الی الجبانة ویستخلف غیره لیصلی فی المصر بالضعفاء وبناء علی ان صلوة العیدین فی موضعین جائزة بالاتفاق وان لم یستخلف فله ذلک (الشامی صـ۱۴۴، ۱۴۵ جـ۲) رباط استغنی عنه اعارة وبجنبه رباط آخر قال السید الامام ابواشجاع تصرف غلته الی الرباط الثانی(شامی صـ۴۳۹، جـ۳)

عـ۲ وان اراد قیم الوقف ان یبنی فی الارض الموقوفة بیوتا یستغلها بالاجارة لایکون له ذلک لان استغلال ارض الوقف یکون بالزرع (فتاوی قاضی خان علی ھامش عالمگیری(صـ۳۰۰جـ۳)

عیدگاہ کی فاضل زمین پر مدرسہ بنانا

عیدگاہ کی زمین بہت وسیع ہے تمام جگہوں میں نمازی نہ تو فی الوقت پورے ہو پاتے ہیں اور نہ مستقبل قریب میں عیدگاہ کے میدان کے پر ہونے کی امید ہے، اس میں سے بعض حصہ میں کاشت کیا جاتا ہو یا بعض حصہ میں کھیل کود ہوتا ہو، یا یوں ہی پڑا ہے جبکہ قریب میں مدرسہ کی سخت ضرورت ہے یا اس پر ازسرنو مدرسہ وغیرہ کی تعمیر ہو جس سے عامۃ المسلمین کو فائدہ پہونچے۔

تو اس سلسلے میں شریعت کا حکم بالکل واضح ہے کہ عیدگاہ کی زمین میں مدرسہ بنانا کسی صورت میں درست نہیں ہے کیونکہ عیدگاہ کی اراضی عیدگاہ کیلئے وقف ہے اور شروط واقف کے خلاف کرنا اور جہت وقف کا بدلنا خود واقف کیلئے بھی وقف تام ہونیکے بعد جائز نہیں ہے اور نہ کسی حاکم وقت اور متولی وقف کو اختیار ہے کہ جہت وقف کو تبدیل کرے اور اگر موقوف علیہ سے استغناء ہو جائے تو بھی وقف کی آمدنی موقوف علیہ کے مجانس اقرب پر صرف کی جائے گی، اس حالت میں بھی جہت وقف کا بدلنا جائز نہیں ہے۔[1]

ع[1] فان شرائط الوقف معتبرة اذالم تخالف الشرع وهومالک فله ان يجعل ماله حيث شاء مالم يكن معصية وله ان يخص صنفا من الفقراء ولوكان الوضع فی كلهم قربة (شامی صـ٥٢٧ جـ٦) وقال فی التنوير اتخذالوقف والجهة وقل مرسوم بعض الموقوف عليه جازللحاكم ان يصرف من فاضل الوقف الاخر عليه وان اختلف احدهما (شامی صـ٥٣٩ جـ٦) لايجوزله ان يفعل الاماشرط وقت العقد وماكان من شرط معتبر فی الوقف فليس للواقف تغييره ولاتخصيصه بعد تقرره ولاسيما بعدالحكم الخ (شامی صـ٦٨٥ جـ٦) ان السلطان يجوز له مخالفة الشرط (الی ان قال) وان غاير شرط الواقف لان اصلها لبيت المال...... قلت والمراد من عدم مراعاة شرطها ان للامام اونائبه ان يزيد فيها وينقص ونحوذلک وليس المراد انه يصرفها عن الجهة المعينة الخ (شامی صـ٥٧٩ جـ٣) ماخوذ احسن الفتاوی صـ٦٥٤ تا ٦٥٥ جـ٦)

عیدگاہ میں نماز جنازہ جائز ہے

احسن الفتاوی میں ہے کہ جس جگہ نہ پنج وقتہ نماز ہوتی ہو اور نہ جمعہ صرف عیدین کی نماز ہوتی ہو تو ایسی جگہ گاہے بگاہے جنازہ کی نماز درست ہے مستقل نہیں پڑھنی چاہئے تاکہ واقف کے شرائط کے خلاف لازم نہ آئے ۔[1]

عیدگاہ کو اپنا کھیت اور اپنی جاگیر سمجھنا

نماز عید کے لئے زمین بہت پہلے سے وقف ہے اور لوگ تسلسل کے ساتھ اس میں عیدین کی نماز ادا کرتے ہیں، مگر وقف کنندہ کی اولاد اس زمین کو اپنی ملکیت میں ہی سمجھتی ہے، جب جب چاہے اور بار بار اس کا اظہار بھی کیا جاتا ہے کہ یہ ہماری جائداد ہے اور ہمارے آباؤاجداد نے دی ہے ہم جب چاہیں اس کو لے سکتے ہیں تو ایسا کرنا اور کہنا ناجائز ہے وقف کرنے کے بعد یا عیدین کی نماز کیلئے الاٹ کر دینے اور لوگوں کو عام اجازت دینے کے بعد واقف کو بھی حق نہیں ہے کہ وہ زمین کو واپس لے تو اولاد کو بدرجہ اولی حق نہیں ہوگا کہ وہ زمین واپس کرلے اور اگر لے لیگی تو غصب ہوگا اور سخت گنہگار ہوں گی ۔[2]

عیدگاہ تعمیر کرنے والے کا اپنے نام کا کتبہ لگانا

عیدگاہ تعمیر کرنے والے کا اس شرط پر تعمیر کرنا کہ ہمارے نام کا کتبہ لگایا جائے

ع[1] (احسن الفتاوی صـ ۲۱٦ جـ ۴)

ع[2] اذا صح الوقف لم یجز بیعه ولاتملیکه (الهدایه کتاب الوقف صـ ٦۴۰ جـ (۲) بحر الرائق صـ ۳۴۲ جـ ۵) عن سعید بن زید رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ من اخذ شبرا من الارض ظلما فانه یطوقه یوم القیامة من سبع ارضین متفق علیه (مشکوة المصابیح صـ ۲۵۴ باب الغصب والعاریة)

یہ اخلاص کے منافی ہے جو آخرت کے ثواب کو برباد کرنے کا باعث ہے اللہ کی رضا کیلئے کوئی کام کیا جائے، دین کا کام دنیاوی مفاد کیلئے کرنا درست نہیں ہے۔

حضرت شداد بن اوسؓ کی ایک روایت ہے کہ حضور و ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

من صلی یرائی فقد اشرك ومن صام یرائی فقداشرك ومن تصدق یرائی فقد یرائی فقداشرك راوه احمد ع۔ا	جو شخص نماز دکھلانے کیلئے پڑھتا ہے اس نے گویا شرک کا ارتکاب کیا اور جس نے روزہ ریاکاری کیلئے رکھا اس نے بھی شرک کیا اور جس نے اللہ کے راستے میں کوئی مال صدقہ کیا تا کہ لوگ اس کو سخی کہیں اور اس کی شہرت ہو تو اس نے بھی شرک کیا۔

عیدگاہ اوقاف عامہ میں سے ہے

واقف نے جب اپنی جائداد عیدگاہ کیلئے وقف کردی یا اپنی زمین میں لوگوں کو عیدین کی نماز ادا کرنے کی عام اجازت دیدی یا کسی طرح سے اس زمین کا عیدگاہ کیلئے وقف ہونا معلوم ہو جائے تو اس پر وقف کے سارے احکام جاری ہوں گے یعنی اس جائداد کو فروخت کرنا یا کسی کو ھبہ کرنا، یا واقف کی اولاد میں اس کی میراث کا جاری ہونا وغیرہ امور جو اوقاف کے منشا کے خلاف ہو درست نہیں ہے۔

اگر کسی غاصب نے اس پر جبراً قبضہ کرلیا ہے تو مسلمانوں کو حق ہے کہ اس کے قبضہ سے نکالیں اور وقف کے صحیح مصرف میں استعمال کریں غاصب کے قبضہ سے واپس لینے کے احکام اور اس کی تفصیل وقف کے بیان میں گزر چکی ہے۔

مزید برآں یہ ہے کہ غاصب کے قبضہ سے شیء موقوفہ کو نکالنے کے ساتھ گزشتہ زمانہ میں اس نے اس وقف سے جس قدر روپے اور دیگر منافع حاصل کئے ہیں

ع۔ا مشكوة المصابيح باب الريا والسمعة صـ۴۵۵ جـ ا)

وہ بھی واپس لئے جائیں گے، اور وقف کے مصارف میں خرچ کئے جائیں گے۔[۱]

ویران عیدگاہ میں مسجد یا مکان وغیرہ بنانا

ایک جگہ پہلے سے عیدگاہ کیلئے مقرر تھی مگر بعد میں اس قدیم جگہ کو چھوڑ کر نئی جگہ عیدگاہ مقرر ہوئی ہے تو پہلی جگہ کے متعلق تفصیل یہ ہے کہ اگر اس قدیم جگہ کو کسی نے وقف کیا تھا تو اس پر وقف کے احکام جاری ہوں گے۔

لھذا اس جگہ پر کوئی ایسا کام کرنا جو جہت وقف کے منافی ہو جیسے مکان بنانا یا کسی کا اپنا ذاتی کوئی کام کرنا صحیح نہیں ہے، اسی طرح واقف کے منشا کے خلاف دیگر اوقاف عامہ میں خرچ کرنا مثلاً سرائے اور مسافر خانہ بنانا وغیرہ درست نہیں ہوگا۔

البتہ اس پر مسجد بن سکتی ہے اگر وہاں مسجد کی ضرورت ہو اور مسجد کے بعد میں آباد ہونے کا امکان ہو نیز مسجد بننے کے بعد اس پر مسجد ہی کے احکام جاری ہوں گے اور مسجد کے سارے آداب واحترام کا لحاظ کرنا ضروری ہوگا۔[۲]

عیدگاہ ختم کر کے اسکول بنانا

ایک پرانی عیدگاہ ہے جو عالم گیر کے دور حکومت میں تعمیر ہوئی تھی (یا کسی قدیم شاہی زمانہ میں کسی نے وقف کیا تھا) اب اس کو منہدم کر کے اس اراضی پر مسلمان لوگ اسکول بنانا چاہتے ہیں تو نہیں بنا سکتے کیونکہ یہ غرض واقف کے خلاف ہے جب واقف نے اس کو عیدگاہ کیلئے وقف کیا تھا تو اب اس کے منشا کے خلاف کوئی کام کرنا درست نہیں ہے۔[۳]

عیدگاہ میں کھیلنا کودنا

عیدگاہ کا اگر چہ مسجد ہونے میں علماء کرام کا اختلاف ہے مگر تمام علماء کا اس

ع ۱ ع ۲ مستفاد كفايت المفتى صـ ۱۰۷ جـ ۷.

ع ۳ مستفاد فتاوى محموديه صـ ۳۰۷ جـ ۱۵ قديم

بات پر اتفاق ہے کہ عیدگاہ کا احترام اسی طرح ضروری ہے جیسا کہ مسجد کا احترام کرنا واجب ہے۔

لھذا عیدگاہ کے اندر کھیلنا کودنا، کرکٹ، بلے بازی، گیند، وغیرہ کھیلنا، درست نہیں ہے، اسی طرح عیدگاہ کے اندر شادی وغیرہ کے شامیانے قمقمے وغیرہ لگانا نمائش اور ناچ گانے کرنا وکروانا اس سے بڑھکر گناہ ہے عیدگاہ کو ہر طرح کی بے حرمتی سے بچانا لازم اور ضروری ہے، حضرات ذمہ داران کو اس پر خاص توجہ دینی کی ضرورت ہے، جہاں تک ممکن ہو سکے چہار دیواری وغیرہ کے ذریعے سے اس کی حفاظت کی کوششیں کریں۔[1]

ناجائز طریقہ سے مثلاً رھن سے حاصل شدہ زمین کو عیدگاہ بنانا

عیدگاہ کیلئے اراضی اور اس کی تعمیر میں صاف ستھری رقم خرچ کی جائے لہٰذا سودی پیسے سے یا کسی کی زمین غصب کرکے یا سرکاری زمین ہی کو غاصبانہ قبضہ کرکے اس پر عیدگاہ بنانا درست نہیں ہوگا۔

اسی طرح سے کسی نے ایک متعینہ وقت کیلئے ایک زمین بیچی جب واپسی کا وقت آیا تو مشتری نے اس پر عیدگاہ بنادی تو عیدگاہ بنانا شرعاً درست نہیں ہے حضرت فقیہ الامت مفتی محمود صاحب گنگوہیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ ایسی بیع شرعاً رھن کے حکم میں نہیں ہے اس سے انتفاع ناجائز ہے اس کا وقف کرنا اور عیدگاہ بنانا بھی درست نہیں ہے بلکہ اس کو واپس کرنا ضروری ہے۔[2]

ندی میں بہی ہوئی عیدگاہ کی زمین خریدنا

کسی شخص نے تقریباً پچاس سال قبل ندی کے کنارے عیدگاہ بنوائی تھی، اور

ع[1] مستفاد فتاوی محمودیه ۱۴۹ اجـ ۱۸ .

ع[2] مستفاد فتاوی محمودیه صـ ۱۰۳جـ ۱۵ .

خاتمہ زمیندار اور خاتمہ زمیندار کے وقت عیدگاہ والا قطعہ بہار سرکار میں لکھا گیا تھا اور عیدگاہ والا حصہ کٹ کٹ کر ندی میں بہہ گیا ایک عرصہ تک ندی کی شکل میں رہا بعد میں ندی سے نکل گیا مگر عیدگاہ کی کوئی نشانی باقی نہیں رہی۔

زید نے تمام زمین مع عیدگاہ والے حصہ کے بھی سرکار سے بندوبست کرالیا، تو کیا یہ بندوبست کرنا شرعاً درست ہوگا۔

اس سلسلہ میں حضرت مفتی محمود صاحب گنگوہی نوراللہ مرقدہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ ثابت ہوجائے کہ جو قطعہ زمین زید نے سلامی دیکر حاصل کی ہے، یہ وہی حصہ ہے جس پر عیدگاہ تھی تو زید کا اس کو آباد کرنا اور اس کی آمدنی حاصل کرنا درست نہیں ہے بلکہ اس کی آمدنی دوسری بنائی ہوئی عیدگاہ میں دے اور اس حاصل شدہ قطعہ پر دوبارہ پھر عیدگاہ بنائی جائے تاکہ واقف کی نیت پوری ہو۔

اور اگر متعین طور پر معلوم نہیں کہ یہ حاصل کردہ قطعہ زمین وہی ہے جس پر عیدگاہ تھی تو پھر زید کو اس کی آمدنی حاصل کرنا اور اس کا استعمال کرنا درست ہے۔[1]

عیدگاہ میں نماز جنازہ

جس عیدگاہ میں نہ پنج وقتہ نماز ہوتی ہو اور نہ جمعہ پڑھا جاتا ہو صرف عیدین کی نماز ادا کی جاتی ہو تو ایسے عیدگاہ میں نماز جنازہ پڑھنی درست ہے۔[2]

ع۱ مستفاد فتاوی محمودیہ صـ۱۴۹ جـ۱۸

ع۲ مستفاد احسن الفتاویٰ صـ۲۱۶ جـ۴

قبرستان کے مسائل

مقبرہ میں ایک آدمی بھی دفن ہو گیا تو وقف تام ہو جائے گا

کسی شخص نے اپنی زمین قبرستان کیلئے وقف کی تو وقف تام اس وقت ہوگا جبکہ اس میں مردہ دفن کرنے کی عام اجازت دیدے پس اگر ایک آدمی بھی اس زمین میں دفن کیا گیا تو وقف تام ہو جائیگا اور وقف کنندہ کی ملکیت زائل ہو جائے گی۔[1]

قبرستان کیلئے وقف شدہ زمین کے درخت کا حکم

کسی شخص نے اپنی نجی زمین قبرستان کیلئے وقف کی اور وقف کرنے سے پہلے اس زمین پر بہت سارے درخت لگے ہوئے ہیں تو فقیہ ابوجعفر کے قول کے مطابق درختوں کا وقف صحیح نہیں ہوگا، صرف زمین قبرستان کیلئے وقف ہوگی اور درخت واقف کی ملک میں باقی رہیں گے اور وقف کنندہ کی وفات کے بعد اس کے ورثاء میں بطور میراث تقسیم ہوں گے۔[2]

گاؤں کے بعض انسان نے قبرستان میں مقبرہ کے منافع کیلئے مکان بنایا

گاؤں کے لوگوں کی زمین ہے، جنہوں نے قبرستان کے لئے وقف کیا ہے اور اس میں مردے دفن بھی کئے جانے لگے، پھر گاؤں کے ایک شخص نے اس مقبرہ میں کوئی عمارت بنائی تاکہ اس میں کچی اینٹیں اور قبر کی ضروریات کی اشیاء مثلاً

ع[1] ودفنوا فی المقبرة زال الملک ویکفی بالواحد لتعذر فعل الجنس کله وعلی هذا البکر الخ (عالمگیریه ص۴۶۵ ج۲)

ع[2] رجل جعل ارضه مقبرة وفیها اشجار عظیمة قال الفقیه ابو جعفر رحمة الله علیه وقف الاشجار لایصح فتکون الاشجار للواقف ولورثته ان مات (فتاوی قاضیخان علی هامش الفتاوی الهندیه ص۳۱۳ ج۳)

کھودنے کے آلات وغیرہ رکھے اوراس کی حفاظت کیلئے ایک شخص کونگراں متعین کر کے اس میں بیٹھا دیا۔ اور سارے کام گاؤں کے لوگوں یا بعض لوگوں کی رضامندی کے بغیر کیا ہے تو حضرات فقہاء نے فرمایا ہے کہ اگر مقبرہ میں وسعت ہو کہ لوگوں کو نکلنے اور دفن کرنے وغیرہ میں تنگی نہ ہوتی ہو تو اس مکان کے بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اور اگر عمارت بنانے سے لوگوں کو تنگی ہو رہی ہو اور مردوں کو دفن کرنے کی ضرورت محسوس کی جارہی ہو تو عمارت کو توڑ کر اس جگہ مردوں کو دفن کیا جائیگا۔[۱]

کسی شخص نے اپنی ذات کیلئے قبر کھود رکھی ہے تو اس میں دوسرے مردے کو دفن کرنا

کسی شخص نے عام قبرستان میں اپنے لئے قبر کھود کر رکھدی کہ مرؤنگا تو مجھے اس میں دفن کیا جائے، پھر کوئی شخص اس کھودے ہوئے قبر میں اپنے مردے کو دفن کرنا چاہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ اگر قبرستان میں دوسری جگہ دفن کرنے کی گنجائش ہے تو اس شخص کو متوحش نہ کیا جائے دوسری جگہ کھود کر اپنے مردے کو دفن کرے اور اگر دوسری جگہ گنجائش نہیں ہے تو اسی کھودی ہوئی قبر میں دفن کردے۔[۲]

ع[۱] ارض لاهل القرية بنى فيها بيتا لوضع اللبن واداوة القبر واجلس فيها من يحفظ المتاع بغير رضا اهل القرية او رضى بذلك بعضهم قالوا ان كان فى المقبرة سعة بحيث لايحتاج الى ذلك المكان لابأس به وبعد مابنى لواحتاجوا الى ذلك المكان رفع البناء حتى يقبر فيه (فتاوى قاضى خان على هامش الفتاوى الهنديه صـ۳۱۳ جـ۳)

ع[۲] رجل حفرلنفسه قبرا فى مقبرة هل يكون بغيره ان يقبر فيه ميته قالوا ان كان فى المقبرة سعة فالمستحب ان لايوحش الذى حفر وان لم تكون فى المكان سعة كان لغيره ان يدفن منه (فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوى الهنديه صـ۳۱۳ جـ۳)

مشرکوں کے مقبرہ کومسلمانوں کا قبرستان بنانا

مشرکوں کا مقبرہ تھا اس کو مسلمانوں نے اپنا قبرستان بنانا چاہے تو اس کی دوصورت ہے (۱) مشرکین کے قبوراوران کے جسم کے نشانات مثلاً ہڈی وغیرہ باقی ہیں تو قبرستان نہیں بنایا جاسکتا ،البتہ ان مشرکوں کے قبور کو کھود کر ہڈیاں وغیرہ نکال کر باہر کردیئے جائیں اوران کے مسان کے سارے نشانات مٹادیئے جائیں تو مسلمانوں کا قبرستان بنانا درست ہے۔

(۲) مشرکوں کے مسان گھاٹ کو قبرستان بنانے کی دوسری صورت یہ ہے کہ ان کے قبروں کے سارے نشانات مٹ چکے ہیں تو ایسی جگہ کو علی الاطلاق مسلمانوں کا قبرستان بنانا درست ہے۔

تو اس سلسلے میں ہمارے لئے دلیل حضور ﷺ کا عمل موجود ہے کہ جہاں مسجد نبوی کی تعمیر ہوئی ہے وہاں پہلے مشرکوں کا مقبرہ تھا حضور ﷺ نے اسے کھدوا کر مسجد نبوی کی تعمیر کروادی۔[۱]

میت کودفن کرنے کے بعداس زمین میں غیر کا استحقاق ثابت ہوگیا

میت کو کسی مقبرہ میں دفن کردیا گیا دفن کے بعداس زمین میں غیر کا حق نکل گیا ۔مثلاً وہ زمین کسی کی غصب کی ہوئی تھی ،یا اس زمین کو خرید کر مردہ دفن کیا تھا مگر حق شفعہ

ع۔۱ مقبرۃ کانت للمشرکین ارادواان یجعلوھامقبرۃ للمسلمین فان کانت اثارھم قد اندرست فلاباس بذلک وان بقیت اثارھم بان بقی من عظامھم شیء ینبش ویقبر ثم یجعل مقبرۃ للمسلمین لان موضع مسجد رسول اللہ ﷺ فنبشت واتخذ ھا مسجدا کذافی المضمرات(الفتاوی الھندیہ ص۔۴۶۹ ج۔۲)

کی وجہ سے شفیع نے اس مقبرہ کو لے لیا یا میت کو دفن کرنے کے بعد پڑوس والے نے اس زمین کی پھر سے پیمائش کرائی تو اتفاق سے میت کی قبر دوسرے کی زمین میں چلی گئی وغیرہ ذلک۔

تو ان صورتوں میں مردوں کو نکالنے کا حکم یہ ہے کہ اگر تھوڑی مدت گزری ہو یعنی دفن کے بعد میت کے گل سڑ جانے کا احتمال نہ ہو یا میت کو صندوق میں دفن کیا گیا ہو اور صندوق صحیح سالم ہو تو لاش کو نکال کر زمین والے کی زمین فارغ کردی جائے گی، اور اگر مدت طویل ہو گئی ہو لاش کے سڑ جانے کا امکان ہے یا بغیر صندوق وغیرہ کے دفن کیا گیا ہو کہ اب نکالنا مشکل ہو تو ایسی صورت میں نکالنا درست نہیں ہے اور ہڈیوں کو نکال کر پھینکنے میں مسلم لاش کی توھین ہے۔[1]

خراجی زمین کو مقبرہ بنا دینے سے خراج ساقط ہو جائیگا

کسی شخص نے اپنی خراجی زمین کو مقبرہ بنا دیا کہ لوگ اس میں مردوں کو عام طور سے دفن کیا کریں یا سرائے بنا دیا کہ اس سے آمدنی آئے یا عام طور سے لوگ اس میں رہا کریں گے۔ تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس زمین کا خراج ساقط ہو جائیگا اور وہ زمین اراضی موقوفہ میں شامل ہو جائے گی۔[2]

ع۱ المیت بعد مادفن بمدة طویلة او قلیلة لایسع اخراجه من غیر عذر ویجوز اخراجه بالعذر والعذر ان یظهر ان الارض مغصوبة او اخذها الشفیع بالشفعة کذا فی الواقعات الحسامیة (الفتاوی الهندیه ص۴۷۰ ج۲)

ع۲ رجل جعل ارضه مقبرة اوخانا للغلة او مسکنا سقط الخراج عنها ان کانت خراجیة وقیل لایسقط والصحیح هوالاول (فتاوی قاضیخان علی هامش الفتاوی الهندیه ص۳۱۴ ج۳)

ویران مسجد کو مقبرہ بنانا درست نہیں

ایک ایسی غیر آباد مسجد ہے جس کے ارد گرد کے لوگ ختم ہو گئے یا کہیں چلے گئے اور مسجد کے ارد گرد کے ماحول خراب ہو گئے اور لوگ اس مسجد سے بے پرواہ ہو گئے تو اس مسجد کو قبرستان بنا دینا جائز ہے یا نہیں تو شمس الاسلام محمود اوزجندیؒ نے فرمایا مقبرہ بنانا درست نہیں وہ مسجد ہی رہے گی۔[1]

ویران قبرستان کو کسی کام میں استعمال کرنا

کسی ویران گاؤں میں قبرستان ویران پڑا ہے اور اس میں مردوں کا اثر ہڈی وغیرہ سب ختم ہو گئے ہیں مقبرہ کا کچھ نشان باقی نہیں رہا ہے تو اس جگہ کو جوتنا، بونا، یا کسی اور کام میں استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ فتاوی عالمگیری میں شمس الاسلام اوزجندیؒ ہی کا قول نقل فرمایا گیا کہ اس مقبرہ کو مذکورہ کسی کام میں استعمال کرنا درست نہیں ہے وہ مقبرہ ہی کے حکم میں رہے گا۔[2]

کسی عورت نے ایسی زمین کو مقبرہ بنایا جو مقبرہ کے لائق نہیں

ایک عورت نے اپنی زمین کا ایک حصہ قبرستان کیلئے وقف کر کے اپنے قبضہ سے نکال دیا پھر اس میں اپنے بیٹے کو دفن بھی کر دیا مگر وہ زمین مقبرہ کے لائق اس لئے نہیں ہے کہ اس کے ارد گرد پانی کا غلبہ ہونیکی وجہ سے مقبرہ میں تری پہونچ کر قبر کو خراب

ع[1] ع[2] سئل القاضی الامام شمس الائمة محمود اوزجندی عن مسجد لم یبق له قوم وخرب ماحوله واستغنی الناس عنه هل یجوز جعله مقبرة قال لاوسئل هوایضا عن المقبرة فی القریٰ اذااندرست ولم یبق فیها اثر الموتی لاالعظم ولاغیره هل یجوز زرعها واستغلالها قال لاولها حکم المقبرة کذا فی المحیط (الفتاوی الهندیه صـ ۴۷۰ جـ ۲)

کر دیتی ہے، اس وجہ سے عورت اس زمین کوفروخت کرنا چاہتی ہے تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس میں خرابی کے معمولی ہونے کی وجہ سے لوگوں نے اپنے مردوں کو دفن کرنا بالکل نہیں چھوڑا ہے تو اس کو فروخت نہیں کرسکتی اور اگر پانی کے اثر سے قبر میں غیر معمولی نقصان پہونچنے کی وجہ سے لوگوں نے مردوں کو دفن کرنا بالکل چھوڑ دیا ہے تو پھر یہ وقف کنندہ عورت اس زمین کوفروخت کرسکتی ہے۔

اور زمین کے خریدار کو حق حاصل ہوگا کہ اس زمین سے مردوں کو ہٹا دے یا لوگوں کو حکم کرے کہ مردوں کو یہاں سے منتقل کردے، اسی طرح اس عورت کو بھی حکم کرسکتا ہے کہ اپنے بیٹے کی لاش نکال کر لیجائے [۱]

صرف قبرستان کی صورت ہونا وقف کیلئے کافی نہیں

کسی جگہ قبرستان کی صورت ہو جہاں خاص لوگ اپنے مردے کو دفن کرتے ہوں عام طور پر اموات کو دفن کرنے سے روکا جاتا ہو تو ایسی جگہ کا وقف ہونا صرف خاص لوگوں کے مردے کے دفن ہونے سے تام نہیں ہوگا۔

ع[۱] امرأة جعلت قطعة ارض لها مقبرة واخرجتها من يدها ودفنت فيها ابنها وتلك القطعة لاتصلح للمقبرة لغلبة الماء عندها فيصيبها فساد فارادت بيعها ان كانت الارض بحال لايرغب الناس عن دفن الموتى لقلة الفساد ليس لها البيع وان كانت يرغب الناس عن دفن الموتى فيها لكثرة الفساد فلها البيع فاذا باعتها فللمشترى ان يأمر ها برفع ابنها عنها كذافى المضمرات ناقلا عن الكبرىٰ (عالمگیری صـ ۴۷۱ جـ ۲) قال الفقيه ابوجعفر ...... واذاباعت كان للمشترى ان يرفع الميت عنها اويأمر برفع الميت عنها (فتاوى قاضى خاں على هامش الهنديه صـ ۳۱۳، ۳۱۴ جـ ۳)

ممکن ہے کہ اس زمین پر ان لوگوں کی ملکیت ہو جو اپنے اموات کو خاص کر دفن کرتے ہیں یا مالکان زمین بمعاوضہ یا بلا معاوضہ کبھی کبھار کچھ مصلحتوں کی وجہ سے دیگر اموات کو دفن کرنے کی اجازت دیتے ہوں۔ البتہ یہ بات پائے ثبوت کو پہونچ جائے کہ یہ عام قبرستان ہے قدیم زمانہ سے لوگ عام طور سے اپنے اپنے اموات کو بلا روک ٹوک دفن کرتے ہیں تو اس قبرستان کے وقف ہونے کیلئے اتنا ثبوت کافی ہے۔[۱]

کسی کی زمین میں بغیر اس کی اجازت کے مردہ دفن کر دیا گیا

کسی شخص کی اپنی مملوکہ زمین ہے دوسرے شخص نے مالک کی اجازت کے بغیر اس زمین میں اپنی میت کو دفن کر دیا تو مالک زمین کو اختیار ہے کہ چاہے تو اس پر راضی ہو جائے اور میت کو اکھاڑنے پر مجبور نہ کرے اور چاہے تو میت کو نکالنے کا حکم کرے اگر میت کو نہ اکھاڑا تو مالک چاہے تو زمین کو برابر کر کے اس پر کھیتی کرے۔[۲]

عام قبرستان میں ایک کی کھودی ہوئی قبر میں دوسرے نے دفن کر دیا

کسی شخص نے ایک قبر کھودی ایسے قبرستان میں جس میں اس کو اپنے لئے کھودنا جائز تھا، پھر اس کھودی ہوئی قبر میں کسی دوسرے شخص نے اپنا مردہ دفن کر دیا تو اس دوسرے میت کو قبر سے نہیں اکھاڑا جائیگا، مگر یہ دوسرا شخص پہلے شخص کے کھودنے کی قیمت یعنی اجرت کا ضامن ہوگا، اس شکل میں دونوں کا حق محفوظ ہو گیا۔[۳]

ع۔۱ مستفاد کفایت المفتی صـ ۲۲۸ جـ ۷)

ع۔۲ میت دفن فی ارض انسان بغیر اذن مالکها کان المالک بالخیار ان شاء رضی بذلک وان شاء امر باخراج المیت وان شاء سوّی الارض وزرع فوقها (الفتاوی الهندیه صـ ۴۷۲ جـ ۲)

ع۔۳ واذا حفر الرجل قبرا فی المقبرة التی یباح له الحفر فدفن فیه غیره میتا لاینبش القبر ولکن یضمن قیمة حفره لیکون جمعا بین الحقین کذا فی خزانة المفتین (الفتاوی الهندیه صـ ۴۷۲ جـ ۲)

معاوضہ لے کر مردوں کودفن کرنے سے زمین کا مالک کون ہوگا

ایک شخص اپنی مملوکہ زمین لوگوں سے معاوضہ لے کر مردے کودفن کرنے دیتا ہے تواب سوال یہ ہے کہ یہ زمین مالک کی ملک سمجھی جائے گی، یاوارثان میت کی؟

معاوضہ لینے کی دوصورتیں ہیں (۱) زمین کوفروخت نہیں کرتا ہے صرف دفن میت کا معاوضہ اور کرایہ لیتا ہے، تواس قسم کا معاوضہ لینا شرعاً درست نہیں ہے (۲) دوسری صورت یہ ہے کہ مالک میت کے دفن ہونے کے بقدر زمین اھل میت کوفروخت کردیتا ہے اور ورثاء میت کواس کا وارث بنادیتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس صورت میں اس زمین کا مالک ورثاء میت ہیں معاوضہ لینے والے کواب اس میں تصرف کرنے کا حق نہیں ہے کہ اس حصہ میں کوئی اور کام کرنے یادوسرے میت کے دفن کرنے کیلئے دوبارہ فروخت کرے۔[1]

مفادعام کمیٹی سے مقبرہ خریدنے کیلئے رقم لینا

مسلمانوں کے قبرستان تنگ پڑ گئے ہیں اس کووسیع کرنے کیلئے مزید اراضی خریدنے کی وسعت نہیں ہے، مگراس طرح کہ مسلمانوں اور ھندؤں کی مشترکہ کمیٹی ہے جس میں رفاہ عام کیلئے مشترکہ چندہ وغیرہ سے رقوم جمع کی جاتی ہیں اورآمدنی حلال کی ہے حرام کی آمیزش اس میں نہیں ہوتی ہے توایسی کمیٹی کی امداد لے کرقبرستان کیلئے مزید زمین خریدی جاسکتی ہے۔[2]

قبرستان کیلئے وقف شدہ زمین کے درختوں کاحکم

قبرستان کی زمین میں بڑے بڑے درخت لگے ہوئے ہیں تو ان درختوں کے سلسلے میں حضرات فقہاء نے اولاً دوصورتیں نقل فرمائی ہیں (۱) اول یہ ہے کہ مقبرہ بنانے سے قبل اس زمین پردرخت لگے ہیں

ع۔۱ مستفاد کفایت المفتی (ص۔۲۲۹ ج۔۷)

ع۔۲ مستفاد کفایت المفتی (ص۔۲۴۷ ج۔۷)

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ قبرستان بنانے کے بعد اس پر درخت آگئے ہیں۔

(۱) اول صورت میں مسئلہ کی دو قسمیں ہیں (۱) پہلی قسم یہ ہے کہ اس زمین کا پہلے سے کوئی مالک ہے جس نے قبرستان کیلئے وقف کیا ہے تو اس صورت میں تمام درخت مع جڑوں کے وقف کنندہ یعنی زمین کے مالک کی ملک میں ہیں وہ جو چاہے اس درخت کے ساتھ کرے۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ زمین موات تھی اس کا کوئی مالک نہیں تھا گاؤں والوں نے اسے آباد کر کے مقبرہ بنایا ہے، تو اس آخری صورت کی پھر دو قسمیں ہیں۔ (۱) اول یہ ہے کہ ان درختوں کا لگانے والا معلوم ہے تو یہ درخت ان لگانے والے کے ہوں گے (۲) دوسری قسم یہ ہے کہ ان درختوں کا لگانے والا معلوم نہیں ہے تو اس کا حکم قاضی کے اختیار میں ہے قاضی چاہے تو ان درختوں کو فروخت کر کے ان کی قیمت مقبرہ کی عمارت چہاردیواری وغیرہ میں صرف کرے۔[۱]

ع۔ ا مقبرہ علیها اشجار عظیمة فهذا علی وجهین اما ان کانت الاشجار نابته قبل اتخاذ الارض مقبرة او نبتت بعداتخاذ الارض مقبرة ففی الوجه الاول المسألة علی قسمین اما ان کانت الارض مملوکة لها مالک اوکانت مواتا لامالک لها واتخذها اهل القریة مقبرة ففی القسم الاول الاشجار باصلها علی ملک رب الارض یصنع بالاشجار واصلها ماشاء وفی القسم الثانی الاشجار باصلها علی حالها القدیم وفی الوجه الثانی المسألة علی قسمین اما ان علم لهاغارس اولم یعلم ففی القسم الاول کانت للغارس وفی القسم الثانی الحکم فی ذالک الی القاضی ان رأی بیعهاوصرف ثمنهاالی عمارة المقبرة فله ذلک کذا فی الواقعات الحسامیة (الفتاوی الهندیه صـ ۴۷۳، ۴۷۴ جـ ۲)

قبرستان کے خالی حصہ میں کھیتی کر کے اسکی پیداوار مسجد میں لگانا

چند آدمیوں نے اپنی ملکیت کی کچھ زمین قبرستان کو وقف کر دیا اب اس کے کچھ حصہ میں قبر ہیں اور کچھ خالی ہیں تو خالی حصہ میں کھیتی لگا کر اس کی حاصلات کو مسجد میں لگانا چاہتے ہیں تو اس کا حکم یہ ہے کہ قبرستان کو زمین وقف کرتے وقت واقف نے کہدیا تھا کہ اس کی کچھ حاصلات مسجد میں دی جائے گی، تب تو اس کی پیداوار کا مسجد میں لگانا درست ہے اور اگر بوقت وقف اس کی تصریح نہیں ہوئی تھی تو اب مسجد میں لگانا درست نہیں ہے اس کی ساری پیداوار کو قبرستان ہی میں لگانا چاہئے اگر اس قبرستان کو ضرورت نہیں تو دوسرے قبرستان میں لگایا جائے اور اگر نہ تو اس قبرستان کو ضرورت ہے اور نہ قریب میں کسی قبرستان کو اس کی حاجت ہے اور اس رقم کی حفاظت بھی دشوار ہو تو تمام لوگوں کے مشورہ سے آمدنی مسجد میں صرف کر سکتے ہیں نیز اس کا بھی خیال رہے کہ اس خالی جگہ میں کھیتی کرنے کی وجہ سے کہیں کھیتی کرنے سے دوسرے کے قبضہ میں آکر اصل وقف ہی ختم نہ ہو جائے۔[1]

مردوں کو دفن کرنے پر فیس لے کر مسجد میں لگانا

کسی شخص نے اپنی زمین کا کچھ حصہ مسجد کو دیدیا اور کچھ حصہ قبرستان کو اس شرط پر دیا کہ اس میں جو مردہ دفن ہو فی کس پچاس روپے دیا کرے تو وہ آمدنی مسجد میں لگائی جائے تو یہ صورت درست نہیں ہے کیونکہ حقیقت میں یہ مردہ کو دفن پر کرایہ لینا ہے اور کرایہ کیلئے بیان مدت ضروری ہے اور یہاں ممکن نہیں ہے کہ مردہ کب تک رہے گا، لہٰذا یہ عقد حرام اور خلاف شرع ہے۔[2]

ع ۱ مستفاد فتاویٰ محمودیہ (صـ ۲۱۱ جـ ۱۸)

ع ۲ مستفاد امداد الفتاویٰ (صـ ۶۹۶ جـ ۴)

قبرستان میں پھل دار درخت لگانا

قبرستان میں پھل دار خت لگانا اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ دفن اموات میں نقصان نہ آجائے اور ان پھلوں کی بیع جائز ہے اور اس کی قیمت قبرستان کے کام میں لگانا جائز ہے اور ان درختوں کو لگانے کیلئے قبرستان کے فنڈ سے خرچ کرنا جائز ہے۔

نیز ان درختوں کے لگانے اور پھل کے توڑنے اور اس کے متعلقہ کاموں کیوجہ سے قبروں کا روندا جانا اور پامال ہونا نہ پایا جائے ورنہ پھر جائز نہیں ہوگا قبر کی بے حرمتی کر کے نفع حاصل نہیں کیا جاسکتا۔[۱]

قبرستان پر کوئی شخص موروثی جائداد کی طرح مدتوں سے قابض ہو

ایک شخص تکیہ جیسے قبرستان پر نسلا بعد نسل قابض ہے اس کے واقف کا پتہ نہیں ہے یہ ہی شخص اس کا مالک ہے اس کی اجازت سے مردے دفن ہوتے ہیں اور یہ شخص اس کا مالک اور متصرف بھی ہے تو اس کا حکم وقف جیسا نہیں ہوگا شخص مذکور جو چاہے اس میں تصرف کرسکتا ہے۔[۲]

قبرستان میں جانور چرانے کا کسی کو حق نہیں

قبرستان کا احترام ہر مسلمان پر ضروری ہے۔ جانور وغیرہ چرانے سے اس کی بے حرمتی ہوتی ہے جانور چرتے ہوئے قبر پر چڑھ جاتے ہیں اور بسا اوقات زمین نرم ہونے کی وجہ سے جانور کے پیر زمین میں گھس کر قبر تک نیچے پہنچ جاتے ہیں

جس سے میت کی بھی بے حرمتی ہوتی ہے، نیز جانور چرتے ہوئے پیشاب پاخانہ بھی کرتے ہیں لہذا عام مسلمان کو حق ہے کہ جانور چرانے سے لوگوں کو روکے روکنے کا حق ہر ایک مسلمانوں کو ہے صرف متولی ہی کو حق نہیں ہے۔

ع۔۲، ۳ مستفاد کفایت المفتی (صـ ۱۲۱، ۱۲۴، ۱۲۵ جـ ۷)

قبرستان میں نماز جنازہ کیلئے چبوترہ بنانا اور پنجوقتہ نماز پڑھنا

قبرستان کے احاطہ میں نماز جنازہ پڑھنے کیلئے ایک جگہ مخصوص کر کے اس میں چبوترہ بنادیا گیا۔،اوراس میں نماز جنازہ ادا کی جاتی ہے اب اس میں پنجوقتہ نمازیں بھی ادا کرنا چاہتے ہیں۔تو حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب نوراللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں کہ چبوترہ جس زمین پر بنایا گیا اگر وہ زمین قبرستان کی ہے اور دفن اموات کیلئے وقف ہے تو اس کو نماز کیلئے مخصوص کرنا جائز نہیں ہے اور اگر اس چبوترہ کی زمین دفن کیلئے وقف نہیں ہے بلکہ واقف نے نماز جنازہ کیلئے وقف کی ہے تو اس پر نماز جنازہ جائز ہے اور اس کے آگے قبلہ کی جانب سترہ قائم کر کے نماز پڑھی جاسکتی ہے اور پنجگانہ نمازوں میں سے کوئی نماز اگر اتفاقاً پڑھ لی جائے تو مضائقہ نہیں مگر پنجگانہ نمازوں کیلئے اس کو مخصوص کردینا جائز نہیں ہے۔[1]

قبرستان کے منافع کیلئے قبرستان میں راستہ نکالنا

میت لیجانے یا دیگر منافع مقبرہ کیلئے قبرستان کے بیچ سے یا ایک کنارہ سے راستہ نکالنا جائز ہے شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے۔مگر راستہ نکالنے میں اس بات کا خیال رہنا چاہئے کہ راستہ پر کوئی نئی یا پرانی ایسی قبریں نہ ہوں جن کے اندر میت کی ہڈیاں وغیرہ باقی ہوں۔[2]

قبرستان کا جنگل صاف کرنے کیلئے آگ لگانا صحیح نہیں سوکھی گھاس صاف کرنا جائز ہے۔

مستحب یہ ہے کہ قبر کے اوپر کی ہری گھاس وغیرہ نہ کاٹی جائے،اس سے میت

ع[1] مستفاد کفایت المفتی (صـ ۱۲۱،۱۲۴،۱۲۵،۱۳۹ جـ ۷)

عـ۲ مستفاد فتاوی مفتاح العلوم (غیر مطبوعه)

کو انس اور فائدہ پہنچتا ہے، البتہ قبرستان میں بسا اوقات جنگل جھاڑ سوکھ جاتے ہیں اور بلا فائدہ کی گھاس وغیرہ سوکھ کر قبر کو ڈھانپ لیتی ہے، جن کی وجہ سے قبر کھودنے والے کو موذی جانور، سانپ بچھو، وغیرہ کا خطرہ رہتا ہے تو ایسے درختوں اور جنگل کا کاٹ کر صاف کرنا درست ہی نہیں بلکہ مستحسن ہے، مگر اس میں آگ لگانا درست نہیں ہے، کیونکہ اس صورت میں بعض جدید قبروں میں آگ لگ کر اموات کے اعضاء کا جلنا پایا جائیگا، جو سراسر حرام ہے، لہذا سوکھی گھاس کو کاٹنا جائز ہے۔[۱]

قبرستان میں لگائے ہوئے درختوں کا کاٹنا

قبرستان وقف شدہ ہے اور اس میں خود رو درخت لگ گئے ہیں، تو اسے مناسب معلوم ہو تو کاٹ کر اس کی قیمت قبرستان میں اگر اس قبرستان کو ضرورت نہ تو کسی اور قبرستان میں لگا دینا جائز ہے۔

اور اگر درخت کو واقف نے لگایا ہے یا کسی اور شخص نے باجازت متولیان قبرستان لگایا ہے تو لگانے والا شخص ان درختوں کا مالک ہے، اس کی اجازت کے بغیر ان درختوں کا کاٹنا درست نہیں ہے۔

قبرستان کے درختوں سے مسواک کاٹنا

اگر قبرستان کسی کی ملک میں ہے تو مالک کی اجازت سے مسواک وغیرہ کاٹا جائے بغیر اجازت نہیں، اور اگر قبرستان کی زمین وقف شدہ ہے تو اس کے خودرو درخت وغیرہ بھی وقف ہیں، ان سے مصارف وقف کے سواء کوئی نفع حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔[۱]

وقف قبرستان میں قبر کے اردگرد چبوترہ بنانا اور کتبہ لگانا

جب قبرستان وقف نہ ہو تب بھی سادا رکھنا بہتر ہے چہ جائے کہ قبرستان وقف ہو

ع۔ ۱ ع۔ ۲ مستفاد احسن الفتای ص۔۸ ۱۴ ج۔ ۶.

کیونکہ مقبرہ کو پکی بنانے میں دوسروں کا حق مارنا اور اتنی جگہ کو ہمیشہ کیلئے قبضہ میں لے لینا ہے۔

اسلئے بلا ضرورت شرعیہ قبر کے ارد گرد دیوار نہ بنائی جائے سنت طریقہ یہی ہے کہ قبر مکمل کچی رکھی جائے، اسلئے فقہاء نے قبر میں پکی اینٹ رکھنے اور قبر کے چاروں طرف پختہ چبوترہ بنانے اور قبر کے آس پاس آگ اور اس میں پکائی ہوئی چیزیں لے جانے کی بھی ممانعت فرمائی ہے، چنانچہ علامہ شامیؒ نے اس بات کی نشاندہی فرمائی ہے۔[۱]

کچی قبریں رہنے میں میت کا مفاد ہے، کچی اور کس مپرسی کی حالت انوار الٰہی اور رحمت خداوندی کی زیادہ مستحق ہے اور زائرین کے دلوں پر مؤثر ہے موت یاد آتی ہے اور دنیا کے زوال کا نقشہ سامنے آجاتا ہے، زیارت قبور کی جو غرض ہے وہ حاصل ہوجاتی ہے۔

اگر ضرورت سمجھی جائے کہ قبر کا نشان باقی رہے تو وقتاً فوقتاً اس پر مٹی ڈالی جاسکتی ہے، نیز قبر کا نشان باقی رکھنے اور اس خیال سے کہ قبر کی بے حرمتی اور توہین نہ ہو، لوگ اس کو پامال نہ کریں، تو اس پر میت کا نام اور تاریخ وفات لکھی جاسکتی ہے۔

چنانچہ نورالایضاح میں ہے (**ولا بأس بالكتابة عليه لئلا يذهب الاثر ولا يتهن**) یعنی قبر پر میت کے نام وغیرہ کو لکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے تاکہ قبر کے نشان نہ مٹے اور اس کی توھین نہ ہو۔[۲]

مگر کتبہ لگانا اور کچھ لکھنا بدرجہ مجبوری جائز ہے مگر خلاف اولیٰ ہے بہتر یہ ہے کہ

ع۔۱ والسنة ان يفرش فى القبر التراب ثم لم يتعقبوا الرخصة فى اتخاذه من حديد بشىء ولاشك فى كراهته كماهو ظاهر الوجه اى لانه لايعمل الابالنار فيكون كالاجر المطبوخ بها (شامی صـ ۱۴۰ جـ۳ مطلب فی دفن المیت)

ع۔۲ نور الایضاح صـ ۱۴۰.

قبر کو بالکل سادا رکھا جائے نام ونشان کیلئے لکھا ہوا کوئی پتھر رکھدیا جائے،
چنانچہ ترمذی شریف میں ایک حدیث اس سلسلہ میں منقول ہے۔

ان رسول اللہ ﷺ نھی ان یجصص القبور وان یکتب علیھا وان توطا ع۱ — کہ آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا ہے اس سے کہ قبروں کو پختہ بنایا جائے یا ان پر لکھا جائے یا ان کو پیروں سے روندا جائے۔

اسی طرح کی روایت مسلم شریف میں بھی منقول ہے، اور دیگر کتب فقہ میں بھی اس کی تصریح ہے کہ قبروں پر بلا ضرورت کچھ نہ لکھا جائے ع۲

قبرستان میں پڑی ہوئی اینٹوں سے چہاردیواری بنانا

قبرستان میں اکثر لوگ اینٹ پتھر اموات کو دفن کرنے اور قبروں پر رکھنے کے لئے لاتے ہیں بسا اوقات ضرورت سے زائد ہوتے ہیں، بغیر استعمال کے قبرستان میں یوں ہی پڑے رہتے ہیں، رفتہ رفتہ اینٹوں کا انبار لگ جاتا ہے، جن کا کوئی مالک نہیں ہوتا ہے، تو ایسی اینٹوں اور ان لاوارث پتھروں سے قبرستان کی حفاظت کیلئے چہار دیواری کرنا شرعاً درست ہے۔ ع۳

ع۱ ترمذی شریف بحوالہ مشکوۃ شریف صـ ۱۴۸.

ع۲ ان احتج الی الکتابة حتی لایذھب الاثر ولایمتھن فلا بأس به فاما الکتابة بغیر عذر فلا اه (فتاوی شامی صـ ۱۴۴ جـ ۳ ماخوذ ومستفاد فتاوی رحیمیه صـ ۲۷ جـ ۷)

ع۳ وقد اعتاد اھل مصر وضع الاحجار حفظا للقبور عن الاندراس والنبش ولاباس به حاشیه طحطاوی علی مراقی الفلاح صـ ۶۱۱. قدیمی والیوم اعتادوا التسنیم باللبن صیانة للقبر عن النبش ورأوا ذلک حسنا وقال ﷺ ماراٰه المسلمون حسنا فھو عندالله حسن (فتاوی شامی ص ۱۴۴ جـ ۳ مطلب فی دفن المیت) زکریا

عیدگاہ اور قبرستان بستی کے کس جانب ہو

عیدگاہ قبرستان بستی کے کسی بھی جانب بنا سکتے ہیں کسی جانب کی شریعت میں کوئی تحدید منقول نہیں ہے جس طرف سہولت ہو بنالیا جائے۔

قبرستان میں بینچ، کرسی رکھنا

قبرستان میں بوڑھوں اور کمزوروں کی زیارت کا بہانہ بنا کر وہاں بینچ اور کرسی یا پتھر وغیرہ کی سیٹیں بنائی جاتی ہیں مگر بعد میں لوگوں کے لئے تفریح گاہ بن جاتا ہے غافل اور بیکار قسم کے لوگ وہاں بیٹھ کر بلاوجہ گپ شپ میں مشغول ہوتے ہیں اور قبر کی زیارت کا مقصد فوت ہو جاتا ہے، آخرت کو یاد کرنے کے بجائے برباد کرتے ہیں اسلئے قبرستان کو سادا طریقہ پر ہی رکھا جائے بینچ، کرسی نہ لگائی جائے اور نہ مستقل پختہ بنائی جائے جسے کھڑے ہونے میں دقت ہو وہ زمین پر بیٹھ جائے۔[1]

قبرستان کی صفائی کیلئے بلڈوزر، ٹریکٹر وغیرہ چلانا

قبرستان کو صاف ستھرا اور اس کی زمین کو ہموار کر سکتے ہیں مگر قبروں کی بے ادبی نہ ہوسکے اس کا خیال رہنا چاہئے، قبروں کی بے ادبی کرنے سے متعدد احادیث میں منع کیا گیا ہے، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کسر عظم المیت ککسرہ حیا [2] یعنی مردہ کی ہڈی توڑنا زندہ آدمی کی ہڈی توڑنے کے مماثل ہے۔

اس حدیث کے پیش روبات خود واضح ہو جاتی ہے کہ بلڈوزر یا ٹریکٹر سے

ع۱ مستفاد فتاوی رحیمیه صـ۱۳۴ جـ۷.

ع۲ مشکوۃ شریف صـ۱۴۹ جـ۱.

صفائی کرنے میں قبروں کی بے حد توہین اور بداحترامی ہے، کچھ نئی قبروں کے خراب ہونے کا امکان ہے، ان کے اعضاء اور ہڈیاں نہ گلی ہوں تو اس کا اکھاڑنا اموات کی توھین ہوگی، خاص کر بچوں کی قبریں گہری نہیں ہوتی ہیں، بلڈوزر وغیرہ چلانے میں پوری قبر کھل جانے کا امکان ہے، لہذا ایسا کوئی طریقہ اختیار نہیں کرنا چاہئے جس سے قبروں کی بے ادبی ہوتی ہو۔[1]

ویران قبرستان پر مسجد بنانا

ویران قبرستان جسمیں لوگوں نے دفن کرنا چھوڑ دیا ہے اور کوئی جدید قبر بھی فی الحال موجود نہیں تو وقف شدہ قبرستان پر عام لوگوں کے مشورہ اور متولیان کی اجازت سے مسجد بنائی جاسکتی ہے۔

اسی طرح اگر قبر کسی کی مملوک ہو اور قبروں کے نشانات مٹ چکے ہیں تو مالک کی اجازت سے اس پر مسجد کی تعمیر ہوسکتی ہے، علامہ عینی شارح بخاری نے عمدۃ القاری میں اس بات کی تصریح فرمائی ہے۔

وقف شدہ قبرستان پر لوگوں کے ذاتی مکانات بنانا

قبرستان کسی نے وقف کیا تھا، زمانہ سے اس پر دفن اموات ہو رہے تھے مگر شہر کے وسط میں آنے یا کسی اور وجہ سے مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دیا گیا ہے، تو اس کا وقف ہونا صحیح نہیں ہوگا اور اس پر لوگوں کا جبراً قبضہ کرنا جائز نہیں، اسی طرح کسی محکمہ اور متولیان قبرستان کو حق نہیں کہ اس جگہ کو لوگوں کے ہاتھ بیچ دیں کہ لوگ اس پر ذاتی مکانات کی تعمیر کریں، اس کی بیع وشراء باطل ہوگی، اگر لوگ جبراً قبضہ کرلیں تو حکومت کو چاہئے کہ اس کو خالی کرائے، قبرستان کی ضرورت ختم ہوگئی تو اس پر مسجد یا کوئی رفاہ عامہ کی چیزیں تعمیر کی جائے، یعنی ایسی

ع۔۱ مستفاد فتاوی رحیمیہ ص۱۳۷ ج۷)

چیزیں بنائی جائے جو عامۃ المسلمین کیلئے وقف شمار ہو۔[1]

قبرستان کے درختوں کے پھل کا مصرف

قبرستان کی زمین وقف کرنے سے قبل درخت لگائے گئے ہیں اور مالک نے صرف زمین وقف کیا ہے درخت اس کی ملک میں باقی ہے تو پھل کا بھی وہی مالک ہوگا اور اگر درختوں کو بھی زمین کیساتھ وقف کردیا تھا یا درخت زمین وقف کرنے کے بعد لگائے گئے تھے، تو اس کا مصرف بھی وہی ہے جو عام وقف کا مصرف ہے یعنی اس پھل کو درخت کے قبرستان کے مصالح میں خرچ کئے جائیں گے۔

قبرستان کی زمین میں دکان ومکان وغیرہ بنوا کر کرایہ حاصل کرنا

قبرستان کی زمین اگر کسی کی ملک ہے وقف شدہ نہیں تو مالک کی اجازت سے کوئی دوسرا یا خود مالک چاہے تو دکان ومکان بنا سکتا ہے۔

اور اگر قبرستان کی زمین وقف شدہ ہے تو ظاہر ہے کہ واقف نے مسلمان مردوں کی تدفین کیلئے خالص وقف کیا ہے لہذا اس میں دکان ومکان وغیرہ بنانا جس سے کرایہ حاصل کیا جائے خواہ قبرستان کے مصالح میں خرچ کئے جائیں وقف کے منشا کے خلاف ہے۔

ع[1] فان قلت هل يجوز ان يبنى المسجد على قبور المسلمين قلت قال ابن القاسم رحمه الله تعالىٰ لوان مقبرة من مقابر المسلمين عفت فبنى قوم عليها مسجدالم اربذلک بأسا وذلک لان المقابر وقف من اوقاف المسلمين لدفن موتاهم لايجوز لاحد ان يملكها فاذا اندرست واستغنى عن الدفن فيها جاز صرفها الى المسجدلان المسجد ايضا وقف من اوقاف المسلمين لايجوز تمليكه لاحد فمعناهما على هذاواحد(عمدة القارى ص۱۷۹ جـ۴)

قبرستان کی ضروریات مثلاً کمپاؤنڈ بنانا قبرستان کی زمین کو اونچا کرنا پہرہ داری کی تنخواہیں وغیرہ کو چندہ سے پورا کیا جائے، مقامی چندہ سے کام نہ ہوسکتا ہو، تو بیرونی چندہ کیا جائے، مگر قبرستان کی جگہ کو کسی کام میں محصور نہ کیا جائے، اگر کسی طرح سے بھی کام نہ چل سکتا ہو، تو وقتی طور پر خالی جگہوں میں دکانیں بنا کر ضرورت پوری کرلی جائے ضرورت پوری ہونے پر دکانوں کو توڑ دیا جائے، اور وقف قبرستان میں مردہ دفن کیا جائے[۱]

البتہ قبرستان کی وہ جگہ جو قبرستان کے حاشیہ پر ہو اور قبرستان وسیع ہو جہاں دکانیں بنانا چاہتے ہیں وہاں نہ فی الحال تدفین ہو رہی ہے، اور نہ آئندہ متوقع ہے تو ایسی جگہوں پر دکانیں بنا کر چوحدی قبرستان کو محفوظ کیا جاسکتا ہے اور اس کی آمدنی جو قبرستان سے فاضل ہو اس کو مدرسہ، یتیموں، بیواؤں، غریبوں اور دینی وعصری تعلیم گاہوں پر خرچ کیا جاسکتا ہے[۲]

قبرستان کی زمین نشیبی ہونے کی وجہ سے بدلنا

نماز جنازہ کی جگہ یا قبرستان کی جگہ نشیبی ہے جہاں کچھ پانی جمع ہو جاتا ہیں تو اس کو دوسری زمین سے بدلنے کے سلسلے میں حکم شرعی یہ ہے کہ اگر زمین غیر موقوف ہے مالک زمین کی اجازت سے دوسری زمین سے تبادلہ کیا جاسکتا ہے، اور اگر قبرستان اور جنازہ پڑھنے کی جگہ وقف شدہ ہے تو اس کو بدلنا جائز نہیں ہے[۳]

ع۱ مستفاد فتاوی رحیمیہ (ص۱۳۵ ج۴.

ع۲ مستفاد نظام الفتاوی (ص۱۶۷ ج۱.

ع۳ مستفاد احسن الفتاوی (ص۴۲۰ ج۶.

بڑے مزار کے زائد حصے کو توڑ کر مسجد میں شامل کرنا

مسجد میں قدیم زمانہ کا وسیع مزار ہے اس کی وسعت کی وجہ سے نمازی کو تنگی محسوس ہوتی ہے جیسے بخاری شاہ کا مزار، تو اس کا حکم یہ ہے کہ قبر اتنی ہی کہلائے گی جتنی مقدار میں مردہ کے قد کی لمبائی چوڑائی ہے، زائد حصہ قبر سے خارج ہے، لہٰذا قبروں خاص کر بزرگوں کے مزار کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے بلا وجہ زائد حصہ کو مسجد میں شامل کیا جاسکتا ہے۔

نیز قبر اتنی پرانی ہے کہ میت اس میں باقی نہ رہی ہوگی تو قبر کا حکم ہی ختم ہو جاتا ہے، لہٰذا ایسی قبروں کو سخت ضرورت کی بناء پر مسجدوں میں شامل کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔[1]

پرانی قبر میں دوسرا مردہ دفن کرنا کب جائز ہے

اس وقت شہر کی آبادی بہت تیزی کے ساتھ پھیلتی جارہی ہے جس کی وجہ سے پرانے قبرستان اپنی وسعت کے باوجود بھی تنگ پڑ جاتے ہیں، شہر سے باہر قبرستان بنایا جائے تو اتنی دور اموات کو لیجانا بہت دشوار کن مرحلہ ہے تو اس شکل میں پرانی قبروں میں تدفین شروع کرنے کے سلسلے میں علامہ شامی فتح القدیر کے حوالہ سے اس کا حل پیش فرماتے ہیں کہ میت دفن کرنے کے لئے کسی قبر کو کھودی نہ جائے، الا یہ کہ پہلی میت بوسیدہ ہوگئی ہو اور اس کی ہڈیاں باقی نہ رہی ہوں البتہ جگہ نہ ہونے کے سبب قبر کھودی گئی اور اس میں ہڈیاں نکلیں تو احترام کے ساتھ پہلے مردہ کی ہڈیوں کو جمع کر کے قبر کے ایک جانب رکھدی جائیں اور ان دونوں کے درمیان مٹی کی آڑ کردی جائے۔

ع۔۱ مستفاد فتاوی محمودیہ قدیم (صـ۱۹۴ جـ۱۵)

آگے علامہ زیلعیؒ کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں اگر میت بوسیدہ ہوجائے اور مٹی ہوجائے تو دوسری میت کواس میں دفن کرنا جائز ہے، پھر علامہ شامیؒ خودفرماتے ہیں، بوسیدہ ہوجانے کے بعد جواز کا قول اختیار کرنا بہتر ہے، اسلئے کہ ہر میت کے لئے ایسی قبر مہیا کرنا جس میں کبھی کوئی مردہ دفن نہ ہوا ہوممکن نہیں ہے خاص کر بڑے شہروں میں۔[1]

حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ ان کے علاوہ مراقی الفلاح بحرالرائق، فتاوی عالمگیری اور فتاوی دارالعلوم دیوبند وغیرہ سے اسی طرح کی بات تحریر فرما کر اپنا قول فیصل تحریر فرماتے ہیں کہ مذکورہ عبارتوں سے واضح ہوتا ہے کہ راجح قول کے مطابق مردہ جب خاک ہوجائے اور اس کا اثر باقی نہ رہے تو اس صورت میں دوسرے میت کو اس قبر میں دفن کرنا جائز ہے، خاص کر بڑے شہروں میں جہاں زمین کی قلت ہوتی ہے اور اس سے قبل جب کہ اندازہ یہ ہو کہ میت کا جسم خاک نہ ہوا ہوگا، قصداً وارادۃً بلا عذر شرعی قبر کھودنا جائز نہ ہوگا۔[2]

ع۔۱ قال فی الفتح ولایحفر قبر لدفن آخر الاان یلی الاول فلم یبق له عظم الاان لایوجد فتضم عظام الاول ویجعل بینهما حاجزمن تراب الی قوله قال الزیعی ولوبلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیره فی قبره وزرعه والبناء علیه الی قوله قلت فالاولی اناطة الجواز بالبلاء اذلایمکن ان یعد لکل میت قبر لایدفن فیه غیره وان صار الاول ترابا لاسیما فی الامصار الکبیرة الجامعةالخ(شامی ص۱۳۸ ج۳ کتاب الجنائز)

ع۔۲ لو بلی المیت وصار تراباجاز دفن غیره فی قبره کذا فی التبیین (مراقی الفلاح مع طحطاوی(ص۳۳۶ فصل فی حملها ودفنها) وفی التبیین ولو بلی المیت وصار ترابا جاز دفن غیره (بقیہ آگے صفحہ پر)

دفن کے بعد مردہ کو داھنی کروٹ اور قبلہ رو کرنے کیلئے قبر کو کھودنا

میت کو دفن کرنے کا سنت طریقہ یہ ہے کہ مردہ کو قبلہ رخ داھنی کروٹ پر لٹایا جائے اور پشت کی طرف مٹی سے سہارا دیا جائے تاکہ مردہ پلٹ نہ جائے اگر کسی وجہ سے کروٹ پر لٹانا متعذر ہو تو صرف چہرہ کو قبلہ کی طرف کر کے چت لٹایا جائے، مگر مردہ کو چت لٹانا خلاف سنت ہے، حدیث میں پشت کے بل چت لٹانے کی ممانعت وارد ہوئی ہے، لہذا عام طور سے لوگوں میں جو طریقہ رائج ہوگیا ہے کہ میت کو چت لٹا کر صرف چہرہ قبلہ کی جانب کر دیتے ہیں، یہ سنت متوارثہ کے خلاف ہے، شریعت کے بتلائے ہوئے طریقہ کو عام کرنا چاہئے اور خلاف شریعت و سنت سے بچنا چاہئے۔

البتہ دفن کرنے کے بعد قبلہ رخ کرنا درست نہیں ہے مٹی ڈالنے سے قبل بانس لکڑی وغیرہ ہٹا کر رخ کو اور چہرہ کو قبلہ کی طرف کیا جاسکتا ہے لیکن مٹی ڈالنے اور تدفین کا کام مکمل ہوجانے کے بعد قبر کھولنا معصیت اور گناہ ہے۔[۱]

(بقیہ صفحة) وزرعه والبناء عليه اه (بحر الرائق صـ ۱۹۵ جـ ۲) ولو بلى الميت وصار ترابا جاز دفن غيره فى قبره وزرعه والبناء عليه كذافى التبيين (عالمگیری صـ ۱۶۷ جـ ۱) (فتاوی دار العلوم دیوبند صـ ۳۷۸ جـ ۵، صـ ۳۸۵ جـ ۵) (ماخوذ ومستفاد فتاوی رحیمیه صـ ۶۹ تا ۱۷ جـ ۷)

عـ ۱ يوضع فى القبر على جنبه لايمن مستقبل القبلة كذا فى الخلاصة (عالمگیری صـ ۱۶۶ جـ ۱) (يوجه الى القبلة على جنبيه الايمن) بذلك امرا لنبى صلى الله عليه وسلم (مراقى الفلاح) قوله بذلك امر النبى ﷺ عليا لما مات رجل من عبدالمطلب فقال يا على استقبل القبلة استقبالا وقولوا جميعاً بسم الله على ملة رسول الله وضعوه لجنبيه ولاتكبوه على وجه ولاتلقوه على ظهره كذا فى الجوهرة الخ (طحطاوى على مراقى الفلاح صـ ۳۳۷) لودفن مستد برالها واهالوا التراب لاينبش لان التوجه الى القبلة سنة والنبش حرام بخلاف ما اذا كان بعد اقامة اللبن قبل اهالة التراب فانه يزال ويوجه الى القبلة عن يمينه (فتاوى شامى صـ ۱۴۱ جـ ۳)

کنواں کھودنے میں انسانی ہڈیاں نکلیں

کسی شخص نے اپنی خریدی ہوئی زمین میں کنواں کھدوایا، چار پانچ فٹ گہرائی کے بعد سالم انسان کا ڈھانچہ برآمد ہوا، اور اس کے جسم کے بعض اعضاء ہڈیاں وغیرہ نکلیں تو ظاہر ہے کہ یہ قبریں جب موقوفہ زمین نہیں ہے تو کسی نے اپنی مملوکہ زمین میں دفن کیا ہوگا، اور اس صورت میں مالک زمین کو اختیار رہتا ہے کہ جب ان کو گمان ہو جائے کہ لاش مٹی بن گئی ہوگی تو اس زمین کو اپنے کام میں استعمال کرے، لیکن جب معلوم نہیں لاعلمی کی بنیاد پر قبر کھودی گئی اور قبر سے لاشیں نکل گئیں تو اس کے لئے مناسب تھا کہ اس قبر کو برابر کردیتے اور ہڈیوں کو احترام کے ساتھ دوسری جگہ دفن کردیا جاتا۔ اور اگر یہ بات معلوم ہو جائے کہ قبریں مسلمانوں کی نہیں ہیں تو اس کے ساتھ مسلمانوں کی قبر جیسا احترام کرنا ضروری نہیں ہے مگر یہ بات عیاں ہے کہ ہندوستان کے کفار اپنے مردے کو دفن نہیں کرتے ہیں، البتہ عیسائی دفن کرتے ہیں اور عیسائی کا دفن کرنا متوقع نہیں تو معاملہ مشتبہ ہوگیا تو ایسی جگہ پر کنواں نہ کھودا جائے۔[1]

قبرستان کا احاطہ بنانے میں سود اور زکوۃ کی رقم استعمال کرنا

قبرستان کا احاطہ کر کے قبروں کو بے ادبی اور توھین سے بچانا ضروری ہے اس کے لئے حلال کمائی کی رقم ہونی چاہئے، زکوۃ کی رقم استعمال کرنا جائز نہیں ہے اس سے زکوۃ ادا نہ ہوگی، جوئے کی رقم (یا کسی بھی حرام کمائی کی رقم سے مکمل اجتناب کرنا چاہئے) مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ اپنے مردوں کو بے ادبی سے بچانے کیلئے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق رقوم جمع کریں اگر کافی نہ ہو سکے تو بدرجہ مجبوری بینک کے سود کی رقم وقف قبرستان کے احاطہ میں استعمال کی جاسکتی ہے۔[2]

ع ۱ مستفاد کفایت المفتی (صـ ۲۲۳ جـ ۷)

ع ۲ مستفاد فتاوی رحیمیه (صـ ۴۸ جـ ۹)

نماز جنازہ پڑھانے کی اجرت لینا

صرف نماز جنازہ پڑھا کر اجرت لینا دینا ناجائز ہے ہاں اگر کسی کو نماز جنازہ پڑھانے کیلئے ملازم رکھ لیا جائے اور تنخواہ مقرر کردی جائے تو مضائقہ نہیں ہے، امام ومؤذن جو تنخواہ مسجد سے پاتا ہے اس میں نماز جنازہ پڑھانے کی شرط بھی داخل کر لی گئی کہ مسجد کی امامت کے ساتھ نماز جنازہ بھی پڑھانی پڑے گی تو ملازمت صحیح ہے اگر اتفاقی طور سے کسی جنازہ کی نماز نہ پڑھائے تو اس کا اثر تنخواہ پر نہ پڑے گا، ہاں اگر یہ عادت کرلے کہ نماز جنازہ نہ پڑھایا کرے تو تنخواہ کا مستحق نہ ہوگا، اس تنخواہ کے علاوہ کوئی اور حق اولیائے میت سے لینے کا اسے اختیار نہیں، کیونکہ ان سے کوئی خاص عقد اجارہ نہیں کیا گیا ہے۔ اور تبرع کے طور پر دیا جائے تو اس میں جبر نہیں ہو سکتا، ان کی خوشی ہے دیں یا نہ دیں اگر اولیاء میت مسجد کے امام ومؤذن کو کچھ نہ دیں اور صرف اس وجہ سے متولی مسجد ان کو قبرستان میں میت دفن کرنے سے روکے تو یہ متولی کا صریح ظلم ہے[1]

ع۱ مستفاد کفایت المفتی صـ ۱۴۶ جـ ۷.

مدارس اسلامیہ کے مسائل

مدارس کا سلسلہ اصحاب صفہ سے

تمام مدارس اسلامیہ کے طالبان علوم نبوت کا سلسلہ مسجد نبوی کے قریب صفہ پر بیٹھ کر علم حاصل کرنے والے اصحاب صفہ سے جاملتا ہے، حضرت علامہ عینیؒ شارح بخاری صفہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ صفہ مسجد نبوی ﷺ کے قریب ایک سایہ دار چبوترہ تھا جس پر وہ فقراء مہاجرین رہتے تھے جن کے پاس گھر دوار نہیں تھا، دوسرا قول یہ ہے کہ اصحاب صفہ ان کو اسلئے کہا جاتا ہے کہ وہ مسجد کے دروازے پر (طلب علم کیلئے) چمٹے رہتے تھے اسلئے کہ وہ لوگ غرباء صحابہ میں سے تھے۔[1]

اصحاب صفہ ہمیشہ فقر و تنگی اور جہد مسلسل کے ساتھ طلب علم میں ہمہ تن مصروف رہا کرتے تھے، نہ ان کا گھر تھا نہ بیوی بچے مسلمانوں کے وہ مہمان ہوتے تھے رُوکھا سوکھا جو مل جاتا کھا لیتے، نہ ملتا تو روزہ سے رہتے، چنانچہ بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہؓ کی ایک لمبی حدیث ہے حضور ﷺ نے حضرت ابوہریرہؓ سے ارشاد فرمایا کہ

یا ابا هریره قلت لبیک یا رسول الله قال الحق اهل الصفة فادعوهم له، قال واهل الصفة اضیاف الاسلام لایاوون	اے بوہریرہ: حضرت ابوہریرہؓ نے فریا حاضر ہوں یا رسول اللہ اس پر آپؐ نے فرمایا کہ اصحاب صفہ کو بلاؤ فرماتے ہیں کہ اہل صفہ اسلام یعنی مسلمانوں کے مہمان تھے، انہیں اہل وعیال و مال و دولت کسی چیز

[1] والصفة كانت موضعا مظللا فى مسجد النبى صلى الله عليه وسلم كان فقراء المهاجرين الذين ليس لهم منزل يسكنونها وقيل سموا باصحاب الصفة لانهم كانو يصفون على باب المسجد لانهم غرباء (عمدة القارى باب نوم الرجال فى المسجد (ص ۱۹۸ ج ۴)

علی اہل ولامال ولاعلی احد سے کوئی مطلب نہیں تھا جب صدقہ کا مال آتا تھا ان اذا اتتہ صدقۃ بعث بہا الیہم کی ضرورت کے لئے ان کے پاس بھیج دیا جاتا تھا۔[1]

مدرسہ کیلئے چندہ یا کوئی چیز ھبہ کر کے پھر دوسرے مصرف کو بدلنا

کسی صاحب نے مدرسہ کو ایک چیز مثلاً جانور ھبہ کیا اس چیز کو ذمہ دار نے فروخت کر دیا تو اس کی قیمت مدرسہ ہی کے مصرف میں صرف کی جائے گی، مدرسہ کو چھوڑ کر چندہ دینے والا یا ھبہ کرنے والا واھب خود اس چیز کا مصرف بدلنے کو کہے مثلاً اس کی قیمت مسجد میں صرف کرو، تو اس کو خود بھی یہ اختیار نہیں ہے، اور نہ ذمہ دار مدرسہ کو یہ حق ہے کہ وہ اس چیز کو کسی اور کار خیر میں صرف کرے، اولاً جس چیز کیلئے وہ چندہ یا ھبہ کیا گیا ہے اسی میں صرف کیا جائے گا۔[2]

مدرسہ کے مخلوط چندہ کو کیسے صرف کیا جائے

اولاً چندہ دہندگان کا منشا معلوم کرنا چاہئے کہ اس نے کس مد کی رقم دی ہے اگر للّٰہ رقوم دی ہے تو اس کو مدرسہ کے تمام مصالح میں خرچ کیا جاسکتا ہے،

ع[1] بخاری شریف کتاب الرقاق باب کیف کان عیش النبی ﷺ صـ۹۵۵ جـ۲)

ع[2] فاذا تم (ای الوقف) ولزم لایملک ولایعار ولایرهن (درمختار) قوله لایملک ای لایکون مملوکا لصاحبه (ولایملک) ای لایقبل التملیک لغیره بالبیع ونحوه لاستحالة تملیک الخارج عن ملکه (الفتاوی الشامی صـ۵۳۹ جـ۶) زکریا. (اتحدالواقف والجهة) من انه لیس له اعطاء الغلة لغیرمن عینه لخروج الوقف عن ملکه بالتسجیل فانه صریح فی عدم صحة الرجوع عن الشروط ...... وفی الاسعاف ولایجوز له ان یفعل الاماشرط وقت العقد (شامی صـ۶۸۴ جـ۶)

بشرطیکہ معطی نے مصرفِ چندہ کی تعیین نہ کی ہو، اور اگر چندہ دہندگان نے چندہ دیتے ہوئے مصرف کی بھی تعیین کردی تھی یا چندہ وصول کرنے والے نے مد کی تعیین کے ساتھ چندہ کیا تھا کہ اس کو ہم تعمیر میں لگائیں گے یا بچوں کے کھانے میں خرچ کیا جائے گا یا مدرسین کی تنخواہ وغیرہ میں، تو اب متعینہ مصرف کے علاوہ دوسری جگہ خرچ کرنا جائز نہیں ہوگا۔[1]

اور جن رقوم کا مصرف فقراء ومساکین وغیرہ ہیں جیسے زکوۃ، صدقات، چرم قربانی، کفارہ، وغیرہ جن کی تملیک واجب ہوتی ہے ان کو بغیر تملیک کے عام جگہوں میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے، مثلاً ان رقوم کو مدرسین کی تنخواہ میں یا مدرسہ کی تعمیر میں یا دیگران اخراجات میں صرف کرنا درست نہیں ہے جن میں براہ راست زکوۃ وغیرہ کی رقم نہیں لگتی ہے۔[2]

ایک مدرسہ کا چندہ دوسرے مدرسہ کو یا دوسرے مدرسہ کے طلباء کو دینا

جس مدرسہ کیلئے چندہ وصول کیا جائے اسی مدرسہ میں اس کو صرف کرنا ضروری ہے، جب تک وہ مدرسہ آباد ہے دوسرے مدرسہ میں خرچ کرنا شرعاً جائز نہیں ہے

ع[1] ومن اختلاف الجهة ماإذا كان الوقف منزلين احدهما للسكنى والاخر للاستغلال فلايصرف احدهما للاخر وهى وقعة الفتوى (شامى كتاب الوقف صـ ۵۵۱ جـ۶) وهنا الوكيل انما يستفيد التصرف من المؤكل فقد أمره بالدفع الى فلان فلايملك الدفع الى غيره (شامى صـ۱۸۹ جـ۳ كتاب الزكاة)

ع[2] وقد منا ان الحيلة ان يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذه الاشياء وهل له ان يخالف امره؟ لم اره والظاهر نعم(شامى كتاب الزكوة باب المصرف صـ۲۹۳ جـ۳) زكريا

اور نہ کسی مدرسہ کی رقم کو دوسرے مدرسہ کے طلباء کو دینا درست ہے اور نہ ان کے کھانے اور دیگر مصارف میں خرچ کرنا جائز ہوگا، البتہ وہ طالب علم سابقہ مدرسہ کو چھوڑ کر اس، مدرسہ میں داخل ہوگیا ہو تو اب وہ اس مدرسہ کا طالب علم شمار ہوا، لہذا اس پر خرچ کرنا اب درست قرار پائیگا۔

مدرسہ کا متولی اور مہتمم چندہ دینے والے کی طرف سے وکیل ہے اور وکیل کو مؤکل کی تصریح کے خلاف کرنا درست نہیں ہے۔

اسی طرح کوئی شخص چندہ کر کے کوئی چیز لایا اور مہتمم یا ذمہ دار کے پاس جمع کیا تو وہ چندہ کا امین ہے جس مدرسہ کیلئے وصول کیا گیا ہے اسی میں خرچ کرنا امانت داری ہے دوسرے مدرسہ میں خرچ کرنا خیانت ہے[۱]

ایک مدرسہ کی کتابیں بطور عاریت دوسرے مدرسہ کو دینا

کسی مدرسہ میں کتابوں کا ذخیرہ بہت ہی زیادہ ہے مدرسہ کی ضروریات پوری ہونے کے بعد بھی کتب دینیہ زائد رہ جاتی ہیں جن سے استفادہ نہیں کیا جاتا ہے یا اسی طرح کوئی مدرسہ ویران ہوگیا ہو، تعلیم و تعلم کا سلسلہ بند ہو چکا ہو یا ابتدائی درجہ کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں اوپر درجہ کی کتابیں یوں ہی پڑی ہیں ان کتابوں میں دیمک لگ جانے کا خطرہ ہے۔

ع[۱] ولو اشترى بغلة الوقف ثوباً ودفعه الى المساكين يضمن مانقد من مال الوقف لوقوع الشراء له (الفتاوى الهنديه صـ۴۱۸ جـ۲) واما اذا اختلف الواقف او اتحد الواقف واختلف الجهة بان بنى مدرسة ومسجدا وعين لكل وقفا وفضل من غلة احدهما لايبدل شرط الواقف وقد علم منه انه لايجوز لمتولى الشيخونية بالقاهرة صرف احد الوقفين للآخر (البحر الرائق كتاب الوقف صـ۲۶۲ جـ۵) رشيديه)

تو واقف و مہتمم اور دیگر اصحاب رائے آپس میں باہمی مشورہ سے ان کتابوں کو دوسرے مدرسہ کی طرف منتقل کر سکتے ہیں، جہاں ان کتابوں سے بھرپور استفادہ کیا جائے اور دیمک وغیرہ لگنے سے حفاظت ہو سکے، واقف کا مقصد بھی فی الجملہ یہ ہی ہوتا ہے کہ میں جو کتابیں دے رہا ہوں اس سے استفادہ کیا جائے نہ کہ رکھ کر زینت بنائے۔

نیز ایسے مدرسہ کو اور ایسے شخص کو بطور عاریت دی جائے جس پر کلی اطمینان ہو کہ کتابیں واپس کر دے گا ورنہ دینا درست نہیں ہوگا۔[1]

ایک مدرسہ کی کتاب یا دیگر اشیاء کو دوسرے مدرسہ کو پورے طور سے دینا

کسی عالم یا کسی شخص کو واقف نے یا ذمہ داران مدرسہ نے مدرسہ کا ناظم یا مہتمم بنایا۔ یا خود مولانا صاحب نے ہی عام وخاص چندہ کر کے ایک مدرسہ قائم کیا اور اس کے بانی اور مہتمم قرار پا گئے اور بہت ساری چیزیں اور کتابیں انہوں نے خود خریدی یا پہلے سے مدرسہ کے پاس موجود تھیں جو مدرسہ کی ملکیت میں۔

ع[1] جاز للحاكم ان يصرف من فاضل الوقف الأخر عليه لانهما كشيء واحد (درمختار) وحكى انه وقع مثله في زمن سيد ناالامام الاجل في رباط في بعض الطرق خرب ولاينتفع المارة به وله اوقاف عامرة ويحصل فسئل هل يجوز نقلها الى رباط آخر ينتفع الناس به؟ قال نعم لان الواقف غرضه انتفاع المارة ويحصل ذلك بالثاني (شامي كتاب الوقف مطلب في نقل انقاض المسجد صـ ۵۵۰ تا ۵۵۱ جـ ۶ دارالكتاب ديوبند)

وقف مصحفا على اهل مسجد للقراءة ان يحصون جاز وان وقف على المسجد جاز ويقرأ فيه ولايكون محصورا على هذاالمسجد وبه عرف حكم نقل كتاب الاوقاف من محالها للانتفاع بهاوالفقهاء بذلك مبتلون(درمختار على هامش شامي صـ ۴۵۷ تا ۴۵۸ جـ ۶ دارالكتاب.

اب اگر کسی وجہ سے مہتمم وناظم مذکور کو ذمہ داران نے برطرف کردیا، یا وہ صاحب خود برطرف ہوگئے تو وہ مدرسہ سے کوئی سامان اپنے ذاتی سامان کے علاوہ منتقل نہیں کر سکتے ایک مدرسہ کی چیز کو یا کتابوں کو دوسرے مدرسہ کی طرف منتقل نہیں کیا جاسکتا، چاہے وہ دوسرا مدرسہ اس معزول مہتمم نے قائم کیا ہو، یا پہلے سے قائم ہو، نیز اس مدرسہ کے نام پر دوسرا مدرسہ قائم کرنا بھی درست نہیں ہے۔

ان کو اگر مدرسہ قائم کرنا بھی ہو تو دوسرا نام تجویز کرے، اور اس مدرسہ کی رسید پر چندہ بھی دوسرے مدرسہ کیلئے درست نہیں ہوگا دوسرے مدرسہ کیلئے الگ نام سے رسید چھپوائے۔[1]

واقف کی شرط کے مطابق مدرسہ چلایا جائے

واقف نے اپنی زمین یا اپنا مکان مدرسہ کو اس شرط پر وقف کیا کہ اس میں علم دین کی تعلیم ہو، انگریزی وغیرہ دنیاوی تعلیم نہ دی جائے اہل سنت والجماعت اور مسلک دیوبندیت پر اس کا نظام تعلیم وتربیت ہو تو اسی کے مطابق چلایا جائے، اور ایسے لوگوں کو اور ایسی کمیٹی کو یہ وقف مدرسہ چلانے کیلئے سپرد کیا جائے جو واقف کی شرط کے لحاظ

ع[1] وماخالف شرط الواقف فهو مخالف للنص وشرط الواقف كنص الشارع فيجب اتباعه (شامی کتاب الوقف صـ ۴۳۵جـ۶) وهنا الوكيل انما يستفيد التصرف من المؤكل وقدامره بالدفع الى فلان فلايملك الدفع الى غيره (شامی صـ۱۸۹ جـ۳) کتاب الزكوة مطلب فی زكوة ثمن البيع) ويشترط ان يكون المؤكل ممن يملك التصرف بالنوع الذى وكله الآن الوكيل يستفيد ولاية التصرف من المؤكل ويقدر عليه من قلبه (شرح المجلة لسليم رستم ماخوذ صـ۷۷۴ جـ۲ ماخوذ حاشيه فتاوى محموديه صـ ۴۷۵جـ ۱۵)

سے پورے پورے اترتے ہوں اگر کسی جماعت نے کچھ دن تک چلایا پھر عاجز ہو گئے تو دوسری جماعت کے سپرد کرنا چاہئے اور بہتر یہ ہے کہ تمام لوگوں کے چندہ سے ادارہ کا خرچ چلایا جائے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں (تعاونوا علی البر والتقوی) کہ نیکی اور تقوی کے کام یعنی دینی کام پر لوگوں کی مدد کرو، (ان تنصروا الله ینصرکم ویثبت اقدامکم) اگر تم اللہ کے دین کی ، دکرو گے تو اللہ تمہاری ضروریات میں مدد کرے گا اور تمہیں ایمان پر جمادے گا۔

لہذا مدرسہ کو بند نہ کیا جائے وقف کی شرط کے مطابق چلایا جائے تا کہ واقف کو ثواب ملتا رہے اور اگر چندہ سے چلانا ممکن نہ ہو تو مدرسہ کے بعض حصہ کو کرایہ پر لگا کر بعض حصہ میں اسی خرچ سے تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری رکھا جائے ۔[1]

چندہ کر کے مدرسہ کا مکان لیا تو اس میں مدرسہ ہی رہے گا البتہ اسکول کرایہ پر چل سکتا ہے

مدرسہ کی زمین اور اس کی تعمیر کی غرض سے لوگوں کو آگاہ کرتے ہوئے چندہ کیا گیا اور اس پر تعمیر بھی ہوگئی اور کچھ دنوں تک ،مدرسہ چلایا گیا بعد میں مدرسہ دوسری جگہ

ع[1] ولا یولی الا أمین قادر بنفسه اوبنابه لان الولایة مقیدة بشرط النظر ولیس من النظر تولیة الخائن لانه باالمقصود وکذا تولیة العاجز لان المقصود یحصل به (شامی کتاب الوقف مطلب فی شروط المتولی صـ٥٧٨ جـ٦) وهذا کالخان الموقوف علی الفقراء اذااحتیج فیه الی خادم یکسح الخان ویفتح الباب ویسده فیسلم المتولی بیتا من بیوته الی رجل بطریق الاجرة له لیقوم بذلک فهو جائز (الفتاوی الهندیه کتاب الوقف الباب الخامس فی ولایة الوقف صـ٤١٤ جـ٢)

منتقل ہوگیا اور یہ مکان پڑارہ گیا تو اس میں دوسری چیز مثلاً اسکول وغیرہ نہیں چلانا چاہئے کیونکہ چندہ دہندگان کی منشا کے خلاف ہے۔

البتہ اگر مدرسہ کو فی الفور ضرورت نہیں ہے تو اس میں اسکول وغیرہ جو بھی چلانا ہو چلایا جاسکتا ہے مگر اس کا کرایہ مدرسہ کو دیا جائے۔[1]

مدرسہ میں کافروں اور ہندوؤں کا چندہ

مدرسہ و مسجد مقدس جگہ ہے جہاں قرآن وحدیث کی تعلیم ہوتی ہے ایسی جگہوں میں اپنی پاکیزہ کمائی اور صاف ستھرا مال ہی لگانا چاہئے حرام اور شبہ حرام سے بالکلیہ اجتناب کرنا چاہئے اللہ پاک ہے اور پاک ہی مال کو پسند کرتا ہے یعنی اسی پر اجر مرتب کرتا ہے اگر کافروں کا مال حلال اور صحیح ہے سود وغیرہ کی آمیزش نہیں ہے تو اس کا چندہ لینا بھی جائز ہے، جیسا کہ فتاوی رشیدیہ میں مرقوم ہے۔[2]

لیکن اس دور میں کافروں کا مال پاک وحلال نہیں ہوتا ہے، نیز دیگر فتنوں کا اندیشہ رہتا ہے اسلئے ان کے چندہ سے اجتناب ہی بہتر ہے۔

مدرسہ کا غلہ اور روپئے کو تبلیغ پر خرچ کرنا

مدرسہ میں نادار، غریب ویتیم اور مساکین طلبہ کیلئے امداد دی جاتی ہے اس کو صرف ان طلبہ ہی پر خرچ کیا جائے ان کے علاہ زکوۃ وصدقات اور دیگر رقوم کو تبلیغی جماعت پر یا مہمانوں پر اور دیگر جگہوں پر خرچ کرنا درست نہیں ہے کیونکہ وہ زکوۃ وغیرہ کے مصارف میں سے نہیں ہیں۔ البتہ اگر چندہ دینے والے کو بتادے کہ ان رقوم کو مدرسہ کے طلبہ کے علاوہ دعوت وتبلیغ پر بھی خرچ کیا جائے گا اور مہمانوں کو بھی کھلایا جائے گا

ع[1] مستفاد فتاوی رحیمیہ (ص ۵۵ ج ۹)

ع[2] فتاویٰ رشیدیہ ص ۵۳۸ ج ۱)

اور چندہ میں زکوٰۃ کے علاوہ امداد وللہ کی بھی رقم ہے تو پھر تبلیغی جماعتوں کو بھی کھلانا درست ہے۔[1]

بہتر یہ ہے کہ ان رقوم کی تملیک کر لی جائے پھر ان جگہوں پر صرف کیا جائے

مدرسہ کے چندہ میں سے سفراء کا زکوۃ کی رقم استعمال کرنا

بعض سفراء مالدار ہوتے ہیں وہ حالت سفر میں اپنے ذاتی پیسے ختم ہو جانیکی وجہ سے زکوۃ کی رقم کو بھی استعمال کرنا شروع کر دیتے ہیں یہ جائز نہیں ہے، ان کو اپنے گھروں سے منگوالینا چاہئے یا امداد اور للہ کی جو رقم ملے اس میں سے خرچ کیا کریں زکوۃ کو مدرسہ تک صحیح طریقہ سے پہونچا دینا چاہئے۔[2]

مدرسین کیلئے مدرسہ میں مخصوص کھانا پکانا اور مخصوص رعایت کرنا

مدرسین اور حضرات علماء کا طلباء و دیگر ملازمین وغیرہ سے علیحدہ کھانا پکانا اور علیحدہ طور سے مخصوص کمرے اور چھٹیوں میں سے خاص رعایت وغیرہ جائز ہی نہیں بلکہ مستحسن ہے چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ

ع[1] وان اختلف احدهما بان بنى رجلان مسجدين او رجل مسجدا ومدرسة ووقف عليهما اوقافا لايجوز له ذلک (درمختار) قوله لايجوز له ذلک) ای الصرف المذکور قال الخير الرملی اقول ومن اختلاف الجهة ماإذا کان الوقف منزلين احدهما للسکنى والاخر للاستغلال فلايصرف احدهما للاخر وهى واقعة الفتوىٰ (شامی کتاب الوقف مطلب فی نقل انقاض المسجد ونحوه(صـ ۱۵۵ جـ ٦)

ع[2] مستفاد فتاوی رحیمیه (صـ ۱۸۲ جـ ۷)

امرنا رسول الله صلی الله علیه وسلم ان ننزل الناس منازلهم (رواه) [۱]	حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم صادر فرمایا ہے کہ لوگوں کو ان کے مقام پر اتارو (یعنی مقام ورتبہ کے لحاظ سے ان کے ساتھ برتاؤ کرو)

اس حدیث کے پیش نظر تخصیص وتفہیم اور فرق مراتب کے بے شمار واقعات صحابہ کرام سے ظاہر ہوئے ہیں۔

چنانچہ ابوداؤد شریف میں حضرت میمون بن ابی شبیب نے حضرت عائشہؓ کا ایک واقعہ نقل فرمایا ہے کہ

ان ام المؤمنین عائشة رضی الله عنها مربها سائل فاعطته کسرة ومربها رجل علیه ثیاب وهیاة فاقعدته فاکل فقیل لها فی ذلک فقالت قال رسول الله صلی الله وعلیه وسلم انزلوا الناس علی منازلهم [۲]	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک سائل آیا تو حضرت عائشہؓ نے انہیں روٹی کا ایک ٹکڑا ہاتھ میں تھما دیا (وہ سائل اسی سے خوش ہوکر چل دیا) اس کے بعد دوسرا سائل آیا جس کے کپڑے اور وضع قطع درست تھے (دسترخوان پر اسے بٹھا کر کھانا کھلایا، کسی نے (ان دونوں سائلوں کے درمیان) فرق کرنے کی وجہ پوچھی تو حضرت عائشہؓ نے بیان فرمایا کہ حضورؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ لوگوں کو ان کے مقام کے اعتبار سے اتارو، یعنی ان کے (رتبہ کے لحاظ سے ان کے ساتھ برتاؤ کرو)

علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ انزلوا الناس منازلھم کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کی قدر ومنزلت کے اعتبار سے ان کا احترام کیا جائے اور ان کے دین وعلم وشرافت کے لحاظ سے ان کے ساتھ برتاؤ کیا جائے،

ع[۱] مقدمہ مسلم شریف صہ۴جہ۱)

ع[۲] ابوداؤد صـ ۲۱۷ جـ ۲) کتاب الادب

لہذا خادم اور مخدوم کے مابین اسی طرح رئیس اور مرؤس کے درمیان برابری نہ کیا کرو، ورنہ اس کی وجہ سے آپس میں عداوت اور کینہ کپٹ پیدا ہو جائیگا۔

نیز حضور ﷺ نے اس حدیث کے ذریعہ سے اپنی امت کو ایک ادب سکھایا ہے کہ علماء و اولیاء اللہ کی تعظیم اور ہر ذیشان لوگوں کا اکرام اور بڑوں کی بزرگی کے اعتراف وغیرہ کے اعتبار سے لوگوں کا حق ادا کیا کرو[۱]

اسی طرح انسانوں کے مابین بہت سارے مواقع میں شریعت اسلامیہ نے فرق مراتب کیا ہے (فضلنا بعضهم علی بعض) صحابہ میں بھی شیخین (حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق رضی اللہ عنہما) کو دیگر صحابہ پر فضیلت ہے، حضرت حمزہؓ کو بھی دیگر شہداء پر افضلیت حاصل ہے، اسی طرح نماز میں بھی بڑے آدمیوں کا صف اول میں کھڑا ہونا اور بچوں کا پیچھے ہونا کتب فقہ میں مذکور ہے۔ امام کے قریب اہل علم وعقل کا کھڑا ہونا حدیث سے ثابت ہے[۲]

ع[۱] قال العلامة المناوی رحمه الله تعالیٰ انزلوا لناس منازلهم ای احفظوا حرمة كل احد علی قدره وعاملوه بمايلائم حاله فی دين وعلم وشرف فلاتسووا بين الخادم والمخدوم والرئيس والمروؤس فانه يورث عداوة وحقدافی النفوس ...... وقدالاسكری هذالحديث من الامثال والحكم وقال هذاما ادب به المصطفی ﷺ امته من ايفاء الناس حقوقهم من تعظيم العلماء والاولياء واكرام ذی الشيبة واجلال الكبير وماشبه (فيض القدير شرح الجامع الصغير صـ ۲۳۲ جـ ۵ رقم الحديث ۲۷۳۵)

عـ[۲] (لصف الحال) ظاهره يعم بيد ثم الصبيان ثم الخنائی ثم النساء (درمختار) قوله ظاهره يعم بيد) اشار به الی ان البلوغ مقدم علی الحرية لقوله صلی اللّه عليه وسلم ليلينی منكم اولوا الاحلام والنهی ای البالغون (شامی صـ ۳۱۴ جـ ۲. كتاب الصلوة باب الامامة.

اسی طرح فقیہ الامت حضرت مفتی اعظم صاحب نے فتاویٰ محمودیہ میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق نقل فرماتے ہیں کہ وہ دعوت میں عوام وخواص کا فرق کیا کرتے تھے۔ ؎۱

اسی طرح حضرت مفتی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ نشست اور دیگر چیزوں میں بھی کافی فرق ہوتا ہے۔ مثلاً مدرس کی تنخواہ زیادہ ہوتی ہے، طالب علم کا وظیفہ کم ہوتا ہے، مدرس بیش قیمت کپڑے پہنتا ہے اور طالب علم کم قیمت کا، مدرس کے بیٹھنے کی جگہ نمایاں ہوتی ہے، کبھی دری ہوتی ہے کبھی گدا اور کبھی تکیہ بھی اور طالب علم کے واسطے یہ چیزیں نہیں ہوتیں مدرس کا کمرہ مخصوص ہوتا ہے عامۃ وہ نمایاں رہتا ہے اور طلباء ایک کمرے میں کئی کئی رکھے جاتے ہیں۔

تو جب ان تمام چیزوں میں فرق ہے تو مخصوص کھانے اور مخصوص رعایت میں کوئی اشکال نہیں ہونا چاہئے۔

بعض حضرات مساوات کا نعرہ لگاتے ہوتے ہوئے ہر ایک کو ایک ہی صف میں شمار کرنا چاہتے ہیں، مدرسہ کے چاہے شیخ الحدیث ہوں یا بھنگی ایک ہی ڈنڈی سے سب کو تولنے لگتے ہیں، یہ غلط نظریات ہیں اس کی اصلاح ہونی چاہئے۔

مدرسہ کیلئے سرکار سے یا بینک سے قرض لینا

مدرسہ کی ضروریات کو عامۃ المسلمین کے چندہ سے پورا کیا جائے، مقامی چندہ سے کام نہ چلتا ہو تو بیرونی چندہ کیا جائے، اور اگر فی الفور سخت ضرورت پڑ جائے اور چندہ کی سہولت نہ ہو تو مسلمانوں سے بغیر سودی قرض لیا جائے سرکار اور بینک سود پر قرض دیتی ہے، جس کو لون کہتے ہیں اس کا لینا جائز نہیں۔ ؎۲

؎۱ مستفاد فتاوی محمودیه ص۴۸۰ ج۱۵.

؎۲ مستفاد فتاوی رحیمیه ص۶۸ ج۹.

مساجد ومدارس کا بیمہ کرانا

کسی چیز کا بھی بیمہ کرانا قطعاً ناجائز ہے، چہ جائے کہ مسجد اور مدرسہ کا بیمہ کیا جائے کیونکہ بیمہ کمپنی بذات خود بیمہ کی ہوئی چیز کی حفاظت نہیں کرتی اسلئے اس معاملہ کو عقد اجارہ میں داخل کر کے اشتراک علی الاجیر کا حکم نہیں لگایا جاسکتا ہے، بیمہ کرانا سود اور قمار سے مرکب ہے جو ناجائز ہے۔

البتہ بعض مقامات اور بعض ممالک میں تشدد پسند لوگ رہتے ہیں جو لوگوں اور خاص کر مسلمانوں کے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں جب بھی موقعہ ملتا ہے مسلمان کی جان و مال اور عبادت گاہوں، مساجد ومدارس کو نقصان پہونچاتے رہتے ہیں، اور جس جائداد کا بیمہ کیا ہوا ہوتا ہے اس کو نقصان نہیں پہنچاتے ہیں تو ایسی سنگین صورت حال میں پریشانی اور نقصان سے بچنے کیلئے عارضی طور پر کچھ وقت کیلئے جب تک خطرات کے خدشات ہوں جائداد کے ساتھ مساجد اور مدارس کا بھی بیمہ کرنا جائز ہوگا اور اس بیمہ کا عام لوگوں میں افشاء بھی کر دینا چاہئے تا کہ شر پسند لوگ نقصان پہنچانے سے باز رہیں کہ جب ان کو نقصان کی تلافی کمپنی کی طرف سے ہو ہی جاتی ہے تو نقصان پہنچانا بیکار ہوگا۔

مگر فقہاء کا قائدہ ملحوظ رہنا چاہئے (الضرورات تبیح المحضورات) کہ ضرورت ناجائز اشیاء کو جائز قرار دیتی ہے، لہذا بغیر ضرورت شدیدہ کہ بیمہ نہ کرایا جائے، نیز دوسرا قاعدہ یہ بھی ہے۔ (الضرورات تتقدر بقدر الضرورۃ) کہ ضرورت بقدر ضرورت ہی جائز ہوگی، لہذا جو رقم بیمہ کے ضمن میں ادا کی گئی ہے کمپنی سے ملنے کی صورت میں اتنی ہی رقم لینا جائز ہوگا، مسجد ومدرسہ کیلئے زائد رقم جائز نہیں ہوگی، زائد رقم غرباء وفقراء کو تقسیم کر دیا جائے، اگر ضرورت سمجھے تو مدرسہ ومسجد کے بیت الخلاء وغیرہ میں استعمال کرنے کو مفتیان کرام نے جائز قرار دیا ہے (مگر بہتر یہی ہے کہ غرباء ہی کو دیا جائے مسجد ومدرسہ کے کسی چیز میں استعمال نہ کیا جائے۔[۱]

ع[۱] مستفاد فتاوی رحیمیہ ص۱۲۳ ج۹)

مدرسہ کے مہتمم یا ذمہ دران کو بغیر تعیین مد کے رقم موصول ہوئی

کسی مدرسہ کے ذمہ دار کو اگر غیر متعینہ طور پر رقم موصول ہو جائے مثلاً کسی نے باہر ملک سے ڈرافٹ بھیجا ہے مگر یہ نہیں لکھا کہ اس رقم کو کس مد میں خرچ کیا جائے تو ذمہ دار مدرسہ کیلئے ضروری ہے کہ مد کی تعیین کی کوشش کرے، بھیجنے والے کے پاس خطوط اور فون کے ذریعہ معلوم کرے، اور اگر کسی طرح سے بھی معلوم نہ ہو سکے تو پھر دیکھا جائے کہ وہ پہلے کس مد میں بھیجا کرتا تھا، اسی میں خرچ کیا جائے اور اگر پہلی مرتبہ موصول ہوا ہے اور معلوم بھی نہیں ہے کہ کس مد میں بھیجا ہے اسی طرح مدرسہ کے اکاؤنٹ میں کسی اجنبی شخص نے بغیر اپنے نام کی تصریح کر کے ڈال دی ہے۔ اسی طرح مسجد کے اندر چندہ دیا گیا بغیر کچھ کہے ڈال کر چلے گئے تو ایسی رقم کے سلسلے میں غالب گمان زکوۃ کا کیا جائے اور طلباء سے تملیک کرا کے پھر صرف کیا جائے۔ احتیاط کا یہی تقاضہ ہے۔[1]

سرکاری زمین میں مدرسہ بنانا

مدرسہ ایسی جگہ بنانا چاہئے جو کسی مسلمان کی ملکیت میں ہو اور اس نے وہ جگہ برائے مدرسہ وقف کی ہو، یا برائے مدرسہ وہ جگہ خریدی گئی ہو، اگر ایسی جگہ میسر نہ ہو اور سرکاری زمین ہو تو اولاً وہ جگہ سرکار سے حاصل کرنے کی پوری پوری کوشش کی جائے اگر سرکار سے باقائدہ اجازت نہ مل سکے تو اس تاویل سے کہ سرکاری جگہ میں عوام کو بھی فائدہ حاصل کرنے کا حق ہوتا ہے، اور مدرسہ سے عوام کو فائدہ ہوتا ہے اور سرکار ایسے کاموں میں جس میں عوام کا فائدہ ہو دینے سے بخل نہیں کرتی اکثر منظوری دیدی جاتی ہے، تو اس امید پر وہاں مدرسہ جاری کریں کہ سرکار اجازت دیدے گی یا قیمتاً مل جائے گی، بعدہٗ اگر سرکار اجازت دیدے یا قیمتاً مل گئی تو اس کے بعد وہ جگہ مدرسہ کیلئے وقف کر سکتے ہیں۔[2]

ع[1] مستفاد فتاوی رحیمیہ ص۱۲۸ ج۹.

ع[2] ماخوذ فتاوی رحیمیہ ص۱۳۵/۱۳۶ ج۹.

لاوارث زمین میں مدرسہ بنانا

ایسی زمین جو لاوارث ہو جو چاہتا ہے قبضہ کر کے اپنا گھر وغیرہ بنالیتا ہے تو ایسی زمین کو قبضہ کر کے سرکاری کاغذات درست کرلیا جائے اور پھر مسلمانوں کے باہمی مشورہ اور رضا مندی سے اس جگہ پر مدرسہ بنالیا جائے تو درست ہے اور زمین کے قبضہ کرنے اور اس پر مدرسہ بنانے کے سلسلے میں ایسا کوئی طریقہ اختیار نہ کیا جائے جس سے فساد برپا ہو حسن تدبیر سے کام لیا جائے۔ [1]

وقف شدہ دینی مدرسہ میں عصری تعلیم کے داخل ہونے سے وقف کو بدلنا

کسی شخص نے اپنی جائداد زمین اور مکان ایسے مدرسہ کو وقف کیا جس میں ابتداءً دین کی بنیادی تعلیم کا نظام تھا بعد میں ترقی کر کے حدیث وتفسیر کے ساتھ انگریزی اور کچھ اسکولی نصاب کی کتابیں بھی شامل ہو گئیں اس پر واقف اپنے وقف کو واپس کرنا چاہے کہ میرا منشاء دینی ہے اسکولی نہیں تو اس کو اب یہ حق حاصل نہیں ہوگا کہ وہ وقف کو واپس کرلے یا کسی دوسرے ادارہ کو وقف کرے، کیونکہ دینی نصاب کے ساتھ بقدر ضرورت منطق اور فلسفہ ادب وجغرافیہ پڑھانے سے مدرسہ کا حکم نہیں بدلتا اسی طرح اس زمانہ کے حالات کے اعتبار سے بقدر ضرورت انگلش کی تعلیم سے کوئی فرق نہیں پڑتا، البتہ اس بات کا پورا خیال رکھا جائے کہ اسکول کی تعلیم کا غلبہ نہ ہو سکے۔ [2]

ع[1] فاذ اتم ولزم لايملك ولايملك ولايعار ولايرهن (درمختار) قوله لايملك اى لايكون مملوكا لصاحبه ولايملك اى لايقبل التمليك لغيره بالبيع ونحوه لاستحالة تمليك الخارج عن ملكه (شامی كتاب الوقف ص۵۳۹ ج۶) فتاوی محموديه ص۴۹۴/۴۹۵ ج۱۵)

ع[2] ولايجوز الرجوع عن الوقف اذا كان مسجلا (درمختار على هامش شامی ص۶۸۳ ج۶) اذا جعل ارضه وقفا على المسجد وسلم جاز ولايكون له ان يرجع (فتاوى قاضيخان على هامش الفتاوى العالمگيريه ص۲۹۱ ج۲) باب الرجل يجعل داره مسجدا كتاب الوقف)

مدرسہ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا اور نام بدلنا

مدرسہ جب ایک جگہ اچھی طرح چل رہا ہو وہاں کے لوگ اس سے فائدہ بھی اٹھا رہے ہوں اور تعاون بھی کر رہے ہوں تو اس جگہ کو چھوڑ کر بلا وجہ دوسری جگہ دوسرے نام سے مدرسہ کو منتقل کرنا درست نہیں ہوگا۔ یہ غرض واقف کے بھی خلاف ہے اور شریعت کے مزاج کے بھی خلاف ہے، واقف نے جو زمین، مکان مدرسہ کیلئے جس جگہ اور جس شہر وقصبہ کے لئے وقف کیا ہو اس کی پوری رعایت کرنا ضروری ہے اس جائداد کو بیچ کر دوسری جگہ بلا وجہ منتقل کرنا ممنوع ہے۔

البتہ اگر پہلی جگہ سے لوگ دوسری جگہ منتقل ہو گئے یا مختلف گاؤں اور علاقہ میں منتشر ہو گئے اور وہ مدرسہ کی قدیم جگہ ویران ہو گئی تو ظاہر ہے کہ ایسی غیر مانوس اور ویران جگہ پر مدرسہ چلانا بلا فائدہ ہے اسلئے ایسی صورت حال میں جہاں مسلم کی کثیر آبادی ہے اور جہاں کے لوگ چاہتے ہیں وہاں منتقل کر دیا جائے اس میں وقف کو ضائع کرنے سے حفاظت ہے اور اس کے فائدہ کو عام اور دوام بخشنا ہے جو شرعاً جائز ہے۔[1]

مدرسہ کی رقم دوسرے کو قرض دینا

مدرسہ کی رقم کا کوئی مالک نہیں ہے وہ اللہ کی ملک میں داخل ہو جاتا ہے اس رقم

ع[1] وما خالف شرط الواقف فهو مخالف للنص سواء كان نصه فى الوقف نصا اوظاهرا شرط الواقف كنص الشارع فيجب اتباعه (شامی کتاب الوقف ص۵۳۷ ج۶) نقل عن شمش الائمة الحلوانى انه يجوز للقاضى واللمتولى ان يبيعه ويشترى مكانه آخر وان الم ينقطع ولكن يؤخذ بثمنه ماهو خير منه للمسجد لاياع وقدروى عن محمد اذاضعفت الارض الموقوفة عن الاستغلال والقيم يجد بثمنها اخرى هى اكثر ريعا كان له ان يبيعها ويشترى بثمنهاماهو اكثر ريعا (البحر الرائق ص۲۲۵ ج۵ کتاب الوقف)

کو قرض پر دینا جائز نہیں ہے، احسن الفتاویٰ میں ہے اگر مہتمم نے ایسی خیانت کی تو وہ فاسق واجب العزل ہوگا اور اس رقم کا ضامن ہوگا۔[1]

مدرسہ میں دی ہوئی رقم واپس لینا

مدرسہ میں کسی نے بطور چندہ اور اعانت کے کچھ رقم دی تو اب اس کا واپس لینا جائز نہیں ہے کیونکہ رقم مدرسہ میں داخل ہونے کے بعد معطی کی ملکیت سے خارج ہو جاتی ہے، اگر چہ مدرسہ کے متعلق معلوم ہو کہ اس کے ذمہ دار خائن ہیں دیانتداری کے ساتھ رقم خرچ نہیں کرتے تو بھی واپس نہیں لی جائے گی، البتہ منتظمین کی اصلاح کی جائے انہیں موقع دیا جائے کہ اپنی کارکردگی کی اصلاح کرلیں اگر اصلاح نہ کریں تو منتظمین کو معزول کر کے نظم کسی صالح عالم دین کے حوالہ کیا جائے۔[2]

مسجد کی بالائی منزل پر مدرسہ بنانا اور بچوں کی کلاس لگانا

جب شروع سے ہی بالائی حصہ کو مسجد کی نیت سے تعمیر کردی گئی تو اس کا حکم بھی شرعی مسجد کا ہے اس کی بے احترامی اور شور غل کرنا اور دنیاوی باتیں کرنا سننا ناجائز ہے، مدرسہ بنانے کی شکل میں ظاہر ہے کہ اس احترام کا خیال نہ ہوگا بچے شور وغل کریں گے اور دنیاوی باتیں بھی ہوں گی یہ سب احترام مسجد کے خلاف ہے لہذا مسجد کے اوپر والے حصہ میں مستقلاً مدرسہ بنانا جائز نہیں ہے۔[3]

ع[1] احسن الفتاوی صـ ۱۷ ۴ جـ ۶)

ع[2] مستفاد احسن الفتاویٰ (صـ ۶ ۱ ۴/ ۱۷ ۴)

ع[3] و کرہ تحریما (الوطئ فوقه والبول والتغوط) لانه مسجد الی عنان السماء وکذا الی تحت الثری (درمختار مع الشامی صـ ۴۲۸ جـ ۲ احکام المساجد)

البتہ مدرسہ میں جگہ نہ ہو اور بچوں کی تعلیم خراب ہو رہی ہو تو جب تک انتظام نہ ہو تب تک عارضی طور سے محدود اور مختصر وقت کیلئے بڑے بچوں کی درسگاہ لگائی جا سکتی ہے۔ جو پورے طور سے مسجد کا احترام ملحوظ رکھ سکے، چھوٹے بچوں کی کلاس ہرگز نہ لگائی جائے کیونکہ وہ مستی طوفان کریں گے اس کے ذمہ دار منتظمین ہوں گے حضور ﷺ نے مسجد میں بچوں کو لانے سے منع فرمایا ہے چنانچہ ابن ماجہ میں ایک حدیث ہے۔

جنبوا مساجدکم صبیانکم ومجانیکم ع ۱ اپنی مسجدوں کو بچوں اور پاگلوں سے بچاؤ

اسی وجہ سے علامہ ابن نجیم مصری تحریر فرماتے ہیں کہ اگر بچوں کے نجس ہونے کا اندیشہ اور غالب گمان ہو تو بچوں کا مسجد میں داخل کرنا حرام ہے اور اگر ناپاکی کا غالب گمان نہیں ہے تو بھی بچوں کا مسجد میں داخل کرنا مکروہ ہے۔ [۲]

حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ مسئلہ بچوں کو قرآن شریف وغیرہ اجرت لے کر مسجد میں پڑھانا بالاتفاق ناجائز ہے۔ اور بلا اجرت محض ثواب کیلئے بعض فقہاء نے اجازت دی ہے (کذافی الاشباہ) لیکن بعض فقہاء اس کو بھی جائز نہیں سمجھتے کیونکہ بحکم حدیث مسجد میں بچوں کا داخل کرنا ہی ناجائز ہے [۳]

البتہ اگر شروع تعمیر سے ہی مسجد کے اوپر مدرسہ بنانے کا ارادہ کرلیا تو ضرورت شدیدہ کی صورت میں اوپر مدرسہ بنانے کی اجازت ہوگی ورنہ نہیں۔ [۴]

ع[۱] ابن ماجه شریف صـ۵۵ باب مایکره فی المساجد

ع[۲] منها حرمة ادخال الصبیان والمجانین حیث غلب تنجیسهم والافیکره (الاشباه والنظائر صـ۵۵۷)

ع[۳] حاشیه الاشباه عن القرتاشی اداب المساجد ماخوذ فتاوی رحیمیه صـ۱۳۶ جـ۹)

ع[۴] احسن الفتاویٰ صـ۴۴۳ جـ۶)

پرانی مسجد کومکتب بنانا

مسجد پرانی ہوگئی اور دوسری نئی مسجد بن گئی تو پرانی مسجد کو مکتب وغیرہ بنانا درست نہیں ہوگا، احسن الفتاویٰ میں تحریر کیا گیا ہے کہ مسجد جب ایک بار بن گئی تو وہ ہمیشہ مسجد ہی رہے گی خواہ لوگ اس میں نماز پڑھیں یا نہ پڑھیں۔ لہٰذا اس کو مکتب بنانا جائز نہیں ہے البتہ اس کی مسجدیت اور ادب واحترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس میں دین کی تعلیم دینا ان شرائط کے ساتھ جائز ہے۔

(۱) معلم اجرت لے کر نہ پڑھائے بقدر ضرورت وظیفہ لے سکتا ہے (۲) چھوٹے بے سمجھ بچوں کو مسجد میں نہ آنے دیا جائے (۳) مسجد کے احکام اور اداب واحترام کا پورا اہتمام رکھا جائے۔[1]

مسجد کی زمین پر مدرسہ تعمیر کردیا تو وہ مسجد کی ہی ملک رہیگی

جب مسجد کی زمین کسی نے وقف کیا یا عام چندہ سے خرید کر مدرسہ کے نام کردیا تو وہ مدرسہ کیلئے وقف ہوگیا تو اب اس پر مدرسہ بنانا ہوگا کسی بھی قسم کی تعمیر مسجد کے مفاد کے علاوہ جائز نہیں ہوگا۔

اور انجانے میں اس پر مدرسہ کی عمارت کردی گئی ہے تو مسجد کے متولی اور دیگر ذمہ داران اتنی رقم ارباب مدرسہ کو ادا کر کے عمارت کو مسجد کی تحویل میں لے لیں، پھر اگر مدرسہ کے ذمہ داران اس عمارت میں مدرسہ چلانا چاہے تو مسجد کے ذمہ داران سے اجارہ کا معاملہ طے کر کے اس عمارت کو کرایہ پر لے لیں، اور ارباب مسجد کو کرایہ ادا کیا کریں، زمین اور عمارت مسجد ہی کی ملک ہوگی۔[2]

ع[1] قال فی التنویر ولوخرب ماحوله واستغنی عنه یبقی مسجدا (درمختار) ولایجوز نقله ونقل ماله الی مسجداخرسواء کانوا یصلون فیه اولاوهوالفتویٰ حاوی القدسی واکثرالمشایخ علیه مجتبی وهوالاوجه فتح اه بحر (شامی صـ۵۴۸ جـ۶) (احسن الفتاویٰ صـ۴۵۶ جـ۶)

ع[2] مستفاد فتاوی رحیمیه صـ۱۶۲ جـ۹)

مدرسہ کی رقم سے تجارت کر کے نفع کو مدرسہ میں جمع کرنا

مدرسہ کے مہتمم یا دیگر ذمہ داران مدرسہ کے پاس جو رقم رہتی ہے وہ بطور امانت کے ہے ان کیلئے مدرسہ کی رقم میں اس طرح کا تصرف کرنا کہ جمع شدہ مال کو تجارت پر لگا دیا جائے اور اس سے جو نفع حاصل ہو مدرسہ میں جمع کیا جائے درست نہیں ہے اور مدرسہ کے مال میں کسی قسم کی تفریق درست نہیں ہے۔[1]

مہتمم یا ذمہ داران مدرسہ سے کسی نے تجارت کی تو اس میں سے جو نفع حاصل ہوا تو وہ تو مدرسہ کا ہوگا لیکن اگر نقصان ہو گیا تو نقصان کا بار اور اس کا ضمان تجارت کرنے والے پر ہوگا مدرسہ کو کسی طرح کے خسارہ کا ضامن نہیں قرار دیا جائے گا۔[2]

مدرسہ کی رقم دوسرے مدرسہ کو قرض دینا

کسی مدرسہ کے پاس مال کی فراہمی ہو اخراجات کے بعد بھی بچ جائے تو اس کو جمع کر کے رکھدیا جائے دوسرے مدرسہ میں تنگی ہے تو اس کی تنگی کو چندہ سے اور اصحاب

ع[1] اهل المسجد لوباعوا غلة المسجد اونقض المسجد بغير اذن القاضی الاصح انه لايجوز ...... وفی فتاوىٰ النسفيه سئل عن الاهل المحلة باعوا وقف المسجد لاجل عمارة المسجد قال لايجوز بامرا لقاضی وغيره (عالم گيری صـ۴۶۳ / ۴۶۴ جـ ۲) ولايجوز للقيم شراء شیء من مال المسجد لنفسه ...... ولاالبيع له وان كان فيه منفعة ظاهرة للمسجد بحرالرائق صـ ۴۰۱ جـ۵)

ع[2] ومقتضى ماقاله ابو السعود انه يقبل قوله فی حق براءة نفسه لافی حق صاحب الوظيفة لانه امين فيما فی يده فيلزم الضمان فی الوقف لانه عامل له وفيه ضرر بالوقف(شامی كتاب الوقف مطلب اذاكان الناظر مفسدا لايقبل قوله صـ ۶۷۰ جـ۶)

خیر کے تعاون سے دور کیا جائے نہ یہ کہ ایک مدرسہ کی رقم دوسرے مدرسہ کو قرض دی جائے یہ شرعاً درست نہیں ہے کیونکہ مدرسہ کے مہتمم اور ذمہ داران کے پاس جو رقم جمع رہتی ہے وہ بطور امانت کے رہتی ہے اور امین کو امانت میں سے کسی کو قرض دینا جائز نہیں ہے۔ البتہ چندہ دینے والے کی طرف سے اس رقم کو قرض دینے کی اجازت ہو تو پھر کسی کو قرض جائز ہوگا۔[۲]

مدرسہ کا روپیہ اپنے کام میں بطور قرض خرچ کرنا

بسا اوقات جو شخص چندہ کرنے جاتا ہے وہ شخص یا خود مدرسہ کے مہتمم یا جس کے پاس مدرسہ کی رقم جمع رہتی ہے وہ لوگ مدرسہ کی رقوم کو اپنے مصرف میں خرچ کر لیتے ہیں اور پھر سہولت سے ادا کرتے رہتے ہیں تو واضح ہو جانا چاہئے کہ ایسا کرنا خیانت ہے جس کسی کے پاس بھی مدرسہ کی رقم ہوتی ہے وہ امین ہے اور امانت میں خیانت کرنا منافق کی علامت ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرۃؓ سے ایک روایت منقول ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ

ع[۲] واما حکمها فوجوب الحفظ علی المودع وصیرورة المال امانة فی یده ووجوب ادائه عندطلب مالکه والودیعة لاتودع ولاتعار ولاتواجر ولاترهن وان فعل شیئا منهما ضمن (الفتاوی الهندیه صـ۳۳۸ جـ۴) کتاب الودیعة الباب الاول

ع[۳] رجل مع مالا من الناس لینفقه فی بناء المسجد فانفق من تلک الدرهم فی حاجة نفسه ثم ردبدنها فی نفقة المسجد لایسعه ان یفعل ذلک فان فعل عرف صاحب ذلک ردالمال علیه اوساله تجدید الاذن فیه (التاتار خانیه صـ۸۷۹ جـ۵) فصل ۲۴.

اٰیة المنافق ثلاث اذاحدث کذب واذا وعداخلف واذائتمن خان — منافق کی تین علامتیں ہیں (۱) جب بات کرے تو جھوٹ بولے (۲) جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے (۳) جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔[1]

لہٰذا امانت کی رقم خاص کرمدرسہ کا چندہ والا مال زکوۃ وصدقات وغیرہ کی رقم ہوا کرتی ہے اسے بہت احتیاط سے رکھنے اور ادا کرنے کی ضرورت ہے مگر آج مدارس کے ذمہ دار بے دریغ جب چاہے جیسے چاہے خرچ کردیتے ہیں مال مفت دل بے رحم کا پورا مصداق نظر آتے ہیں (الامان والحفیظ)

مدرسہ کی رقم سے طلبہ کو انعام دینا

مدرسہ کی رقم سے طلبہ کو سالانہ وششماہی امتحانات میں اعلی نمبرات کی کامیابی پر اسی طرح تقریری وتحریری مقابلہ میں امتیازی نمبرات پر یا طلبہ کی محنت پر خوش ہوکر ذمہ داران مدرسہ مناسب سمجھے اوران کی حوصلہ افزائی کرنے کی غرض سے انعام دینا چاہے تو دے سکتے ہیں جس طرح طلبہ کو وظیفہ دینا جائز ہے اسی طرح انعام بھی دینا درست ہے۔[2]

بیکار پڑی ہوئی عیدگاہ کی جگہ میں مدرسہ بنانا اور دوسری جائداد سے استبدال

عیدگاہ کی جگہ تنگ ہونے کی وجہ سے یا وسط شہر میں آنے کی وجہ سے لوگوں نے شہر سے باہر نئی عیدگاہ بنالی اور پرانی عیدگاہ یوں ہی معطل پڑی ہے تو اب اس میں مدرسہ بنانا جائز ہے یا نہیں، اس سلسلے میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ عیدگاہ بحکم مسجد ہے یا نہیں، اگر بحکم مسجد ہے تب تو اس کا استبدال کسی صورت میں جائز نہیں ہے اور اگر بحکم مسجد نہیں ہے تو بصورت تعطل استبدال باذن قاضی جائز ہے۔

ع[1] بخاری شریف صـ ۱۰ کتاب الایمان باب علامة المنافق

ع[2] (مستفاد فتاوی رحیمیه صـ ۵۰۹ جـ ۹)

علامہ شامی نے استبدال کی تین صورتیں نقل فرمائی ہیں (۱) واقف نے وقف کی ولایت وغیرہ کو اپنے لئے یا کسی اور کیلئے شرط لگائی ہو یا اپنے اور غیر دونوں کیلئے شرط کی ہوتو اس صورت میں بالاتفاق استبدال جائز نہیں ہے۔ (۲) واقف نے نہ اپنے لئے اور نہ کسی اور کیلئے شرط لگائی خواہ عدم شرط کا ذکر صراحۃً کیا یا خاموش رہا، لیکن وقف سے بالکلیہ انتفاع منقطع ہو گیا کہ اس سے کوئی چیز حاصل نہیں ہو رہی ہے تو اس صورت میں قاضی اگر مصلحت سمجھے تو اس کا استبدال کر سکتا ہے اور قاضی کی اجازت سے استبدال جائز ہوگا (۳) تیسری صورت یہ ہے کہ واقف نے نہ اپنے لئے اور نہ کسی اور کیلئے شرط لگائی ہے اور وقف معطل پڑا نہیں ہے بلکہ اس سے انتفاع ہو رہا ہے لیکن اس کا جو بدل ہوگا اس سے زیادہ نفع حاصل ہونے کا امکان ہے تو اس صورت میں استبدال جائز نہیں ہے۔

علامہ شامی کی مذکورہ تینوں شکلوں کو سمجھنے کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جب عیدگاہ بحکم مسجد نہیں ہے اور معطل پڑا ہوا بھی ہے تو اس میں مدرسہ بنانے کی صورت یہ ہے کہ عیدگاہ کے مثل یا اس سے زیادہ قیمتی شہر سے باہر زمین خرید کر عیدگاہ کیلئے وقف کی جائے اور یہ استبدال باذن القاضی ہو قاضی کے مفقود ہونے کی صورت میں جماعت مسلمین کا فیصلہ نافذ ہوگا۔ اس کے بعد اس پرانی عیدگاہ میں مدرسہ قائم کرنا جائز ہوگا ورنہ نہیں ۔[1]

ع[1] قال ابن عابدین الشامی رحمه الله علیه اعلم ان الاستبدال علی ثلثة وجوه الاول ان یشرطه الواقف لنفسه اولغیره اولنفسه وغیره فالاستبدال فیه جائز علی الصحیح وقیل اتفاقا والثانی ان لایشرط سواء شرط عدمه اوسکت لکن صار بحیث لاینتفع به بالکلیة بان لایحصل منه شیء اصلاولا یفی بمؤنته فهوایضا جائز علی الاصح اذاکان باذن القاضی ورأیه المصلحة فیه والثالث ان یشرطه ایضا ولکن فیه نفع فی الجملة وبدله خیرمنه ریعاً ونفعاً وهذالایجوز استبداله علی الاصح (بقیہ اگلے صفحہ پر)

ویران شدہ مسجد کی جگہ مدرسہ بنانا

مسجد کی عمارت منہدم ہو کر مسمار ہو گئی صرف زمین باقی ہو تو ایسی جگہ مدرسہ بنانا بھی صحیح نہیں ہے۔

حضرت مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ مسجد کی زمین پر عمارت رہے یا نہ رہے وہ جگہ تا قیامت مسجد کے حکم میں رہے گی چنانچہ درمختار کا حوالہ نقل فرماتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر مسجد کے اردگرد کا ماحول ویران ہونے کی وجہ سے مسجد سے بے اعتنائی ہو گئی تو بھی مسجد باقی رہے گی تا قیامت اس جگہ کو مسجد ہی شمار کیا جائے گا، اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے اور اسی قول پر فتویٰ ہے۔[1]

لہذا اس کا ادب واحترام، تعظیم وتکریم، واجب ہے اور بے حرمتی حرام ہے اور جب تک مدرسہ کا انتظام نہ ہو جماعت خانہ چھوڑ کر کسی اور جگہ بچوں کو تعلیم دی جاسکتی ہے اگر مسجد تعمیر نہ کر سکتے ہوں تو کم از کم چہار دیواری بنا کر اس کا احاطہ کرلیا جائے تا کہ مسجد کی بے حرمتی نہ ہو ورنہ آس پاس کے تمام مسلمان گنہگار ہوں گے (اور اس کی بے حرمتی اور پیشاب، پائخانہ کرنے کی وجہ سے) کسی آفت میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے مسجد کی جگہ میں مدرسہ بنانے کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔[2]

(بقیہ گذشتہ) المختار کذا حررہ العلامة قنالی زادہ فی رسالة الموضوعة فی الاستبدال واطنب فیھا علیہ الاستدلال وھو ماخوذ من الفتح ایضاً کما سنذکرہ عندقول الشارح لایجوز استبدال العامر الا فی اربع ویأتی بقیة شروط الجوازالخ(شامی صـ۳۸۳ تا ۳۸۴جـ۶)

ع[1] (ولو خرب ماحولہ واستغنی عنہ یبقی مسجدا عندالامام والثانی) ابداالی قیام الساعة (وبہ یفتی) (درمختار مع الشامی احکام المساجد صـ۵۴۸جـ۶)

ع[2] فتاوی رحیمیہ صـ۹۹جـ۹)

مدرسہ کی زمین میں عام مسجد بنانا

جب چندہ وغیرہ کے ذریعہ سے مدرسہ کیلئے زمین خریدی گئی اور پھر مدرسہ کے لئے وقف کردی گئی یا کسی صاحب خیر نے ہی مدرسہ کو زمین وقف کردیا اور اس پر تعمیر ہوکر مدرسہ شروع بھی کردیا گیا تو اس کو توڑ کر مسجد بنانا یا اسی عمارت میں مدرسہ موقوف کرکے مسجد شروع کردینا جائز نہیں ہے، حتی کہ مدرسہ کی آمدنی مسجد میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے اور نہ اس میں مدرسہ کی زمین کو مسجد کیلئے خریدنا جائز ہے۔[1]

مدرسہ کی زمین میں مدرسہ کیلئے مسجد بنانا

مدرسہ کیلئے زمین وقف کی گئی ہے یا مدرسہ کے چندہ سے زمین خریدی ہے اور ایک حصہ میں مدرسہ کی تعمیر ہوئی ہے تو دوسرے حصہ میں مدرسہ کے منافع کیلئے یعنی طلبہ کیلئے مسجد بنانا درست ہے، جب کہ بالکل متصل کوئی مسجد نہ ہو یا مدرسہ کے گراؤنڈ سے باہر نماز پڑھنے کیلئے جانے میں مدرسہ کا نظام بگڑتا ہو یا زیادہ وقت صرف ہوتا ہو یا مدرسہ کی حفاظت نہیں ہو پاتی ہو وغیرہ وغیرہ، تو مدرسہ کی زمین میں مسجد بنانا

ع[1] فاذا تم (الوقف) ولزم لایملک ولایملک ولایعار ولایرهن (درمختار) وقوله لایملک) ای لایکون مملوکا لصاحبه(ولایملک) ای لایقبل التملیک لغیره بالبیع ونحوه لاستحالة تملیک الخارج من ملکه اه (شامی صـ ۵۳۹ جـ ۶ کتاب الوقف) اتحدالواقف والجهة وقل مرسوم بعض الموقوف علیه بسبب خراب وقف احدهما جاز للحاکم ان یصرف من فاضل الوقف ا لأخر علیه وان اختلف احدهما بأن بنی رجلان مسجدین اورجل مسجدا ومدرسة وقف علیها اوقافا لایجوز ذلک (الدر المختار مع الشامی صـ ۵۵۱ جـ ۶)

ضروریات مدرسہ میں شامل ہونے کی وجہ سے جائز ہے اور مدرسہ کی مسجد بھی مسجد شرعی ہوگی اس میں عام لوگوں کو بھی نماز پڑھنے کی اجازت ملنی چاہئے اور چھٹیوں میں بھی نماز ہونی چاہئے۔[1]

مدرسہ کی عمارت کے اوپر مسجد بنانے سے شرعی مسجد نہیں ہوگی

اگر محلّہ کی مسجد قریب ہے لیکن طلبہ کے وہاں جانے سے طلبہ کا یا خود اس مدرسہ کا کسی طرح کا نقصان ہو رہا ہے اور مدرسہ کے پاس مستقل زمین نہیں ہے کہ اس میں مسجد بنا سکے یا مسجد مستقل بنانے سے قبل مصالح مدرسہ کی غرض سے دارالعلوم یا درسگاہ کی بلڈنگ کے اوپر والے منزلہ میں طلبہ کی نماز باجماعت کیلئے عبادت خانہ ہال بنایا اور اس کو مسجد کے نام سے مسموم کیا جانے لگا تو یہ ہال شرعی مسجد نہیں ہوگی کیونکہ اس کے تحتانی حصہ میں مدرسہ ہے اور شروع سے ایسی نیت بھی نہیں پائی گئی ہے لہذا اس میں جماعت کا ثواب ملے گا مگر مسجد کا ثواب نہیں ملے گا۔[2]

ع[1] ویبدأ من غلته بعمارته ثم ماهو اقرب لعمارته کامام مسجد ومدرس مدرسة (درمختار) شرط الواقف اولاثم ماقرب الی العمارة واعم للمصلحة کالامام للمسجدوالمدرس للمدرسة ...... ثم السراج والبساط وکذالک الی اخر المصالح (شامی کتاب الوقف ص۵۵۹ تا ۵۶۰ ج۶)

ع[2] من جعل مسجدا تحته سرداب اوفوقه بیت رجل بابه الی الطریق وعزله اواتخذ وسط داره مسجدا واذن للناس بالدخول فله بیعه ویورث عنه لانه لم یخصص لله تعالیٰ لبقاء حق العبدمتعلقا به وحاصله ان شرط کونه مسجدا ان یکون سفله وعلوه مسجدا لینقطع حق العبد عنه لقوله تعالیٰ (وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰهِ) (البحرالرائق کتاب الوقف ص۴۲۱ ج۵)

مدرسہ کے وقف کو بیچنے کے مسائل

فساد اور فتنہ کے ڈر سے مدرسہ کی زمین فروخت کرنا

کسی مدرسہ کو کسی صاحب خیر نے زمین وقف کی یا عام چندہ کی رقم سے مدرسہ کیلئے کوئی اراضی خریدی گئی مگر اہل مدرسہ اس پر قبضہ نہ کر سکے بیچ میں کوئی فتنہ باز شخص دخیل بن کر زمین پر قبضہ کرنے اور وہاں مدرسہ بنانے سے مانع رہا اگر زبردستی قبضہ کیا جائے تو خون خرابہ ہوگا فساد برپا ہوگا تو مجبوراً اس زمین کو فروخت کر کے اس کے مناسب زمین مدرسہ کیلئے خریدی جائے تو جائز ہے۔[1]

مدرسہ میں وقف شدہ قرآن کو فروخت کرنا

بعض لوگ اپنے میت کے ایصال ثواب کیلئے قرآن شریف، کتابیں وغیرہ وقف کرتے ہیں اور آہستہ آہستہ قرآن شریف اور کتابیں ضرورت سے زائد ہو جاتی ہیں تو بھی اس کو فروخت کرنا درست نہیں ہوگا کیونکہ وقف مکمل ہونے کے بعد اس کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔[2]

ع[1] سئل شیخ الاسلام عن اهل قریة رحلوا وتداعی مسجدها الی الخراب وبعض المتغلبة یستولون علی خشبة وینقلونه الی دورهم هل لواحد لاهل المحلة ان یبیع الخشب بامر القاضی ویمسک الثمن لیصرفه الی بعض المساجد اوالی هذاالمسجد قال نعم (الفتاوی الشامی صـ ۵۵۰ جـ ۶ کتاب الوقف) رجل وقف موضعا فی صحته واخرجه عن یده فاستولی علیه غاصب وحال بین الوقف وبینه قال الشیخ الامام ابوبکر محمد بن الفضل رحمة الله علیه یأخذ من الغاصب قیمتها ویشتری بها موضعا آخر فیقفه علی شرائط الاول (فتاوی قاضی خاں علی هامش عالمگیری صـ ۳۱۲ جـ ۳)

ع[2] فاذا تم (ای الوقف) ولزم لایملک ولایملک ولایعار ولایرهن (درمختار) وقول ولاعلیه) ای لایکون مملوکا لصاحبه ولایملک ای لایقبل التملیک لغیره بالبیع ونحوه لاستحالة تملیک الخارج عن ملکه (شامی صـ ۵۳۹ جـ ۶)

تعلیم کیلئے موقوفہ عمارت میں اساتذہ ومہتمم کا قیام اور کرایہ پر دینا

مدرسہ کیلئے عام چندہ کر کے اہل مدرسہ نے کوئی مکان خرید کر مدرسہ کیلئے وقف کیا یا کسی واقف نے عمارت کو اصل دینی تعلیم کیلئے وقف کیا ہے تو اس میں اصل تعلیم ہے تعلیم بند کر کے دوسرے کام میں لانا درست نہیں ہوگا، منشأ واقف کے خلاف اور خیانت ہے وقف میں واقف کے منشا کی پوری رعایت کرنی چاہئے۔[1]

البتہ تعلیم سے جگہ فارغ ہے تو فارغ جگہ میں رہائش بھی اختیار کی جا سکتی ہے، مہتمم اور مدرسین کیلئے مستقل مکانات نہیں ہیں تو ان کا اس وقف شدہ مکانوں میں رہائش کر کے اور اپنے بچوں کو رکھ کر یکسوئی کے ساتھ دینی تعلیم وتعلم میں مشغول رہنا منشا وقف کے خلاف نہیں ہے دینی تعلیم کے ساتھ ضرورۃً رہائش کیلئے ارباب حل وعقد کے مشورہ سے مکانوں کو استعمال کرنا جائز ہے۔[2]

ع[1] صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة (شامی کتاب الوقف صـ۶۶۵ جـ۶) ماخالف شرط الواقف فهو مخالف للنص و شرط الواقف كنص الشارع فيجب اتباعه (شامی کتاب الوقف مطلب ماخالف شرط الواقف صـ۵۳۷جـ۶)

ع[2] للحاكم الدين ان يصرف من فاضل وقف المصالح والعمارة الى الامام والمؤذن باستصواب اهل الصلاح من اهل المحلة ان كان الوقف متحدا لان غرضه احياء وقفه و ذلک يحصل بما قلنا (فتاوی شامی کتاب الوقف مطلب فی نقل انقاض المسجد صـ۵۵۱جـ۶) ويبدأمن غلته بعمارته ثم ماهو اقرب لعمارته كامام مسجد ومدرس مدرسه يعطون بقدر كفايتهم (درمختار) ای من غلته عمارته شرط الواقف اولاثم ماهو اقرب الى العمارة واعم للمصلحة كالامام للمسجد والمدرس للمدرسة يصرف اليهم الى قدر كفايتهم (شامی صـ۵۵۹ تا ۵۶۰جـ۶)

اسی طرح مدرسہ کے مکانوں کے مختلف حصے ہیں اکثر حصہ تعلیم میں مشغول ہے اور کوئی حصہ بیکار خالی پڑا ہے جو کرایہ پر دیا جا سکتا ہے تا کہ مکان کی صفائی کے ساتھ مدرسہ کو مالی فائدہ حاصل ہو تو جائز ہے۔[1]

مدرسہ کا مکان کرایہ دار خالی نہ کرے تو قانونی کارروائی کی جائے

واقف نے ہی وقف کرنے سے قبل مکان کو کرایہ پر دیا تھا یا بعد میں مدرسہ کے ذمہ دار نے کرایہ پر دیا مگر بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ مکانات کرایہ پر لے لیتے ہیں اور برسہابرس رہتے رہتے قابض ہو جاتے ہیں اولاً تو کرایہ بھی ادا نہیں کرتے اگر کرتے بھی ہیں تو معمولی کرایہ دیتے ہیں جس سے مدرسہ مسجد کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا، ایسا شخص شریعت کی نگاہ میں مجرم اور گنہگار ہے اور اس کا قبضہ گویا غاصبانہ ہے، ایسے شخص کے قبضہ سے مکان کو کسی طرح خالی کرالیا جائے اگر سہولت اور سمجھانے سے نہیں چھوڑتا ہے تو قانونی کارروائی کی جائے۔[2]

ع[1] قال الفقیه ابوجعفر رحمة الله علیه اذالم یذکر الواقف فی صک الوقف اجارة الوقف فرأی القیم ان یؤاجرها ویدفعها مزارعة فماکان ادرعلی الوقف وانفع للفقراء فعل (فتاوی قاضی خان علی هامش الهندیه صـ۳۳۲جـ۲)

ع[2] الواقف اذاآجر الوقف اجارة طویلة ان کان یخالف علی رقبتها التلف بسبب هذه الاجارة فللحاکم ان یبطلها وکذالک ان آجرها من رجل یخالف علی رقبتها من المستاجر فینبغی للحاکم ان یبطل الاجارة (التاتار خانیه کتاب الوقف الفصل السابع فی تصرف القیم فی الاقاف صـ۲۵۷جـ۵)

ایام تعطیل کی تنخواہ کا حکم

مدرسین مدرسہ کا معاملہ مدرسہ کے ساتھ عقد اجارہ ہے اور مدرسین اجیر خاص ہیں جن کا عقد اجارہ عمل کے بجائے وقت پر ہے جس کی مدت مدارس دینیہ کے عرف میں ایک سال ہے، لہذا تعطیل کا زمانہ ملازمت کا زمانہ ہے اس میں عقد اجارہ باقی ہے وہ عقد قطع نہیں ہوا ہے اسلئے پورے سال کی تنخواہ مع تعطیل کے مستحق ہوں گے۔

اور رمضان کی قید لگا دینا کہ اس کی تنخواہ جب ملے گی جب کہ وہ ابتدائی شوال میں حاضر ہو جائیں یا رمضان کی تنخواہ نہ دینے کی شرط شروع میں لگا دینا یہ اجارہ فاسد ہے کیونکہ یہ مقتضائے عقد کے خلاف ہے یا جب مدرسہ علیحدہ کرے تو تنخواہ ملے گی اگر خود سے برطرف ہوئے تو نہیں ملے گی یہ بھی مقتضاء عقد کے خلاف ہونے کی وجہ سے فاسد ہے ان تمام صورتوں میں مدرسین اجر مثل کا مستحق ہوگا اجر مسمی کا مستحق نہیں ہوگا۔[1]

بینک کے ملازم کو پیشگی تنخواہ دینے کی ایک خاص صورت

بینک اپنے ملازمین کو چھبیس ماہ کی تنخواہ کے برابر پیشگی رقم مکان کی تعمیر کیلئے دیتا ہے اس پر تین فیصد روپے وصول کئے جاتے ہیں اور ایک ایگریمنٹ بھی ہوتا ہے جس کی رو سے زمین اور اس پر تعمیر شدہ مکان بینک کے پاس رہن کر دیا جاتا ہے، سود اور ادائیگی وغیرہ کی شرائط پر دستخط کر دئے جاتے ہیں۔

تو اس مسئلہ کی شرعی اعتبار سے تین صورتیں ہیں اور ہر ایک کا حکم علیحدہ ہے (۱) اول صورت یہ ہیکہ زیادۃ فی المرھون صحیح ہے یا نہیں تو اس سلسلے میں علامہ حصکفی صاحب فتاویٰ شامی فرماتے ہیں کہ زیادۃ فی المرھون صحیح ہے (۲) دین رہن کو قسط وار وصول کرنا صحیح ہے یا نہیں تو تنویر اور اس کی شرح درمختار اور فتاویٰ شامی میں ہے کہ دین رہن کو قسط

---

[1] مستفاد احسن الفتاویٰ صـ۲٦۸ جـ۷ فتاوی مظاهر العلوم صـ۱۷۰ جـ۱)

وار وصول کرنا جائز ہے (۳) تیسری صورت یہ ہے کہ تین روپے فیصد بنام سود۔
وصول کئے جاتے ہیں وہ شرعاً سود ہے یا نہیں تو احسن الفتاویٰ میں ہے کہ تین روپے فیصد تنخواہ سے کاٹے جاتے ہیں وہ شرعاً سود نہیں ہے بلکہ تنخواہ تین فیصد کم کردی گئی ہے کسی چیز کا نام بدلنے سے حقیقت نہیں بدلتی ہے[1]

مدرسہ کے ملازم کو ملازمت کے علاوہ دوسرا کام کرنا

اگر نوکری کے اوقات معین ہیں کہ اتنے گھنٹے سے اتنے گھنٹے تک پڑھانا ہے یا دیگر کام کرنا ہے باقی اوقات مدرس کے اپنے ہیں تو خارجی اوقات میں ملازم و مدرس کو اپنا کام یا کسی اور جگہ پڑھانا جائز ہے بشرطیکہ مدرسہ کے کام میں وہ خارجی کام مخل نہ بنے، اور اگر نوکری کے اوقات متعین نہیں ہیں تو بلا ذمہ داران کی اجازت کے اپنا یا دوسرے کا کام کرنا جائز نہیں ہے[2]

چند سالوں کی اتفاقیہ چھٹی وغیرہ کو جمع کر کے ایک مرتبہ اجرت لینا

مدارس میں ملازم کو اتفاقی رخصت کا جو حق ہوتا ہے اگر کوئی ملازم کئی سالوں تک رخصت نہ لے تو اس کا حق آئندہ کیلئے باقی نہیں رہتا ہے سال گزرنے سے حق ختم ہو جاتا ہے لہذا چند سالوں کے بعد گذشتہ سالوں کی رخصت لینے کا حق نہیں ہے جب ہر سال ہر مہینہ کی تنخواہ وصول کر چکا تو دوبارہ مطالبہ کرنے کا حق کیسے ہوگا۔

ع[1] والزیادة فی الرهن تصح (شامی صـ ۳۷۲ جـ ۵) قال فی التنویر وشرحه ولایکلف من قضی بعض دینه وابرأبعضه تسلیم بعض رهنه حتی یقبض القبضة من الدین (فتاوی شامی صـ ۳۴۵ جـ ۵) ماخوذ مستفاد احسن الفتاویٰ صـ ۳۰۳ جـ ۷)

ع[2] امداد الفتاوی صـ ۳۵۶ جـ ۳)

اگر مدرسہ کی مقررہ چھٹیوں سے زائد چھٹیاں کیں تو ان زائد ایام کی تنخواہ لینا جائز نہیں ہے۔[1]

بیماری کے دنوں کی تنخواہ کا حکم

بعض مدارس کے ضابطے ہوتے ہیں کہ اتنے دن رخصت علالت و اتنے دن رخصت اتفاقیہ وغیرہ اب مدرس علالت کی رخصت کے مطابق غیر حاضر رہے تو اس کی تنخواہ ملے گی اور زائد کی تنخواہ نہیں ملے گی، اور بعض مدرسہ میں مطلقاً بیماریوں کے دنوں کی رخصت منظور کی جاتی ہے تو عقد اجارہ کے وقت جس طرح معاملہ طے ہو اسی طرح رخصت کی تنخواہ لینا جائز، ونا جائز ہوگا۔

اور اگر بوقت عقد کوئی صراحت نہیں کی گئی تو مدارس کے عرف پر عمل ہوگا اور مدارس میں رخصت علالت ملتی ہے اسلئے علالت کے دنوں کی تنخواہ لینا درست ہوگا۔[2]

کوئی مدرس یا امام اپنا نائب مقرر کر کے چلا گیا تو تنخواہ کون لے گا

مدرس یا امام کسی جگہ مستقل ملازم ہے کسی کام کی وجہ سے اپنے وطن یا کہیں اور جانے لگا تو عارضی طور سے اپنا نائب بنا کر چلا گیا تو اتنے دنوں کی اجرت کا مستحق کون ہوگا تو حضرت مولانا مفتی رشید صاحب احسن الفتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں کہ امامت اور تدریس میں نائب بنانا درست ہے مگر اجرت کا مستحق امام اور اصل مدرس ہوگا البتہ اصل نے نائب کیلئے کوئی اجرت مقرر کی ہو تو وہ اس کا مستحق ہوگا اور اگر اجرت مقرر نہیں کی تو وہ اجر مثل کا مستحق ہوگا۔[3]

ع[1] احسن الفتاویٰ صـ۲۸۳ جـ۷)

ع[2] احسن الفتاوی صـ۲۸۴ جـ۷)

ع[3] احسن الفتاوی صـ۲۸۵ جـ۷)

نا اہلیت کی وجہ سے معزول ہونے والا بقیہ ایام کی تنخواہ کا مستحق نہیں

کسی مدرسہ کے دستور میں لکھا ہو کہ عام حالات میں معزول کئے جانے والے مدرس کو ایک ماہ پہلے اطلاع دیدی جائیگی مگر کسی مدرس کی نا اہلیت کی وجہ سے مدرسہ نے معزول کرنے کی اطلاع پیشتر نہیں دی رجب کے اخیر میں اسے مدرسہ سے علیحدہ کر دیا گیا تو حقیقت میں وہ ماہ شعبان کی تنخواہ کا مستحق نہیں ہوگا۔[1]

سرکاری مدرسہ میں ملازمت کرنا جائز ہے

سرکاری مدارس میں حفظ قرآن، حدیث، تفسیر، فقہ، عقائد، وغیرہ کی صحیح تعلیم ہوتی ہے بقدر ضرورت ہندی انگیریزی، جغرافیہ وغیرہ کی بھی تعلیم ہوتی ہے تو فتاویٰ مظاہر العلوم میں تحریر ہے کہ نوکری جائز ہے اس کی تنخواہ حرام نہیں ہے اور نہ تعلق موالات میں داخل ہے کہ اس کی وجہ سے اس کو حرام کہا جائے۔[2]

فساد یا کسی اور وجہ سے مدرسہ بند رہا یا کسی خاص مدرس کو گھر بھیجا اس کی تنخواہ

ہندو مسلم فساد ہو گیا جس کی وجہ سے مدرسہ بند رہا یا کوئی مدرس گھر گیا ہوا تھا کہ اسی دوران فساد ہو گیا، یا مدرسہ میں طلبہ کے درمیان فساد ہو گیا یا کسی وجہ سے کچھ دنوں کیلئے مدرسہ بند کرنا پڑا اسی طرح سخت ٹھنڈک کا قہر شروع ہو گیا جس کی وجہ سے سرکاری طور سے تمام ادارے کو بند کرنے کا عام اعلان ہو گیا

الغرض ھنگامی طور سے مدرسہ کو بند کر دیا گیا تو ان ایام کی تنخواہ کا مستحق مدرس ہوگا کیونکہ انہوں نے اس دوران کوئی دوسرا کام نہیں کیا ہے اور مدرسہ کا اجارہ سال بھر

ع[1] مستفاد احسن الفتاوی صـ ۲۸۵ جـ ۷)

ع[2] فتاوی مظاہر العلوم صـ ۱۷۴ جـ ۱)

کیلئے ہوتا ہے اسلئے اتنے دنوں کی غیر حاضری کی تنخواہ مدرسین کو دی جائے گی مدرسین کو لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔[۱]

البتہ اگر مدرس نے استعفیٰ دیدیا ہوتا، یا اس کو اھل مدرسہ نے الگ کردیا ہو یعنی اس کی ملازمت ختم کردی جاتی اور تقرر جدید کر کے بلایا جاتا تو اس مدت کی تنخواہ لینا اور دینا درست نہیں ہوگا۔

طلبہ کے نہ ہونے سے کسی مدرس کو علیحدہ نہیں کیا جاسکتا

کسی مدرسہ کے مہتمم نے کسی مدرس کی تقرری کی مدرس میں کسی طرح کی کوئی کمی اور خامی نہیں مگر بیچ میں مہتمم مدرسہ نے کہا کہ مدرسہ میں بچے کم ہیں یا آپ کے درجہ میں کم طلبہ ہیں اور اتنے کم طلبہ کی وجہ سے مستقل مدرس رکھنے کی ضرورت نہیں ہے اسلئے مدرسہ آپ کو معزول کرتا ہے، تو حضرت مفتی رشید احمد صاحب احسن الفتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں کہ طلبہ کم ہونے کا عذر قابل قبول نہیں، اگر مہتمم صاحب نے

ع[۱] منها البطالة فی المدارس کایام الاعیاد ویوم عاشوراء وشهر رمضان لم یسقط من المعلوم شیء (الاشباه والنظائر الفن الاول فی القوائد القاعدة السادسة صـ۳۰۰ جـ۱) وهل یأخذ ایام البطالة کعیدورمضان لم اره وینبغی الحاقه ببطالة القاضی والاصح انه یأخذ (درمختار) ان کان الواقف قدرالمدرس لکل یوم مبلغاً فلم یدرس لایحل له ان یأخذ بخلاف ماذالم یقدرلکل یوم مبلغا فانه یحل له الاخذ وان لم یدرس فیهما للعرف (شامی کتاب الوقف مطب فی استحقاق المدرس صـ۵۶۷ تا ۵۶۸ جـ۶) الاجیر الخاص مستحق الاجرة اذاکا ن فی مدة الاجارة حاضرالعمل لکن لیس له ان یمتنع عن العمل واذاامتنع لاستحق الاجر(شرح المجلة رقم اعادة صـ۴۲۵جـ کتاب الاجاره)

بلاضرورت مدرس رکھا ہے تو وہ پورے سال کی تنخواہ اپنے پاس سے دیدیں
کیونکہ عقد تدریس سالانہ ہے۔[1]

کمیشن پر چندہ کرنا عقد باطل اور حرام ہے

بعض مدارس والے کمیشن پر چندہ کرواتے ہیں اور علماء وسفراء بھی کمیشن پر اس طرح چندہ کرتے ہیں کہ نصفہ نصفی یا ثلث وربع سفیر کو اور باقی مدرسہ کو تو یہ طریقہ غلط اور شرعاً ممنوع ہے حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ احسن الفتاوی میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ معاملہ دو وجہ سے ناجائز ہے۔

(۱) اجرت من العمل ہے جو ناجائز ہے اس کی تصحیح یوں کی جاسکتی ہے کہ اجرت من العمل کا ذکر بطور شرط نہ ہو بلکہ صرف تعین وتحدید کیلئے ہو، یہ مفسد نہیں ہے یعنی اگر قفیز طحان میں یہ شرط نہ ہو کہ اسی طحین میں سے دیا جائے گا تو جائز ہے۔

(۲) دوسری وجہ ناجائز ہونے کی یہ ہے کہ اجیر اس عمل پر بنفسہ قادر نہیں قادر بقدرۃ الغیر ہے اس کا عمل چندہ دینے والوں کے عمل پر موقوف ہے اور قادر بقدرۃ الغیر بحکم عاجز ہوتا ہے جب کہ صحت اجارہ کیلئے قدرت بنفسہ شرط ہے چنانچہ قفیز طحان کے فساد کی علت بھی یہ ہی ہے مستاجر اجرت دینے پر عامل کی قدرت کی وجہ سے قادر ہے بنفسہ قادر نہیں ہے۔

حسب تصریح فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ بوقت عقد اجیر کا قادر علی العمل ہونا اور تاجر کا قادر علی تسلیم الاجرت ہونا صحت عقد کیلئے شرط ہے۔

معاملہ مذکورہ میں قفیز طحان سے بھی زیادہ فساد ہے اس لئے کہ قفیز طحان میں اجرت جو حق اجیر ہے وہ اسی اجیر ہی کے عمل پر موقوف ہے اور وہ بذریعہ وصول اجرت پر قادر ہے مگر مسئلہ زیر بحث میں اجیر کو عمل پر کسی قسم کی بھی قدرت حاصل نہیں ہے غیر کا محتاج ہے۔[2]

---

[1] احسن الفتاویٰ صـ ۲۹۴ جـ ۷)

[2] احسن الفتاوی کتاب الاجارہ صـ ۲۷۶ جـ ۷)

سفراء مدارس کا خرچہ کہاں سے دیا جائے

مدارس کے سفراء کا حال عاملین صدقات جیسا نہیں ہے، اموال ظاہرہ کی زکوۃ بیت المال کے عاملین کو دینا لازم ہوتا تھا عاملین اس کے وصول کرنے کے ذمہ دار ہوتے تھے۔ارباب اموال اگران کو زکوۃ نہ دیں تو مجرم اور سخت سزا کے مستحق ہوتے تھے عاملین کو زکوۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی تھی۔

سفراء کی حیثیت عاملین جیسی نہیں ہے وہ محض وکیل اور امین ہیں فقراء ومساکین اور نادار طلبہ کے، ان کو مستحقین تک من وعن پہونچادیا جائے۔لہذا سفراء کا خرچ یعنی کھانا پینا اور کرایہ وغیرہ ضروریات زکوۃ وصدقات واجبہ اور چرم قربانی، وصدقہ الفطر وغیرہ سے نہ دیا جائے، بلکہ حضرات سفراء اپنا خرچ خود لے کر سفر کریں اور بعد میں مدرسہ سے لیں یا مدرسہ ہی خرچ دے کر بھیجے اگر اس کی گنجائش نہیں تو عطایا اور للہ وامداد کی رقم سے خرچ کریں۔[1]

نکاح کے موقع پر مدرسہ کیلئے چندہ کرنا

بعض علاقہ میں یہ رسم ہے کہ نکاح کے موقع پر نکاح کرنے اور کرانے والے پر

ع۔[1] (هی ای الزکوة) تملیک المال من فقیر مسلم غیر هاشمی ولامولاه بشرط قطع المنفعة عن المملک کل وجه لله تعالیٰ (بحر الرائق صـ ۳۵۲ جـ ۲) عن ابی هریرة رضی الله عنه قال لماتوفی النبی صلی الله علیه وسلم استخلف ابوبکر رضی الله عنه بعده وکفر من کفرمن العرب فقال ابوبکر والله لاقاتلن من فرق بین الصلوة والزکوة فان الزکوة حق المال والله لومنعونی عنا قا کا نوا یؤدونها الی رسول الله صلی الله علیه وسلم لأقاتلنهم علی منعها الحدیث (مشکوة المصابیح کتاب الزکوة صـ ۱۵۷ جـ ۱)

زبرستی دعویٰ کر کے مسجد اور مدرسہ کیلئے چندہ لیتے ہیں نہ دیں تو اس کا بائکاٹ کیا جاتا ہے، یا زبرستی نہیں کرتے مگر رسم ہی اس طرح بن گئی ہے کہ لوگوں کو دینا پڑتا ہے تو یہ شرعاً ناجائز ہے بخوشی دیدیں تو لے لیا جائے اور رسم کی وجہ سے بھی دیں تو بھی لینا درست نہیں ہے اس کا اندازہ جب لگے گا جب کہ عام دنوں میں چندہ دینے اور نہ دینے سے کسی طرح کی کوئی ناراضگی نہ ہوتی ہو اسی طرح نکاح کے موقع پر نہ دینے سے کوئی اور عمل ظاہر نہ ہوتا ہو۔[۱]

خیراتی مدرسہ میں صاحب نصاب کے بچوں کی تعلیم

جو مدرسہ زکوۃ، چرم قربانی، فطرہ، امداد اور لوگوں کے عام چندہ سے چلتا ہے، تو ایسے مدرسہ میں صاحب نصاب مالدار کے بچے تعلیم تو حاصل کر سکتے ہیں مگر ان بچوں کو مدرسہ سے امداد کھانا، کپڑا، کتابیں، وغیرہ لینا درست نہیں ہے ان کو ماہانہ فیس ادا کرنا چاہئے، اور اگر مالدار لوگ غافل ہوں اپنے بچوں کو دینی تعلیم نہ دینا چاہتے ہوں یا اللہ کے راستہ میں خرچ نہ کرنا چاہتا ہو تو بچوں کو غریب سمجھ کر ان کو تعلیم دینے کی کوشش کی جائے اور مدارس سے امداد لی جائے تو جائز ہوگا۔[۲]

ع[۱] قال الله تعالیٰ (ولاتأكلوا اموالكم بينكم بالباطل) سورة البقرة عن ابی حره الرقاشی عن عمه رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ الالاتظلموا الالایحل مال امری مسلم الابطيب نفسه منه(سنن الكبریٰ للبيهقی كتاب الغصب صـ۱۵۴۵ جـ۶ دارالكتب العلميه بيروت)

ع[۲] الزكوة هی تمليک المال من فقير مسلم غير هاشمی ولامولاه بشرط قطع المنفعة عن مملک كل وجه لله تعالیٰ (بحرالرائق صـ۳۵۲ جـ۲. كتاب الزكوة) ماخوذ ومستفاد فتاوی رمحموديه صـ۱۰۶ جـ۱۵)

مستحق طلبہ کی امید پر چندہ لینا

بعض علاقے میں انتہائی غربت اور دین سے دوری اور جہالت عام ہے وہاں پر مدرسہ قائم کر کے اس امید پر چندہ لینا کہ آئندہ بچوں کو رکھیں گے یا رقم جمع ہونے پر آئندہ بچوں کا اضافہ کریں گے تو اس امید پر چندہ لینا درست ہے دھوکا دہی نہیں ہے، مگر اس بات کا خیال رہے کہ جس مد کیلئے رقم وصول کی جائے اسی میں خرچ کی جائے۔[1]

مدرسہ کے نام پر جعلی چندہ کر کے اپنے مصرف میں خرچ کرنا

بعض مولوی مدرسہ کیلئے جھوپڑے وغیرہ کھڑے کر کے بہت لمبا چوڑا آئینہ جامعہ تیار کرتے ہیں سیکڑوں کی تعداد میں کھانے والے یتیم وغریب اور مساکین طلبہ کی فہرست بناتے ہیں درجنوں مدرسین وملازمین کا جعلی تعارف نامہ چھپواتے ہیں اور لمبا چوڑا گوشوارہ بنا کر لوگوں کو دھوکا دے کر جعل سازی سے زکوٰۃ، صدقات، اور چرم قربانی وغیرہ کی رقوم کو وصول کر کے اپنے مکان، دکان اور ذاتی ضروریات میں بے دریغ خرچ کرتے ہیں کبھی کبھار مدرسہ میں بھی خرچ کر دیتے ہیں تو ایسا شخص دھوکے باز ہے لوگوں کی زکوٰۃ کو خراب کر کے خود اپنی آخرت خراب کرتے ہیں ان کو توبہ کرنی چاہئے اور جن جن لوگوں کی رقم وصول کی ہے ان کو واپس کرنا چاہئے یا خود جس مدرسہ کیلئے چندہ وصول کیا ہے اس میں لگانا چاہئے۔[2]

ع[1] مستفاد فتاوی محمودیہ جدید صـ۵۷۴ جـ۱۵)

ع[2] عن ابی هریره رضی الله تعالیٰ عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال اٰیة المنافق ثلث اذاحدث کذب واذا وعد اخلف واذاؤتمن خان(صحیح مسلم صـ۵٦ جـ۱) ویلزم ردالمغصوب عینا وتسلیمة ای صاحبه فی مکان الغصب ان کان موجودا (شرح المجله لسلیم رستم جاز رقم اعادة صـ ۸۹ کتاب الغصب صـ۴۸۸ مکتبه حنفیه کوئٹه)

باب فضل بناء المسجد
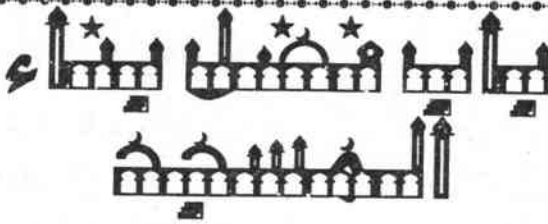
(۱) عن عثمانؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من بنی للہ مسجدا بنی اللّٰہ له بیتا فی الجنة (منفق علیه) (مشکوٰۃ شریف)

حضرت عثمانؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو اللہ کیلئے مسجد تعمیر کریں تو اللہ تعالی اس کے لئے جنت میں گھر بناتے ہیں۔

(۲) عن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من بنی مسجدا یذاکر فیه اسم اللہ بنی اللہ له بیتا فی الجنة (کنزالعمال)

حضرت عمرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا جو آدمی مسجد بنائے جس میں اللہ کا ذکر کیا جاتا ہو تو اللہ اس کے لئے جنت میں گھر بناتے ہیں۔

(۳) عن عائشة قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من بنی للہ مسجدا لایرید به ریائا ولاسمعة بنی اللہ له بیتا فی الجنة. (کنزالعمال)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو اللہ کیلئے مسجد کو بنائے جس کے ذریعہ نہ تو شہرت چاہتا ہے اور نہ ناموری تو اللہ اس کے لئے جنت میں محل بناتے ہیں۔

(۴) عن ابی هریرةؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من بنی للہ مسجدا یعبداللہ فیه من مال حلال بنی اللہ له بیتا فی الجنة من دروياقوت. (کنزالعمال)

حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو اللہ تعالیٰ کے لئے حلال مال سے مسجد بنائے جس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کیجاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کیلئے جنت میں موتی اور یاقوت کا محل بناتے ہیں۔

(۵) عن عثمان بن عفانؓ یقول عند الناس منه حین بنی مسجدالرسول اللهﷺ انکم قداکثرتم وانی سمعت رسول اللهﷺ یقول من بنی مسجدا قال بکیر حسبت انه قال یبتغی به وجه الله بنی الله له مثله فی الجنة (رواه البخاری صـ۶۴)

حضرت عثمانؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضورﷺ کوفرماتے ہوئے سنا کہ جس نے اللہ کی خوشنودی کے واسطے مسجد بنائی تو اللہ تعالیٰ اس کے مثل جنت میں اس کیلئے گھر بنائیں گے۔

باب الکسب وطلب الحلال

(۶) عن المقداد بن معدیکرب قال قال رسول اللهﷺ ما أکل احد طعاما قط خیرا من ان یأکل من عمل یدیه (رواه البخاری)

اللہ کے رسولﷺ نے فرمایا کہ آدمی اپنے ہاتھ سے کمایا ہوا کھائے ،وہ سب سے بہتر ہے۔ (مشکوٰۃ شریف صـ ۲۴۱)

(۷) عن ابی هریرةؓ قال قال رسول اللهﷺ یأتی علی الناس زمان لایبالی المرء ماأخذ منه أمن الحلال أم من الحرام (رواه البخاری) (مشکوة شریف صـ ۲۴۱)

اللہ کے رسولﷺ نے فرمایالوگو! ایسا زمانہ آنے والا ہے جس میں آدمی پرواہ نہیں کرے گا کہ اس نے حلال مال میں سے لیا ہے یاحرام میں سے۔

(۸) عن جابر رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول اللهﷺ لایدخل الجنة لحم نبت من السحت وکل لحم نبت من السحت کانت النار اولی به (رواه احمد والدارمی والبیهقی فی شعب الایمان) (مشکوة شریف صـ ۲۴۲)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضورﷺ نے فرمایا کہ جنت میں وہ گوشت داخل نہیں ہوسکتا جوحرام کمائی سے بڑھا ہو، اور جوبھی گوشت حرام کمائی سے بڑھتاہے اس کے لئے بہتر جہنم ہی ہے۔

(۹) عن رافع بن خدیج قال قیل لرسول اللہ ﷺ ای الکسب اطیب قال عمل الرجل بیدہ وکل بیع مبرور (رواہ احمد)

اللہ کے رسول ﷺ سے پوچھا گیا کون سی کمائی سب سے بہتر ہے، جواب دیا کہ آدمی کا اپنے ہاتھ سے کام کیا ہوا اور ہر امانت داری والی بیع۔

(۱۰) عن ابی بکرؓ قال قال رسول اللہ ﷺ لایدخل الجنة جسد غذی بالحرام (رواہ البیهقی فی شعب الایمان) (مشکوۃ شریف ص۲۴۳)

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ ایسا جسم جنت میں داخل نہیں ہوگا جسے حرام کی غذا دی گئی ہو۔

باب فضل الهبة و کراهیة ردہ

(۱۱) عن ابی هریرة قال قال رسول اللہ ﷺ یا نساء المسلمات لاتحقرن جارة لجارتها ولو بفرسن شاہ .
(رواہ البخاری ص۳۴۹)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے وہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کوئی پڑوسی اپنے پڑوسی کے ہدیہ کو حقیر نہ سمجھے چاہے بکری کے کھر ہی کیوں نہ ہو۔

(۱۲) عن ابی هریرةؓ عن النبی ﷺ قال لودعیت الی ذراع اوکراع لاجبت ولواهدی الی ذراع اوکراع لقبلت
(رواہ البخاری ص۳۴۹)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک دست ایک پائے کیلئے مجھے دعوت دی جائیں تو یہ قبول کروں گا اور جاؤنگا اگر مجھے ہدیہ دی جائیں تو بھی قبول کروں گا۔

(۱۳) عن عائشةؓ انها قالت لعروة یاابن اختی ان کنا لننظر الی الهلال ثم الهلال ثلثة اهلة فی شهرین وما اوقدت فی ابیات

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے حضرت عائشہؓ نے عروہ سے فرمایا اے میرے بھانجے: ہم ایک چاند سے دوسرے چاند پھر تیسرے چاند تک دومہینہ انتظار کرتی اور

رسول اللہ نار فقلت یا خالۃ ماکان یعیشکم قالت الاسود ان التمر والماء الاانہ قدکان لرسول اللہ ﷺ جیران من الانصار کانت لھم منائح وکانوا یمنحون رسول اللہ من البانھم فیسقیناہ۔
(بخاری صہ ۳۴۹ جہ ۱)

رسول خدا کے گھروں میں آگ نہیں جلائی جاتی (کھانا نہیں پکایا جاتا) عروہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا ''اے خالہ'' آپ کو کیا چیز زندہ رکھتی تھی فرمایا، دوسیاہ چیزیں، کھجور، اور پانی، مگر یہ کہ کچھ انصار رسول اللہؐ کے پڑوسی تھے جن کے پاس دودھ والی بکریاں تھیں وہ رسول اللہ کو ھدیہ کے طور پر دودھ پیش کردیتے تو ہم اسکو پی لیتے۔

(۱۴) عن ابی ھریرۃ قال کان رسول اللہ ﷺ اذا أتی بطعام سأل عنہ أھدیۃ ام صدقۃ فان قیل صدقۃ قال لاصحابہ کلوا ولم یاکل وان قیل ھدیۃ ضرب بیدہ فاکل معھم.
(رواہ البخاری صہ ۳۵۰ جہ ۱)

حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جب کوئی کھانا پیش کیا جاتا تو آپؐ پوچھتے تھے کہ ھدیہ ہے یا صدقہ، اگر کہا جاتا کہ صدقہ ہے تو آپ اپنے اصحاب سے فرماتے کہ تم لوگ کھالو اور خود نہ کھاتے اور کہا جاتا کہ ہدیہ ہے تو آپ اپنے صحابہ کے ساتھ کھانے لگتے۔

(۱۵) عن ابن عباس قال قال النبی ﷺ العائد فی ھبۃ کالکلب یقئی ثم یعود فی قیئہ
(بخاری شریف جلد ۱۔ باب ھبۃ الموجل لامرأتہ ولمرأ (لزوجھا)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ھبہ کرکے رجوع کرنے والا کتے کی طرح ہے کہ کتا قئی کرتا ہے پھر اس سے رجوع کرتا ہے۔

(١٦) عن عدی بن حاتمؓ ان رسول اللہ ﷺ قال اتقوالنار ولوبشق تمرة (متفق علیہ) (اخرجہ صحیح البخاری کتاب الادب باب طیب الکلام وصح مسلم کتاب الزکوة)

حضرت عدی بن حاتمؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم لوگ آگ سے بچو، اگر چہ کھجور کے ایک ٹکرے کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو۔

(١٧) عن عبدالعزیز کانت الھدیة فی زمن رسول اللہ ﷺ ھدیة والیوم رشوة.

(رواہ البخاری صـ۳۵۳)

حضرت عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ حضورؐ کے زمانے میں ہدیہ لینے دینے کو ہدیہ سمجھا جاتا تھا لیکن آج کے زمانہ میں رشوت بنادیا گیا ہے۔

(١٨) عن اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنھما قالت قال لی رسول اللہ ﷺ لاتوکی فیوکی علیک وفی روایة انفقہ او انفعہ او انفحہ ولاتحصی فیحصی اللہ علیک ولاتوعی فاوعی اللہ علیہ (متفق علیہ) (اخرجہ صحیح البخاری کتاب الزکاة باب التحریض علی الصدقة.

(صحیح مسلم کتاب الزکوة)

حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیقؓ سے روایت ہے کہ مجھ سے رسول اللہ نے ارشادفرمایا مال کوروک کرنہ رکھو کہ اللہ بھی تم سے روک لیگا، ایک اورروایت میں ہے کہ خرچ کرویا عطیہ دو، یامال کوپھینکواور مال کو گن گن کرذخیرہ بناکرنہ رکھواللہ بھی تم سے مال کودور کردے گا اور نہ مال کومحفوظ کرو ورنہ اللہ بھی تم سے مال کومحفوظ کریگا۔

(۱۹) عن ابی سعید الخدریؓ قال بینما نحن فی سفر مع النبی ﷺ اذجاء رجل علی راحله له فجعل یحرف بقوة یمینا وشمالا فقال رسول الله من کان معه فضل ظهر فیعدبه علی من لاظهر له ومن کان له فضل من زاد فیعدبه علی من لازاد له وذکر من اصناف المال ماذکر حتی رأینا انه لاحق لاحد منا فی فضل (مسلم شریف)(اخرجه صحیح بخاری کتاب القطه باب استحباب الموسات بفضول المال وهکذا فی ابی داؤد)

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ایک سفر میں ہم نبی کریم ﷺ کیساتھ تھے، کہ ایک آدمی اپنی سواری پر آیا اور دائیں بائیں اپنی نظر کو گھمانے لگا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کے پاس زائد ہو، تو اس کو چاہئے کہ وہ اس کو دیدے جس کے پاس سواری نہ ہو اور جس کے پاس زائد توشہ ہو تو وہ اس کو دیدے جس کے پاس توشہ نہ ہو، اسی طرح آپؐ نے مختلف مالوں کا ذکر کیا یہاں تک کہ ہم نے خیال کیا کہ ہم میں سے کسی شخص کا ضرورت سے زائد مال پر کوئی حق نہیں۔

(۲۰) عن انسؓ قال ان النبی ﷺ کان لایرد الطیب
(بخاری شریف صـ ۳۵۱)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ خوشبو کو واپس نہیں فرماتے تھے۔

باب فضل الصدقة

(۲۱) عن ابی هریرة قال قال رسول اللّٰه ﷺ مانقصت صدقة من مال ومازاد اللّٰه عبدا بعفو الاعزاوماتواضع احد للّٰه الارفعه اللّٰه (رواه مسلم)
(مشکوة شریف صـ۱۷۶)

حضور اقدس کا ارشاد ہے کہ صدقہ مال کو کم نہیں کرتا اور عفو (درگزر) سے اللہ تعالیٰ بندے کی عزت میں اضافہ ہی فرماتے ہیں اور جو شخص اللہ تبارک وتعالیٰ کے خاطر تواضع کرتا ہے تو اللہ اس کو رفعت وسربلندی بخشتے ہیں۔

(۲۲) عن علیؓ قال قال رسول الله ﷺ بادروا بالصدقة فان البلاء لایتخطاها (راوه رزین)
(مشکوۃ شریف صـ ۱٦۷)

حضور علیہ السلام نے فرمایا صدقہ دینے میں جلدی کرو اسلئے کہ مصیبت صدقہ سے تجاوز نہیں کرتی۔

(۲۳) عن انس رضی الله تعالیٰ قال قال رسول الله ﷺ ان الصدقة لتطفئ غضب الرب وتدفع میتة السوء (رواه الترمذی)
(مشکوۃ شریف صـ ۱٦۸)

حضور علیہ السلام کا راشاد ہے کہ صدقہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے غضب کو ٹھنڈا کردیتا ہے اور سوء خاتمہ سے بندے کو محفوظ کردیتا ہے (یعنی موت کے وقت بری حالت کو دور کردیتا ہے)

(۲۴) عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله ﷺ لقد رأیت رجلا یتقلب فی الجنة فی شجرة قطعها من ظهر الطریق کانت تؤذی الناس (رواه مسلم)
(مشکوۃ شریف صـ ۱٦۸)

نبی کریم علیہ السلام نے ارشادفرمایا کہ میں نے ایک شخص کو جنت میں دیکھا کہ درخت پر ادھرادھر ٹہل رہا ہے جس کو اس نے راستے پر سے کاٹا تھا جو لوگوں کیلئے تکلیف دہ تھا۔

(۲۵) عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ اذامات الانسان انقطع عنه عمله الامن ثلثة صدقة جاریة أوعلم ینتفع به أوولد صالح یدعوله (رواه مسلم)

نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اس سے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں سوائے تین چیزوں کے، صدقۂ جاریہ سے اور وہ علم جس سے فائدہ حاصل کیا جاسکے، اور ایسا نیک لڑکا جو اس کیلئے دعائے خیر کرے۔

(۲٦) عن جابر رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله ﷺ کل معروف صدقه (متفق علیه) ولکن اخرجه البخاری من حدیث جابر واخرجه مسلم من حذیفه)

اللہ کے رسول علیہ السلام نے فرمایا کہ ہر بھلائی صدقہ ہے۔

(۲۷) عن ابی امامة صد بن عجلانی رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ یا ابن آدم انک ان تبذل الفضل خیرلک وأن تمسکه شرلک ولاتلام علی الکفاف وابدأبمن تعول والید العلیا خیر من ید السفلی (رواہ مسلم)
(مشکوة شریف صـ۱۶۴)

آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے ابن آدم! اگرتو ضرورت سے زائد مال خرچ کرے تو تیرے لئے براہوگا اور تجھے بقدر ضرورت روکنے پر ملامت نہیں اور مال خرچ کرنے کی ابتداء اپنے اہل وعیال سے کر اور اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔

(۲۸) عن مرشد بن عبدالله قال حدثنی بعض اصحاب رسول الله ﷺ انه سمع رسول الله ﷺ ان ظل المؤمنین یوم القیمة صدقته (رواہ احمد)
(مشکوة شریف صـ ۱۷۰)

آپ ﷺ نے فرمایا آدمی کا صدقہ قیامت کے دن اس کے لئے سایہ بن جائیگا۔

(۲۹) عن ابی امامة قال قال ابوذر یانبی الله أرئیت الصدقة ماذا هی؟ قال اضعاف مضاعفة وعند الله المزید (راوہ احمد)
(مشکوة شریف صـ ۱۷۰)

رسول اللہ ﷺ سے حضرت ابوذرؓ نے پوچھا کہ صدقہ کیا چیز ہے تو فرمایا دوگنا ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاس مزید ہے

(۳۰) عن ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله ﷺ من وسع علی عیاله فی النفقة یوم عاشوراء وسع الله علیه سائر سنته (مشکوة المصابیح باب فضل الصدقة الفصل الثالث)
(مشکوة شریف صـ ۱۷۰)

حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے اپنے عیال پر عاشوراء کے دن نفقہ میں وسعت کرے تو خدا تعالیٰ پورے سال اسکے اوپر وسعت کریں گے۔

باب الانفاق فی سبیل الله

(۳۱)عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله ﷺ مامن یوم یصبح العباد فیه الاملکان ینزلان فیقول أحدهما اللهم اعط منفقا خلفا ویقول الاخر اللهم اعط ممسکا تلفا (متفق علیه)
(مشکوة شریف ص۱۶۴)

آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر روز جب بندے صبح کرتے ہیں اس میں دو فرشتے اترتے ہیں اس میں سے ایک فرشتہ دعا کرتا ہے اے اللہ خرچ کرنے والے کو نعم البدل عطا فرما اور مال کے روکنے والے کو نقصان سے دوچار فرما۔

(۳۲) عب ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ قال الله تعالیٰ انفق یابن آدم اُنفق علیک (متفق علیه)
(مشکوة شریف ص۱۶۴)

حضور ﷺ کا پاک ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے ابن آدم خرچ کر میں تجھ پر خرچ کروں گا۔

(۳۳) عن اسماءؓ قالت قال رسول الله ﷺ انفقی ولاتحصی فیحصی الله علیک ولاتوعی فیوعی الله علیک ارضخی مااستطعت. (متفق علیه)
(مشکوة شریف ص۱۶۴)

حضور ﷺ نے حضرت اسماء سے فرمایا خرچ کیا کر اور روک کر مت رکھ، پس اللہ تبارک وتعالیٰ تجھ پر روک لگا دیوے اور اس کو بچا بچا کر مت رکھو کہ اللہ تعالیٰ تجھ پر روک لگا دیوے اور دیوے اللہ کی راہ میں جو دے سکے۔

(۳۴) عن ابی سعید رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله ﷺ خصلتان لاتجتمعان فی مؤمن البخل وسوء الخلق
(رواه الترمذی) (مشکوة شریف ص۱۶۵)

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا دو خصلتیں کبھی مؤمن بندے میں جمع نہیں ہوسکتی بخل اور بد خلقی۔

(۳۵) عن ابی بکر رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ لایدخل الجنة خب ولا بخیل ولا منان (رواه الترمذی) (مشکوۃ شریف ص۱۶۵)

حضور ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں کبھی بھی مکار، بخیل اور احسان جتلانے والا داخل نہیں ہوگا۔

(۳۶) عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله ﷺ لو کان لی مثل احد ذهبا لسرنی ان لا یمر علی ثلث لیال وعندی منه شیء الاشیء ارصده لدین (رواه البخاری)

(مشکوٰۃ شریف ص۱۶۴)

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر میرے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہوتا تو مجھے خوشی نہ ہوتی کہ میں اپنے پاس تین دن تک رکھوں مگر اتنی چیز جس سے اپنا قرضہ ادا کرسکوں۔

(۳۷) عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله ﷺ مثل البخیل والمتصدق کمثل رجلین علیهما جنتان من حدید قداضطرت ایدیهما الی ثدیهما وترا قیهما فجعل المتصدق کلماتصدق بصدقة ان بسطت عینه وجل البخیل کلما هم بصدقة قلصت واخذت کل حلقه بمکانها. (متفق علیه)

(مشکوۃ شریف ص۱۶۴)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بخیل اور سخی کی مثال ان دو شخص کی سی ہے کہ ان دونوں پر لوہے کے دو ذرع ہوں اس پر وہ ذرع تنگ ہوجاتا ہے یہاں تک کہ سینہ کو بھی جکڑ لیتا ہے، جب وہ صدقہ کرتا ہے تو اس کے اوپر سے وہ ذرع ہر جگہ سے کھلتے چلے جاتے ہیں

(۳۸) عن جابرؓ قال قال رسول الله ﷺ اتقوا الظلم فان الظلم ظلمات یوم القیمة واتقوا الشح فان الشح اهلک من کان قبلکم حملهم علی ان اسفکوا دمائهم واستحلوا محارهم (رواه مسلم) (مشکوة شریف صـ۱۶۴)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ظلم سے بچو اسلئے کہ ظلم قیامت کے دن اندھیرا بن کر آئے گا اور بخل سے بچو اسلئے کہ بخل نے تمہارے پہلے والے لوگوں کو ہلاکت میں ڈال دیا ہے اور ان کو سفا کی پر ابھارا ہے۔

(۳۹) عن حارثه بن وهب قال قال رسول الله ﷺ تصدقوا فانه یأتی علیکم زمان یمشی الرجل بصدقته فلایجد من یقبلها یقول الرجل لوجئت بها بالامس لقبلتها فاما الیوم فلاحاجة لی بها (متفق علیه) (مشکوة شریف صـ۱۶۴)

حضور ﷺ نے فرمایا صدقہ کیا کرو (اللہ کے راہ میں خرچ کرو) اسلئے کہ ایسا زمانہ آنے والا ہے جس میں آدمی صدقہ لے کر فقیر کے پاس جائے گا تو وہ کہے گا کہ اگر پہلے آتے تو میں لے لیتا، آج مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔

(۴۰) عن حارثة بن النعمان رضی الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ مناولة المسکین تقی میتة السوءِ (الجامع الصغیر جـ۲ صـ۶۵۸)

حضرت حارثہ بن نعمانؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مسکین کو اپنے ہاتھ سے دینا بری موت سے بچاتا ہے۔

مراجع وماٰخذ

نام کتاب	نام مصنف
قرآن مجید	
احادیث	
الصحیح البخاری	حضرت امام ابوعبداللہ محمد بن اسمعیل البخاری
الصحیح المسلم	حضرت امام ابوالحسن مسلم ابن الحجاج بن مسلم القشیر ی
جامع ترمذی	حضرت امام ابوعیسی محمد بن عیسی الترمذی
سنن ابوداؤد	حضرت امام ابوداؤدسلیمان بن الاشعث السجستانی
سنن نسائی	حضرت امام ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی
سنن ابن ماجہ	حضرت ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ القزوینی
مشکوۃ المصابیح	حضرت امام محی السنہ محمد بن سعود البغوی
مصنف ابن شیبہ	حافظ ابی بکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ
کنز العمال	حضرت امام عباداللہ علی بن حسام الدین المتقی برھان پوری
تفاسیر	
تفسیر قرطبی	حضرت امام محمد بن احمد القرطبی
تفسیر کشاف	امام زراللہ زمخشری
تفسیر مظہری	امام قاضی ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتی
جامع الکلام	امام محمد بن احمد القرطبی
معارف القرآن	حضرت مولانا شفیع صاحب دیوبندی

نام کتاب	نام مصنف
شروح حدیث	
عمدۃ القاری	حضرت علامہ بدرالدین عینی الحنفی
فیض القدیر شرح جامع الصغیر	حضرت العلام محمد شمش الدین
حجۃ اللہ البالغہ	حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی
شرح المجلی	سلیم رستم
معارف الحدیث	حضرت مولانا منظور صاحب نعمانیؒ
بذل المجہود	حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری
رحمۃ اللہ الواسعہ	حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالنپوری
فقہ اسلامی	
الھدایہ	حضرت برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی
شرح الوقایہ	حضرت علام عبید اللہ بن مسعود بن تاج الشریعہ
کنز الدقائق	امام ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی
نور الایضاح	حضرت شیخ حسن بن علی الشرنبلالی
جذب القلوب	حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی
غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی	شیخ داؤد بن عبداللہ الفطانی
مراقی الفلاح مع طحطاوی	علامہ احمد بن محمد بن اسمعیل الطحطاوی
الاشباہ والنظائر	شیخ زین العابدین بن ابراہیم بن نجیم المصری
حاشیہ الاشباہ	علامہ القرتاشی

نام کتاب	نام مصنف
احکام الخصاف	امام ابوبکر احمد بن عمر الشیبانی المعروف بالخصاف
احکام الاوقاف	″ ″ ″ ″ ″
کتاب الاسعاف فی احکام الاوقاف	″ ″ ″ ″ ″
بحر الرائق	علامہ زین الدین ابن نجیم المصری
البنایہ فی شرح الھدایہ	حضرت شیخ محمد بن احمد
منحۃ الخالق علی البحر الرائق	
فتویٰ قاضی خاں علی ھامش عالمگیری	شیخ حافظ الدین محمد بن شہاب
ردالمحتار علی درالمختار المعروف فتاویٰ شامی	علامہ محمد امین ابن عابدین الشامی
الفتاویٰ تاتارخانیہ	حضرت شیخ عالم بن علاء الانصاری الحنفی
فتاویٰ قاضیخان	امام فخر الدین حسن بن منصور اوزجندی
درمختار علی ھامش شامی	علامہ علاء الدین الحصکفی
فتح القدیر	حضرت کمال الدین محمد بن ھمام الحنفی
فتاویٰ باقیات صالحات	حضرت مولانا شاہ عبدالوہاب صاحب دہلوی
الفتاویٰ الھندیہ المعروف بہ عالمگیری	شہنشاہ اورنگ زیب کے حکم سے مرتب کردہ فتاویٰ کا مجموعہ
کفایت المفتی	مفتی اعظم حضرت مولانا کفایت اللہ صاحب
احسن الفتاویٰ	فقیہ العصر حضرت مولانا رشید احمد صاحب
فتاویٰ محمودیہ	فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود الحسن
فتاویٰ رحیمیہ	حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب لاجپوری
امداد الاحکام	حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب

نام کتاب	نام مصنف
فتاویٰ مفتاح العلوم غیر مطبوعہ	حضرت مولانا مفتی نصیر احمد صاحب
نظام الفتاویٰ	حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب
فتاویٰ عبد الحی	حضرت مولانا عبد الحی صاحب لکھنوی
فتاویٰ مظاہر علوم	حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری
فتاویٰ رشیدیہ	حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی
مجموعہ قوانین اسلامی	حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب مفتاحی ودیگر اراکین علماء مسلم پرسنلاء بورڈ
قاموس الفقہ	حضرت مولانا مفتی خالد سیف اللہ رحمانی صاحب
کتاب الفتاویٰ	؍ ؍ ؍ ؍ ؍
سیرت	
اصح السیر	حکیم ابو البرکات عبد الرؤف داناپوری
سیرت المصطفیٰ	حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلوی
سیرت حلبیہ	الامام العام العلامہ علی بن برھان الدین
سیرت النعمان	حضرت علامہ شبلی نعمانی صاحب
خطبات امیر شریعت	حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی مونگیری
حیات حضرت امام ابو حنیفہ	حضرت علامہ شیخ ابو زہرہ